حیات درویش

سوانح حیات حضرت ڈاکٹر **فدا محمد** صاحب دامت برکاتھم

عزم و ہمت، مجاہدانہ، اولوالعزمی کے کارناموں اور واقعات سے لبریز......آپ کی خانقاہی زندگی...... آپ کے اصلاحی و علمی ملفوظات ، بیانات و تحریرات...... آپ کی اور آپ کے مشائخ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ، مولانا اشرف علی تھانویؒ ، مولانا الیاسؒ ، مولانا انعام الحسنؒ، مولانا فقیر محمدؒ، مولانا اشرف خانؒ اور حاجی خیال محمد باباجیؒ کی خانقاہی زندگی کے دلچسپ اور پرتاثیر واقعات......

...... **مؤلف** ......

عزیز احمد خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب

ناشر خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ لوندخوڑ

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں۔

کتاب کا نام	....	حیات درویش
مصنف	....	عزیز احمد
موضوع	....	سوانح حیات حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ
ناشر	....	خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ لوندخوڑ
اشاعت اول	....	ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ بمطابق ستمبر 2017ء
صفحات	....	487
ڈیزائننگ	....	عدنان پرنٹرز مردان

...... ملنے کے پتے ......

- خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ لوندخوڑ رابطہ: 0314-9630240
- بک سٹال ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور یونیورسٹی
- ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
- مکتبہ نعیمہ دارالعلوم خیر مدارس پارہوتی مردان

انتساب

سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ

اور حاجی عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ

(سنگر باباجی) کے نام

اظہار تشکر

ڈاکٹر احمد حسن صاحب خلیفہ مجاز مفتی فریدؒ اور مولانا طفیل صاحب نے نظر ثانی اور تصحیح فرمائی۔ کتاب کی تیاری میں قاری وقار صاحب اول تا آخر شریک رہے۔ حسن اور داود (راقم فقیر کے بیٹے) نے بھی کتاب کی تیاری میں مدد فرمائی۔ مولانا عبدالسلام حقانی صاحب، مولانا طاہر شاہ حقانی صاحب، مولانا سید نواب حقانی صاحب اور کرنل خالد محمود صاحب (ریٹائرڈ) نے پروف ریڈنگ کی۔ اس کے علاوہ جن ساتھیوں نے مسودہ ٹائپ کرنے میں مدد کی اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ترقیات سے نوازے۔ آمین

فہرست مضامین

۱۱
۱ تقریظ شیخ الحدیث مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ
۱۳
....
۱۵
۲ تقریظ شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ
۱۶
....
۱۹
۳ دعائیہ کلمات شیخ الحدیث مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ
۲۱
....
۲۳
۴ تقریظ پروفیسر ڈاکٹر احمد جان صاحب مدظلہ
۲۵
....
۳۶
۵ تقریظ حضرت مولانا محمد طفیل صاحب مدظلہ
۴۰
....
۴۱
۶ تقریظ مولانا قاضی ارشد الحسینی صاحب مدظلہ
۴۱
....
۴۲
۷ تقریظ بریگیڈیئر ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن جدون صاحب
۴۲
مدظلہ (ریٹائرڈ) ....
۴۴
۸ مقدمہ
۴۵
....
۴۶
۹ احوال وآثار
۴۷
....
۴۸
۱۰ تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستگی
۵۱
....

۱۱ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کے ساتھ تعلق ۵۲

.... ۵۴

۱۲ مولانا انعام الحسنؒ سے ۵۹

بیعت.................................... ۶۰

۱۳ تصوف ۷۱

.... ۷۱

۱۴ بیعت کا ۷۱

مقصد.................................... ۷۲

۱۵ مولانا انعام الحسنؒ کے مشورے سے مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ ۷۵

اصلاحی تعلق. ۷۷

۱۶ انقطاع وتبتل ۸۶

.... ۸۸

۱۷ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی ۹۲

صحبت.................................... ۹۶

۱۸ ۹۹

۱۰۰

۱۰۲

۱۰۳

۱۰۴

۱۰۵

۱۰۶

۱۰۷

۱۰۷

۱۱۰

۱۱۲

۱۱۴

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۶

۱۲۶

۱۲۸

۱۲۹

۱۲۹

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۶

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۷

۱۳۸

۱۴۰

۱۴۲

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۳

۱۴۴

۱۴۶

۱۴۷

۱۴۷

۱۴۸

۱۴۹

۱۵۶

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۵

۱۸۳

۲۲۹

۲۳۱

۲۳۲

۲۴۴

۲۵۶

۲۵۶

۲۷۹

۲۸۰

۲۸۱

۲۸۲

۲۸۳

۲۸۳

۲۸۳

۲۸۳

۲۸۴

۲۸۴

۲۸۶

۲۸۹

۲۸۹

۲۹۱

۲۹۱

۲۹۳

۲۹۳

۲۹۵

۲۹۶

۲۹۶

۲۹۷

۲۹۷

۲۹۷

۲۹۸

۲۹۹

۲۹۹

۳۰۰

۳۰۱

۳۰۱

۳۰۱

۳۰۵

۳۰۶

۳۰۷

۳۰۸

۳۰۸

۳۰۹

۳۰۹

۳۱۰

۳۱۳

۳۱۴

۳۱۵

۳۱۵

۳۱۶

۳۱۹

۳۲۰

۳۳۲

۳۳۶

۳۵۳

۳۵۴

۳۵۷

۳۵۸

۳۵۹

۳۶۱

۳۶۲

۳۶۴

۳۶۹

۳۷۰

۳۷۰

۳۷۴

۴۲۷

۴۲۸

۴۳۷

۴۴۹

۴۶۳

۴۷۲

۴۸۶

خلافت..

۱۹ خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ..
۲۰ مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی حضرت کی فیض رسانی کا مرکز........
۲۱ اصلاحی مجالس ذکر..
۲۲ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کا دردمند مصلح اور پرسوز داعی.........
۲۳ نومسلموں سے محبت...
۲۴ ۳۵ سالہ تبلیغی زندگی کی چند اہم واقعات..........................
۲۵ مولانا طارق جمیل صاحب کی وصولی...............................
۲۶ ایک ساتھی کا خواب..
۲۷ غیرت دینی اور تحریکات...
۲۸ عیسائی گرجا زمین بوس ہوگیا.....................................
۲۹ فری میسن تحریک اور حضرت تھانویؒ کا فتویٰ اور اس ضمن میں آپکے متوسلین کی خدمات .
۳۰ امداد العلوم پشاور...
۳۱ فلم دی میسج (The Message) کے خلاف تحریک......................
۳۲ سیاسی وابستگی..
۳۳ اور جب اقلیت اکثریت پر چھا گئی................................
۳۴ حفاظت دین، اقامت دین اور اشاعت دین کی خاطر کیلاش قبیلے میں اجتماع......
۳۵ پرسوز داعی، دردمند مصلح......................................
۳۶ ختم نبوت...
۳۷ قادیانیت کا پس منظر...
۳۸ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء......................................
۳۹ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا کردار.........

۴۰ قادیانیوں کے خلاف مولانا اشرف خانؒ کی سپریم کورٹ میں وکالت............
۴۰ درویش کی بددعا..
۴۱ قادیانیوں کی خطرناک سازش اور اللہ کی حفاظت.......................................
۴۲ عالم اسلام کی تکالیف پر آپ کی بے چینی اور کڑھن.................................
۴۳ عالم کفر کی سازشوں کی نشاندہی..
۴۴ اردو رسم الخط کی تبدیلی باطل کی ایک چال...
۴۵ مذہبی غیرت، دینی حمیت اور بائیکاٹ..
۴۶ ضرب مؤمن اور روزنامہ اسلام حضرت تھانویؒ کے تجدیدی کارناموں کا تسلسل....
۴۷ تصویر سازی اور فوٹو گرافی سے نفرت...
۴۸ فقیر کا حضرت کے ساتھ تعلق...
۴۹ مرد درویش..
۵۰ چندہ..
۵۱ خانقاہ کا کھانا...
۵۲ اسراف و تبذیر اور نمود نمائش نہیں بلکہ سادگی...
۵۳ اسراف، تبذیر اور تضیع کی وجہ سے ہم اللہ کی ناراضگی مول لے رہے..............
۵۴ رزق کا صحیح استعمال...
۵۵ وضو میں پانی کا کم سے کم استعمال..
۵۶ نمازوں میں مسنون قراءت...
۵۷ تلاوت اور نعت خوانی..
۵۸ بجلی چوری...
۵۹ پڑوسیوں کے ساتھ رویہ..
۶۰ جانوروں پر رحم..

٦١ غریب دیہاتیوں کا حق ہے ....

٦٢ اللہ کے غیر کے سامنے کیوں کھڑے ہو گئے ....

٦٣ پھر نماز نہیں چھوٹی ....

٦٤ خدمت ....

٦٥ السلام علیکم ....

٦٦ منکرات کو روکنا چاہیے ....

٦٧ دل میں معاصی سے نفرت ....

٦٨ لوگ عمرے کے لئے جاتے ہیں مگر سر نہیں مونڈواتے ....

٦٩ حضرت ڈاکٹر صاحب کے شیوخ ؒ ....

٧٠ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب ؒ ....

٧١ قطب الارشاد حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب ؒ ....

٧٢ مولانا فقیر محمد صاحب ؒ ....

٧٣ حاجی خیال محمد صاحب ؒ ....

٧٤ عبد المعبود باباجی ؒ ....

٧٥ سید مسرت حسین شاہ صاحب ؒ ....

٧٦ مولانا محمد الیاس ؒ بانی تبلیغی جماعت ....

٧٧ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ ....

٧٨ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ ....

٧٩ حضرت شاہ عبد العزیز دعاجو دہلوی ؒ ....

٨٠ شاہ یٰسین نگینوی ؒ ....

٨١ مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ ....

٨٢ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ ....

۸۳ جناب رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت...

۸۳ ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ تک ہمارے سلسلے کا شجرہ طریقت ....

۸۴ فیض درویش، خانقاہی اعمال ....

۸۵ شریعت، طریقت اور معرفت ....

۸۶ تزکیہ میں نیابت نبوت ....

۸۷ باطن سے تعلق رکھنے والے اعمال ....

۸۸ ریا ....

۸۹ حسد ....

۹۰ تکبر ....

۹۱ عجب یا خود پسندی ....

۹۲ شہرت وجاہ ....

۹۳ فضول گوئی وکثرت کلام ....

۹۴ نفس کی اقسام ....

۹۵ نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا آسان طریقہ ....

۹۶ سنت کی پابندی ....

۹۷ تبتل ....

۹۸ ذکر کی اقسام ....

۹۹ قلب کی اقسام ....

۱۰۰ دل کی بیماری کے عمومی اسباب ....

۱۱۱ دل بننے کے اسباب ....

۱۱۲ فنا وبقا ....

۱۱۳ توبہ ....

۱۱۴ زہد..

۱۱۵ ورع..

۱۱۶ ورع کے اقسام..

۱۱۷ نیک اور بد صحبت..

۱۱۸ تقویٰ..

۱۱۹ عبادات، معاملات اور معاشرت..

۱۲۰ منافق کی علامتیں..

۱۲۱ جھوٹ اور جھوٹا سرٹیفکیٹ..

۱۲۲ وعدہ خلافی..

۱۲۳ خیانت ....

۱۲۴ ضرورت مرشد..

۱۲۵ شیخ کامل کی صحبت کے فوائد..

۱۲۶ بیعت..

۱۲۷ طریق بیعت..

۱۲۸ مجاہدہ..

۱۲۹ حقوق العباد و صفائی معاملات..

۱۳۰ حقوق اللہ..

۱۳۱ سلسلہ کے درجات، درجہ اول، درجہ دوئم، درجہ سوئم..

۱۳۲ مرکزی خانقاہ میں روزانہ مجالس کی ترتیب..

۱۳۳ اعتکاف..

۱۳۴ خلافت..

۱۳۵ نسبت ....

۱۳۶ آپ کے خلفاء..

۱۳۷ بیرونی اسفار..

۱۳۸ ہندستان کا سفر..

۱۳۹ برطانیہ کا سفر..

۱۴۰ ترکی کا سفر اور حالات..

۱۴۱ جنوبی افریقہ کے سفر..

۱۴۲ ملائیشیاء کا سفر..

۱۴۳ نقش درویش..

۱۴۴ ماہنامہ غزالی..

۱۴۵ سلمان رشدی کی کتابیں اور پشاور یونیورسٹی..

۱۴۶ تہوار..

۱۴۷ مرکزی حکومت اور سندھ کی صوبائی حکومت کی توجہ کے لئے..

۱۴۸ ایدھی صاحب کی وفات..

۱۴۹ نصابِ تعلیم..

۱۵۰ خیبر پختونخواہ حکومت ہوشیار باش!..

۱۵۱ شیعیت، پاکستانی حکومتیں اور اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلے..

۱۵۲ ملفوظات درویش..

۱۵۳ بیانات درویش..

۱۵۴ بیان جامعۃ الرشید سالانہ تقسیم انعامات..

۱۵۵ بیان پشاور خانقاہ..

۱۵۶ بیان حقیقت تصوف..

۱۵۷ بیان آداب معاشرت..

۱۵۸ بیان نفس کے مزے ....
۱۵۹ ماخذ و مصادر..

...... تقریظ ......

مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتھم

شیخ الحدیث و مفتی اعظم دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الامین وعلی الہ وصحبہ اجمعین. اما بعد

اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں عوام اور خواص کی اصلاح کے لئے امت کے بعض چیدہ چنیدہ افراد کو منتخب فرماتے ہیں جن کے فیض کی لہروں سے بے شمار لوگوں کے ظاہر اور باطن کی تطہیر ہوتی ہے اور لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے اور علم عمل سے آراستہ پیراستہ ہونے کی توفیق ملتی ہے۔انہی منتخب لوگوں میں ہمارے دوست اور کرم فرما جناب ڈاکٹر فدا محمد صاحب بھی ہیں۔جن کو اللہ تعالیٰ نے یونیورسٹی اور کالج کے ماحول سے چن کر اپنی اصلاح اور دوسروں کے جسمانی اور روحانی علاج کے لئے چن لیا ہے اور اپنے اکابر کے طور طریق پر کارِ اصلاح میں مشغول ہیں اور حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی ؒ نے جو کارِ خیر ان کے سپرد فرمایا اس کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں اور اپنے شیخ کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ ایسے ماحول میں مشغول اصلاح ہیں جس ماحول کو ہمارے بعض لوگ بگاڑ کی اساس قرار دے رہے ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برا ماحول محنت سے پاکیزہ بن جاتا ہے اور اچھا ماحول بے عملی اور بد عملی سے برا ہو سکتا ہے۔جناب عزیز احمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ نے زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب کے احوال وسوانح،خاندانی حالات،اصلاحی اور عملی ملفوظات ان کی بلند ہمتی اور

بلند کارناموں کو جمع فرمایا ہے ۔ یہ مجموعہ صرف کتاب برائے کتاب نہیں بلکہ اس میں دو شخصیتوں (حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ اور حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ) کے حالات و واقعات اور کارناموں کو جمع فرمایا گیا ہے جو کہ ہمت اور پست ہمت کے حامل افراد کے لئے تازیانۂ حرکت ہے۔ بلکہ اس میں بعض ایسے واقعات کا ذکر ہے جن کی تفصیلات بہت کم لوگوں کو معلوم ہیں۔ یہ کتاب اہل خلوت کی جلوت اور اہل جلوت کی خلوت کے اسرار پر مشتمل ہے اور کتاب ہونے ساتھ ساتھ گنجینۂ اسرار ہے اور علمی، عملی خانقاہی زندگی کے پر کیف حالات کا لب لباب ہے اس کتاب کا اکثر حصہ میں نے پڑھا اس میں تبلیغ اور خانقاہ، علم و ذکر مسجد و میدان عمل کا مجمع البحار دیکھنے کو ملتا ہے اس میں مسجد درویش اور جامعہ امدادلعلوم کے ماضی وحال کے دلچسپ واقعات بھی حوالہ قرطاس کئے گئے ہیں۔ اور تبلیغ و خانقاہ کے جوڑ کا تفصیلی ذکر بھی موجود ہے۔ اصلاحی بیانات و ملفوظات بھی ہیں اور بزرگوں کے بعض دلچسپ واقعات بھی ہیں۔ بعض یونیورسٹیوں میں بعض ناگفتہ بہ واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغ اور اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت ان یونیورسٹیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب کو صحت اور عمر دراز سے نوازیں تاکہ اصلاح وارشاد کا سلسلہ دوسری یونیورسٹیوں تک دراز فرمائیں اور وہاں بھی اصلاح وارشاد کی لہریں موجزن ہو جائیں فارسی کا یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

اس شعر کی روشنی میں حضرت ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ حضرات کے کندھوں پر ان جامعات کی اصلاح وارشاد اور بوجھ سب سے زیادہ ہے ہم دعا گو کہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق خاص سے نوازیں اور ہم سب کو دین کی خدمت کے لئے پورے عالم میں قبول فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ مؤلف جناب عزیز احمد صاحب کی اس کاوش کو قبولیت کی صفات سے متصف فرمائیں اور کتاب کو نافع اور مفید بنادیں۔

دعا گو

(مفتی) رضاء الحق عفا اللہ

دار العلوم زکریا (لینیشیا) جنوبی افریقہ

...... تقریظ ......

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ

مہتمم جامعہ ابو ہریرہؓ وسرپرست القاسم اکیڈمی نوشہرہ

الحمد للّٰہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

''حیات درویش'' درویش خدا مست، مرد قلندر حضرت مولانا ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ کے تذکرہ و سوانح کے لازوال نقوش ہیں ۔حضرت ڈاکٹر صاحب علم وعمل ،قلم و کتاب،درس و تدریس ،صحافت وسیاست اورتزکیہ وتربیت کے ساتھ ساتھ روحانی علوم و معارف سے مالامال ہیں اورالحمدللہ اپنے اکابراورشیوخ کے عظیم نسبتوں کی برکت سے انہیں محبوبیت اورمرجعیت کی عظمتیں بھی حاصل ہیں ۔اپنے انفاس قدسیہ سے روحانی فیوض و برکات تزکیہ نفس اورعلوم سلوک وطریقت کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔جدید تعلیم یافتہ طبقہ، گریجویٹ،ادیب ،قلمکار،صحافی ،اساتذہ، پروفیسروں اور عامۃ المسلمین کی محبت ورجوع کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کے اساتذہ وشیوخ، مفتیان کرام ،فضلاء اورعلماء بھی ان کے دامن گرفتہ اوران کے عشق ومحبت کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں مجھے انہیں بہت قریب سے محبت واستفادہ، زیارت وملاقات اوران کو پڑھنے اوراستفادہ کرنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں،نوازتے ہیں سرفرازتے ہیں اور تحقیقات سے مالامال کرتے ہیں ۔جامعہ ابوہریرہ ؓ تشریف لاتے ہیں تواساتذہ طلبہ اورفضلاء کے لئے ان کا قدوم میمنت لزوم قرار پاتا ہے۔

ان کے مسترشدوخلیفہ مجاز حضرت مولانا عزیز احمد مدظلہ کوان کے حین حیات ان کے

تذکرہ وسوانح حیات وخدمات اورافادات وافاضات پر کام کا موقع ملا ہے۔ اپنے موضوع کے حوالے سے ایک جامع ،مکمل علمی ،ادبی ایک مؤثر اور روحانی حوالے سے ایک انقلابی سوانح لکھنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے کامل استفادہ نہ کرسکا سفر میں ہوں تاہم حضرت الشیخ یقیناً اسے دیکھ کر اصلاح وتصحیح بھی اور توثیق وتصدیق بھی فرماویں گے اور اپنے پیش لفظ اور دعائیہ کلمات سے اسے مزین فرماویں گے۔

مصنف بھی ایک روحانی مصلح طریقت اور مرجعیت کے حوالے سے اپنے شیخ کے توجہ اور عنائت سے منور ہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ پاک ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرماوے۔ موصوف کا تصنیفی حوالے سے یہ نقش ثالث ہے ابھی تو آغاز کار ہے یقیناً رفتار کار اور انجام کار کے حوالے سے وہ اپنی علمی اور قلمی فتوحات کے جھنڈے گاڑتے چلے جائیں گے۔

وصلی اللّٰہ تعالی علیٰ خیر خلقه محمد و اله وصحبه اجمعین

(مولانا) عبدالقیوم حقانی

۱۴ شعبان ۱۴۳۸ھ

......دعائیہ کلمات......

مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتھم

شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ، لاہور

(خلیفہ مجاز مولانا صوفی سرور صاحب وسید نفیس الحسینی صاحبؒ)

اللہ تعالیٰ جزائے خیر نصیب فرمائیں ہمارے بھائی عزیز احمد سلمہ کو جنہوں نے بڑی محبت اور محنت سے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ کی زندگی کے مبارک احوال ''حیات درویش'' کے نام سے جمع کئے ہیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس نیک کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اپنی رضاء اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محتاج دعا

محمد حسن عفی عنہ

...... تقریظ ......

پروفیسر ڈاکٹر احمد جان صاحب

ڈین فیکلٹی اصول دین، صدر شعبہ دعوت اسلامی کلچر

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العلمین الصلوٰۃ والسلام علی سید الخلق اجمعین

وعلی آلہ وصحابتہ ومن تبعھم الی یوم الدین

میں نے جناب محترم عزیز احمد صاحب خلیفہ مجاز ڈاکٹر فدا محمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت فقیر محمد صاحب نوراللہ مرقدہ (خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ) ومولانا اشرف خان سلیمانیؒ کی مؤقر تصنیف ''حیات درویش'' جو درحقیقت اپنے استاد محترم مرشد ومربی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب کی سوانح عمری اور اکابر واسلاف کی حالات کا گنجینہ ہے بغور پڑھا اور ہر عنوان کو بامراد اور بامقصد پایا، ذاتی طور پر مجھے بہت فائدہ ہوا یہ کتاب ایک بہترین تحفہ اور وفا کا مظہر ہے شاگرد اور استاد مرشد اور مرید کے درمیان روحانی رشتہ اور تعلق کا مفید جامع دستاویز ہے۔

کتاب کا اسلوب انتہائی شائستہ زبان میں روانگی وادب کی چاشنی سے مزین ہے پڑھنے سے دل کو فرحت دماغ کو تازگی جسم کو نشاط ملتا ہے۔

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

فاضل مصنف نے اکابر علماء دیوبند، طریقت وشریعت کے سرخیل اسلاف کے واقعات جابجا سپرد قلم کئے اور حقیقی تصوف زہد وریاضت، جہاد وکفاح، رشد وہدایت کے راہوں کی نشاندہی کیا اور تصوف وسلوک کو دجل وفریب، عجب ونمود کے طلاطم خیز موجوں سے الگ کر دیا۔

لباس خضر میں لاکھوں یہاں راہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

فاضل مصنف نے یہ کوشش ضرور کی کہ تصوف کوئی دنیاوی پیشہ نہیں بلکہ متاع آخرت ہے دین کی دعوت رشد وہدایت کا اہم ذریعہ ہے اور مرشد کے اسفار سے سبق اموز نتائج اخذ کئے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب لکھا ہے:

لادین ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دین کی حفاظت تو ہر زہر کا تریاق

''حیات درویش'' میں مصنف نے اپنے شیخ (ڈاکٹر فدا محمد صاحب) اور علماء حق کے تصوف وسلوک، طریقت وشریعت میں انتھک جدوجہد کفر وگمراہی کے ظلمتوں میں چراغ ہدایت روشن کرنے کے واقعات لکھے ہیں جو علو ہمت کی نشاندہی ہے۔

ارادے جن کے پختہ ہو نظر جن کی خدا پر ہو
طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

میں نے اس کتاب کے مطالعہ سے بہت کچھ سیکھالیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچ گیا ہوں۔

۱) یہ کتاب عالم اسلام کے مظلوم مسلمانوں کی بے بسی کی پرحسرت داستاں ہے۔

۲) مسلمانوں اور اہل علم کی جذبات کو خواب گراں سے بیدار کرنے کے لئے ایک درد مند صوفی کی صدائے بازگشت ہے۔

۳) اسلام اور مسلمانان عالم کے خلاف عالمی سازشوں کی نشاندہی ہے۔

۴) تصوف کے منفی دنیوی رجحانات، شطحیات وکرامات کے بیجا تشہیر کو مسترد کرتے ہوئے مثبت اصلاحی دعوتی پہلو کو اجاگر کیا ہے جو عصری تقاضوں کی ضرورت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سرزمین ہند میں اسلام کی دعوت اہل سلوک وتصوف ہی کی جدوجہد سے پھیل گیا۔ بختیار کاکیؒ، معین الدین اجمیریؒ، زکریا ملتانیؒ، علی ہجویریؒ، مجدد الف ثانیؒ، آدم بنوریؒ، علی ترمذیؒ وغیرہ روشن ستارے ہیں۔ نیز دنیا کے جغرافیائی بساط میں اسلام کی آبیاری بھی اہل تصوف وسلوک وعرفان کی مرہون منت ہے غانا سے فرغانہ، بحر اطلانٹک سے بحر الکاہل تک، نیل سے تابخاک کاشغر، ملایو سے فلفین یہ سب ان کی کوششوں کی ثمرات ہے۔

نعمتیں آسمان سے اترتی ہے یکساں لیکن
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

میں جناب عزیز احمد صاحب کو اس مفید تصنیف پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید واثق ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کے پڑھنے سے محظوظ ہو کر اصلاح نفس کے کاروان کے شانہ بشانہ ہم سفر ہو کر معین ومددگار کا کردار اداء کرینگے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ فاضل مُصَنِّفْ اور ذی وقار مُصَنَّفْ کو فیض عام کا ذریعہ بنائے آمین۔

ڈاکٹر احمد جان
فاضل بنوری ٹاون کراچی وجامعۃ الازھر مصر
استاذ و پروفیسر کلیہ اصول الدین
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

...... تقریظ ......

حضرت مولانا محمد طفیل صاحب مدظلہ

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

برصغیر پاک و ہند پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم رہا کہ یہاں تمام شعبہ ہائے دین (تعلیم و تبلیغ اور جہاد و سیاست) کی اساس میں صوفیاء کرام کی مساعی کا دخل ہے اس وجہ سے یہاں دین کے تمام شعبے آج بھی قائم و دائم ہیں اور کسی نہ کسی سطح پر اپنا مفید کردار انجام دے رہے ہیں۔ کسی ادارہ، تحریک اور سماج کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اسے اپنے ماضی کا علم ہو وہ ماضی کے روشنی میں حال کی تعمیر اور مستقبل کا لائحہ عمل طے کر سکے۔ اور اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ دنیاوی و اخروی کامیابی سمیٹنے کا درست منہج کیا رہا ہے۔ اگر وہ اس آگہی میں کوتاہی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اپنا وجود و تشخص برقرار نہیں رکھ پاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری ماضی کی زرخیزی و شادابی کا راز رسول ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کی حفاظت انہی کامل طریقے سے برتنے اور افراد و سماج کی ان روشن ہدایات و کیفیات کی روشنی میں تیار کرنے میں پنہاں رہا ہے۔ تاریخ اسلام میں اس ذمہ داری کو پورے حزم و احتیاط سے برتنے اور نبھانے والا طبقہ صوفیائے کرام کا ہے۔ پہلی صدی ہجری سے صاحب دل حضرات کی سرگرمیاں متنوع نوعیت کی رہیں، جہاد کے میدانوں میں جسم و جان کی قربانیاں پیش کرنے والے، حکومت کے اداروں کو مثالی منہج پر چلانے والے، علم و فنون کی تدوین کا معرکہ سر کرنے والے اور اغیار کے فکر فلسفہ کی بنیادیں ہلانے والے، تفسیر و حدیث اور فقہ فنون کی تعلیم کو زندہ و تابندہ رکھنے والے اور وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف سے ارشاد و

اصلاح کی مسند سجانے والے تمام معیاری ومثالی شخصیات اپنے پیشروں کی تربیت یافتہ اور ذکر وشغل سے آشنا تھیں۔انہی حضرات سے دین متین کی آبیاری رہی اور تاریخ اسلام میں حق وباطل کے فیصلہ کن معرکوں میں انہی حضرات کا کردار اساسی وبنیادی نوعیت کا حامل رہا ہے۔ایک بڑی ذمہ داری اہل اسلام پر یہ بھی عائد ہوتی ہے کہ ایسی نادر شخصیات کے حالات و واقعات محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک پہنچائے جائیں تاکہ وہ ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوں اور ان کے احوال وآثار سے اپنی اصلاح وارشاد کی راہ متعین کر سکیں۔ہمارے سیدی ومرشدی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب صوفیائے کرام کی اسی قافلہ کے سرخیل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جامعیت کے وصف سے نوازا ہوا ہے۔تصنیف و تالیف،تقریر و بیان،خدمت خلق،اصلاح وارشاد،دعوت وتبلیغ اور باطل کے خلاف احتساب وجہاد کے جملہ میادین میں آپ کا فیض اور کارکردگی واضح نظر آتی ہےاورآپ کے متعلقین وفیض یافتگان ہمہ جہت دینی سرگرمیوں سے وابستہ ہوکرامت مسلمہ میں دین کے نشأۃ ونشاط کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

برادر مکرم جناب عزیز احمد صاحب جو ہمارے حضرت کے خلفاء میں ایک فاضل و مختتی شخصیت ہے، نے ہمت کر کے حضرت کے احوال وآثار کو جمع کر کے ہمارے سلسلہ کے تمام فیض یافتگان پر احسان عظیم فرمایا ہے۔یہ کتاب صرف حضرت کے احوال تک محدود نہیں بلکہ اس میں آپ کے بیش قیمت ملفوظات اورآپ کے مشائخ کے پرتاثیر حالات کا بھی بڑا حصہ آگیا ہے، جو قارئین کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازے اور ان کے لئے بہترین توشۂ آخرت بنائے۔آمین ثم آمین

احقر العباد

(مولانا) محمد طفیل کوہاٹی

...... تقریظ ......

مولانا قاضی ارشد الحسینی صاحب دامت برکاتھم

فرزند ارجمند و خلیفہ مجاز

قاضی زاہد الحسینی صاحبؒ

مسترشد مولانا حسین احمد مدنیؒ و خلیفہ امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ

خانقاہ مدنیہ اٹک شہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماالاسلام ......؟ ماالایمان......؟ ماالاحسان......؟

حدیث جبریل میں مذکورہ یہ الفاظ پوری دین کی جامع ترین تفصیل و تفسیر کی کافی وشافی تعبیر کو سموئے ہوئے ہیں۔

ان سوالات کے جوابات بھی جوامع الکلم کا عظیم شاہکار ہیں کہ چند الفاظ میں ہر سوال کا ایسا جامع معنی، مفہوم اور مطلب بیان کر دیا گیا ہے کہ رہتی دنیا تک ان کی تشریح ہوتی رہے گی۔

تصوف کیا ہے؟ کیا یہ دین میں کوئی نئی چیز ہے......؟ کیا تصوف کو اپنانا یا اس کے اصول وضوابط پر عمل کرنا دین میں ہے......؟ کیا تصوف کسی شعبدہ بازی کا نام ہے......؟ اس طرح اور ملتے جلتے سوالات جدید ذہنوں میں پیدا ہو رہے ہیں اور پیدا کئے جا رہے ہیں۔ لیکن آگے جانے سے قبل ہم یہ عرض کر دیں کہ یہ اشکالات فقط اک تصوف کے بارے میں نہیں بلکہ آج دین کا ہر شعبہ مختلف شکوک وشبہات کے گرد گھرا نظر آتا ہے، کہیں حدود، کہیں اخلاقی اقدار، کہیں اسلامی روایات، کہیں عبادات الغرض آج دین کا سارا ڈھانچہ ان تشکیکی حملوں کے زد میں ہے۔ تاہم وعدہ خداوندی کے تحت کچھ دور اندیش فقراء ''بصد انداز خسروانہ'' اس چراغ

کو جلائے رکھے ہیں اور یہ چراغ تا قیامت روشن ہی رہے گا، آمدم برسرِ مطلب امت کے محسنین کا تذکرہ امت تک پہنچانا مستحسن اور ضروری ہے۔ پاک و ہند میں اکابر ثلاثہ حضرت تھانویؒ، حضرت حسین احمد مدنیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کا فیض ان کے خلفاء کے ذریعے پھیلا انہی میں سے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب بھی ہیں۔ اللہ نے آپ کو ظاہری و باطنی کمالات سے نوازا ہے۔ احقر نے چند بیانات حضرت ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں ان کے حکم پر کئے ہیں اور یہ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی شفقت ہے اسی کو رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا ہے من لم یرحم صغیرنا (الحدیث) یہاں صغیر پر شفقت کو پہلے فرمایا گیا۔ نہایت ہی سعادت مند ہے حضرت ڈاکٹر صاحب کے مسترشد اور خلیفہ مجاز مولانا عزیز احمد صاحب کہ اپنے شیخ کے حالات، فیوض و برکات اور خانقاہی معمولات کو مکمل فرما کر امت کے سامنے پیش کر دیا۔ ہمارے ہاں یہ روایت چل پڑی کہ بزرگوں اور اہل علم کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ہی انکی سوانح عمری لکھی جاتی ہے جس پر خلق خدا کو افسوس ہوتا ہے کہ کاش کہ ہم بھی ان سے فیض حاصل کر لیتے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ مشائخ وقت کے حالات ان کی زندگی میں شائع کئے جائیں۔ ایک تو یہ مستند ہوں گے اور دوسرا ان کو پڑھ کر خلق خدا کو ان سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔

اتنی مبارک اور عظیم تصنیف پر تقریظ لکھنے کا اہل تو نہیں مگر آپ کے حکم پر چند ارشادات لکھے ہیں۔ رب تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے عمر، علم اور فیوضات میں مزید ترقیات نصیب فرمائیں اور خلق خدا کو فیض روحانی و باطنی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور مرتب کو بہترین جزاء خیر نصیب فرمائیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزا

ارشد الحسینی

۲۱ شوال ۱۴۳۸ھ

...... تقریظ ......

بریگیڈیئر ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن جدون صاحب (ریٹائرڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزم عزیز احمد صاحب نے اپنے شیخ اور مرشد اور ہمارے مخلص دوست ڈاکٹر فدا محمد صاحب کی زندگی اور کام پر بڑی دلچسپ اور معلوماتی کتاب لکھی ہے۔ میں نے اس کے کچھ حصے کا مطالعہ کیا ہے خصوصاً استاذ محترم پروفیسر مولانا اشرف صاحبؒ کا تذکرہ پڑھ کر محظوظ ہوا ہوں۔ عزیز احمد صاحب نے کتاب کے مقدمہ تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے: کتاب کا پہلا حصہ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے متعلق ہے۔ جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا خاندان، جائے پیدائش اور تعلیم مولانا محمد اشرف خان سلیمانی ؒ، مولانا فقیر محمدؒ مولانا انعام الحسنؒ اور خیال محمد باباجیؒ سے تعلق اور خلافت، ۳۵ سالہ تبلیغی خدمات، آپ کی پہلی خانقاہ مدینہ مسجد اور دین حق کی دفاع اور تحریکات (درویش مسجد اور مدرسہ امداد العلوم، گرجا کے خلاف تحریک)، آپ کی سیاسی وابستگی، غیرت وحمیت، آپ کی خانقاہی ترتیب کے بارے میں ہے، آپ کے ملفوظات (ملفوظات درویش) آپ کے (بیانات درویش) شامل ہیں۔

کتاب کے دوسرے حصے میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے شیوخ مولانا محمد اشرف خان سلیمانی ؒ، حضرت جی انعام الحسنؒ اور حاجی خیال محمد صاحبؒ کے تذکرہ کے علاوہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، بابا عبدالمعبودؒ، مولانا فقیر محمدؒ، مولانا شاہ یٰسین نگینویؒ، شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ کا تذکرہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

تیسرے حصے میں حضرت علیؓ سے لے کر حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب مدظلہ تک کا شجرہ شامل کیا گیا ہے جس میں ۱۴۰ اکابر کے حالات لکھے گئے ہیں۔ حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ جو سید احمد شہیدؒ کے ساتھ ہندوستان سے سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے تشریف لائے تھے اور آخر کار مردان ''طورمایار'' میں شہید ہو گئے ان کے تفصیلی حالات شامل ہیں۔ سید احمد شہیدؒ کے سلسلے کی خلافت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ اور ان کے خلیفہ میاں جی نور محمدؒ دونوں کو ملی تھی اسی طرح چشتیہ سلسلے کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی نسبتیں سید احمد شہیدؒ کے ذریعے حاجی عبدلرحیم ولایتیؒ اور میاں جی نور محمدؒ اور ان سے حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، اور پھر ان کے خلفاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، اور بابا عبدالمعبودؒ سے ہوتے ہوئے مولانا اشرف خان سلیمانیؒ اور حاجی خیال محمد باباجیؒ کے ذریعے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ میں جمع ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے اس جہاں میں درجے بلند کریں آمین اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف اور صاحب تذکرہ کو جزائے خیر دیں قبولیت سے نوازیں اور قارئین کو اس سے بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق بخشیں امین۔

بریگیڈئیر حافظ فیوض الرحمٰن جدون (ریٹائرڈ)

کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

مقدمہ

دنیا میں علم وفضل کی کوئی کمی نہیں رہی لیکن خالص دینی مزاج ،تقویٰ، دینی حمیت ومذہبی غیرت ،علم وعمل ،دین کی سچی تڑپ ،روحانیت وللّٰہیت یہ وہ چیزیں ہیں جو کتابوں سے نہیں بزرگوں کے حالات زندگی اورانکی صحبت میں ملتی ہے ۔اور دنیا میں بعض شخصیات توایسی ہوتی ہیں کہ ان کا وجوداس امت کے لئے خیر وبرکت کا بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ان کا سایۂ رحمت ایک سائباں کی حیثیت رکھتا ہے۔لوگ راتوں کوسوتے ہیں لیکن یہ اللہ والے جاگ جاگ کر اللہ کے سامنے جھولیاں پھیلا کران کے لئے خیراور ہدایت کی بھیک مانگتے ہیں ۔ یہ راتوں کو دونوں ہاتھ اٹھا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے ہیں اورامت کی گمراہی اوربے دینی پرتڑپتے ہیں اس امت کے لئے ان دلوں پر جو کچھ گزرتی ہے وہ اللہ کو یا انہی کو پتہ ہوتا ہے۔

خنجر لگے کسی کو تو تڑپتے ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

تاریخ اسلام میں کوئی دورایسا نظر نہیں آئے گا جس میں کوئی زندہ دل، باضمیر، دین کی فکر رکھنے والا بے چین ،اسلام کے نظریاتی سرحدوں اورامت کے ایمانوں کا محافظ موجود نہ ہو۔ پاک وہند کی تاریخ پرنظر دوڑاتے ہیں تو جن بزرگوں کے دم قدم سے ایمان کی روشنی پھیلی ،ظلمت وتاریکیاں دور ہوئی ،دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ ہوئی حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں خانقاہ ومدرسہ کی جامعیت تھی وہ اسوۂ نبوت کے قریب تر تھے ان کا فیض

پورے پاک و ہند میں پھیلا۔خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ،قطب الدین بختیار کا کیؒ، عبدالقدوس گنگوہیؒ، مجدد الف ثانیؒ،شاہ ولی اللہؒ،شاہ عبدالعزیزؒ،سید احمد شہیدؒ،شاہ اسماعیل شہیدؒ،حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ ،حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ،مولانا قاسم نانوتویؒ،مولانا رشید احمد گنگوہیؒ،مولانا اشرف علی تھانویؒ،مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ،مولانا الیاسؒ اور مولانا زکریاؒ وغیرھم برصغیر پاک و ہند کی وہ عبقری شخصیات ہیں جنہوں نے امت کی راہنمائی کی اور اس دین کی تحفظ کی خاطر ساری زندگیاں کھپادیں اور اس ملت کی آبیاری کی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اگر چہ عرصہ دراز سے بعض جعلی ،مفاد پرست ، پیشہ ور،الحاد شعار،فاسد العقیدہ اور غیر محقق قسم کے نام نہاد صوفیاء نے لوگوں کو گمراہ کر کے،معاشرہ میں انتشار پیدا کر کے اور غلط قسم کے صوفیانہ طریقے رائج کر کے دین کے نام پر بے دینی کے اڈے قائم کر لئے۔نتیجہ میں بعض صحیح العقیدہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہمارے اکابر اور بزرگوں کے مقدس نام، کام اور کارناموں اور اس راستے سے بدظن ہو گئے،لیکن کیا محدثین کی جماعت میں بھی واضعین حدیث (جھوٹی اور من گھڑت احادیث بنانے والے) کے گھس آنے کی وجہ سے تمام محدثین کو جھٹلایا جائے گا۔اسلام کی ۱۴ سو سالہ تاریخ میں دعوت اسلامی کے فروغ اور برائی کے قوتوں کا جتنا بھی مقابلہ کیا وہ زیادہ تر تصوف ہی سے وابسطہ شخصیات رہی ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیاء کرام ہی کے ذات سے ہوا جنہوں نے اس بڑے ملک کے ایک گوشہ سے لیکر دوسرے گوشہ تک خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کا ایک جال بچھا دیا۔مطلق العنان سلاطین اور جابر بادشاہوں کے غلط اور خطرناک رجحانات کا مقابلہ بھی ان فقراء ہی کا کارنامہ ہے۔ ہندوستان میں اکبر کے دور میں سلطنت کا رخ

جب لادینیت کی طرف ہو گیا تو ان درویشوں (سلیم چشتیؒ اور مجدد الف ثانیؒ) نے ہی تن تنہا اللہ پاک کے بھروسہ پر، اپنے یقین و ایمان، عزم و توکل اور روحانیت وللّٰہیت سے اس فتنے کو لگام ڈالا۔ جس کا نتیجہ اکبر کے تخت سلطنت پر اورنگ زیب عالمگیرؒ کی صورت میں نظر آیا جن کے ۵۰ سالہ دور میں ہندوستان میں شریعت نافذ رہا۔ انیسویں صدی میں جب عالم اسلام پر صلیبی فرنگیوں کی یورش ہوئی تو ان کے مقابلے میں اکثر و بیشتر جو مردان کار اپنے سروں پر کفن باندھ کر آئے وہ مشائخ طریقت ہی تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں کئی ایسے تاریک وقفے آئے کہ ظاہری علم وحواس وقوت و مقابلہ نے جواب دے دیا اور حالات کی تبدیلی امر محال معلوم ہونے لگی، تو کوئی صاحب یقین و صاحب عشق میدان میں آیا، جس نے اپنی ''جرأت رندانہ'' اور'' کیفیت عاشقانہ'' سے زمانے کا بہتا ہوا دھارا بدل دیا اور اللہ تعالیٰ نے ''**یخرج الحی من المیت**'' اور ''**یحی الارض بعد موتھا**'' کا منظر دکھایا۔

تاتاریوں نے جب ایک سال کے قلیل عرصہ میں تمام عالم اسلام کو زیر وزبر کر دیا اور اس کو تاراج کر کے رکھ دیا، مسلمان علماء یا تو شہید کر دیئے گئے یا ان کو قید میں ڈالا گیا۔ تاتاریوں کے خلاف جہاد اور مقابلہ کی قوت بالکل ختم ہوگئی اور کسی میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت باقی نہیں رہ گئی۔ جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی حکومت اور عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا، تو تمام عالم اسلام پر یاس و مردنی چھا گئی، تاتاریوں کی شکست ناممکن الوقوع چیز سمجھی جانے لگی اور یہ مثال زبان وادب کا جز بن گئی، کہ ''اگر تم سے کوئی کہے کہ تاتاریوں نے شکست کھائی تو کبھی یقین نہ کرنا'' اس وقت کچھ صاحب یقین فقراء اور صاحب قلوب مردانِ خدا ہی تھے جو مایوس نہیں ہوئے اور اپنے کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ تاتاری سلاطین کو مسلمان کر کے صنم خانہ سے کعبہ کے لئے پاسبان مہیا

کر دیئے اور وہ اسلام کے پاسبان اور محافظ بن گئے اور ان میں بڑے بڑے فقیہ، عابد و زاہد، علماء اور مجاہد پیدا ہوئے۔ (تزکیہ واحسان ابوالحسن علی ندویؒ)

ہے عیاں آج بھی تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

ابھی کتنے ہی دنوں کی بات ہے کہ جب کمیونزم کا طلسم ٹوٹا اور سوویت یونین اس کے نتیجے میں بکھرا اور اس کے بکھرتے ہی دس گیارہ مسلم ریاستیں صفحہ ہستی پر وجود میں اُبھر آئیں۔ اللہ کے باغیوں نے مشہور کیا ہوا تھا کہ کمیونزم نے خدا کو روس سے نکال دیا ہے اور خدا کے ماننے والوں کا گلا گھونٹ دیا ہے اب وہاں کوئی اسلام کا نام لیوا نہیں رہا۔ ستر سال تک اسلام کی ہر آواز کو دبایا اور مٹایا اور ان زبانوں کو کاٹ ڈالا گیا جس پر اسلام کا نام آیا اور ان گلوں کو گھونٹ دیا گیا جس سے ایمان کی آواز نکلی لیکن یہ اچانک کیا ہوا کہ طلسم کو ٹوٹتے ہی ایمان اور اسلام کے متوالوں کی اتنی بڑی تعداد نکل آئی کہ انھیں دس گیارہ ریاستوں کی سربراہی حاصل ہوگئی...... ایک مفکر نے کہا کہ اتنے بڑے تعداد میں روس کے جبر واستبداد کے باوجود اسلام کے ماننے والے باقی کیسے رہ گئے؟...... انھوں نے لکھا ہے کہ کیسے گھروں کے کال کوٹھڑیوں میں ہلکے چراغ جلا کر بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا تھا، جنگلوں پہاڑوں کی وادیوں اور صحراؤں کے سناٹے میں کس طرح جیالی مائیں اپنے چھوٹے بچوں کو کچھ فقیروں کے سپرد کر دیتی تھیں کہ وہ انھیں آبادیوں سے دور قرآن اور دینی تعلیم دیں۔ یہ بچے گھروں سے نکل جاتے اور برسوں گھر کی دید سے محروم رہتے۔ روس میں اسلام کو زندہ رکھنے کا صبر آزما عمل صرف اور صرف صوفیائے کرام نے انجام دیا، اور یہ کام وہ اپنے جانوں پر کھیل کر کرتے تھے، روس میں اس سے بڑا کوئی جرم نہیں تھا کہ خدا کا نام لیا جائے۔ صوفیائے کرام نے بہت خاموشی سے مسلمان کو مسلمان رکھا۔

دور حاضر کے ان اللہ والوں اور امت کی محسن شخصیات میں قطب الارشاد حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ اور آپ کے خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ بھی ہیں جن کے احسان سے ہماری موجودہ اور آئندہ نسلیں سبکدوش نہیں ہو سکتیں اور جن کے مخلصانہ اور مجاہدانہ کوششوں اور توجہات سے ہزاروں انسان سیدھے راستے پر لگ گئے اور ان کی ایمانوں کی حفاظت ہوئی۔ حضرت مولانا محمد اشرف خانؒ ایک بہت بڑے عالم، بلند پایہ ادیب، طریقت کے شیخ اور امام تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ دونوں کے سلسلوں میں مجاز تھے۔ آپ کے جانشین اور روحانی وارث حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ میں بھی گنگوہیؒ اور تھانویؒ سلسلوں کی نسبتیں جمع ہوئیں اور آپ نے نہ صرف ان دونوں نسبتوں کی قدر کی بلکہ ان کے محافظ اور امین بھی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نہ صرف ایک مصلح، مربی، داعی، مفکر، مقرر، مصنف و ادیب ہیں بلکہ اپنے تاریخ کے مد جزر سے واقف ان شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی الحاد اور بے دینی کی طرف مائل جدید تعلیم یافتہ نسل کو دین و ایمان پر باقی رکھنے اور عصری تعلیم سے آراستہ لوگوں کو فکری اور ذہنی ارتداد سے بچانے کی انتھک کوششیں کیں، انھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی کوششیں جدید نسل کے دلوں میں ایمان کی جڑیں مضبوط کرنے اور صحیح دینی شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ علم و عمل، اخلاص وللہیت، توکل و استغناء، تقویٰ و عشق رسول ﷺ اور افراد سازی وہ اوصاف ہیں جو ہمارے دیوبند کے اکابر کو اللہ پاک کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اپنے پشاور یونیورسٹی کی خانقاہ میں (پشاور یونیورسٹی بشمول انجینئرنگ اور ایگریکلچر یونیورسٹی، خیبر میڈیکل کالج، خیبر لاء کالج، کامرس کالج، اسلامیہ کالج، اسلامک سنٹر اور چند دیگر تعلیمی ادارے) اس جدید انگریزی ماحول میں انگریزی دان طبقہ کو بے دینی اور الحاد کے اندھیروں سے نکال کر ان کی

نظریاتی، دینی اور روحانی تربیت کر کے اور انکی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ان کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرنے اور انھیں دینی کام پر لگانے کے لئے اپنی زندگی وقف کردی، جس کے نتیجے میں بے شمار انسانوں کو نئی زندگی ملی، کالج اور یونیورسٹیوں کے ہزاروں انگریزی دان اور دین سے بالکل آزاد مغربی فیشن کے دلدادہ اور ملحدانہ عقائد رکھنے والے حضرات بھی پکے دیندار بلکہ ان میں سے بعض مقتدائے امت بن گئے۔ آپ دینی اور نظریاتی ضرورتوں سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اور جس جس محاذ پر نظریاتی مورچوں کی ضرورت محسوس ہوئی خود سینہ سپر ہوئے یا پھر اپنے مریدین کو اس خدمت پہ لگایا۔ آپ نے ان ہاتھوں کو مضبوط کیا جنھوں نے اسلام کا پرچم اٹھایا اور ان قدموں کو سہارا دیا جو راہ حق کے رکاوٹوں کو عبور کرنے کے لئے بڑھ رہے تھے۔

شریعت کی اصطلاح میں ایک دین کے بدلے دوسرا دین اور ایک عقیدے کے بدلے دوسرا عقیدہ اختیار کرنا اور حضور ﷺ کے تعلیمات کا انکار کرنے کو ارتداد کہتے ہیں۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ "تاریخ اسلام میں ارتداد کا سب سے بڑا سانحہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد عرب قبائل کا ارتداد تھا۔ دوسرا بڑا سانحہ ہسپانیہ میں مسلم حکومت کا سقوط تھا"۔ جب ۱۹۶۹ء میں کمیونزم کا سیلاب آیا تو پاکستان کے یونیورسٹیوں، کالجوں، سکولوں اور اداروں پر پوری شدت اور قوت کے ساتھ اس کی یورش ہوئی، نہ صرف پروفیسر اور طلباء کمیونزم کے زہریلے افکار سے متاثر ہوئے بلکہ یہ الحاد و فساد عوام میں بھی گھس گیا۔ سرحدی قبائلی علاقوں کے سادہ لوح مسلمان بھی ان لہروں سے نہ بچ سکے۔ اس دین کی دفاع ایسے مردان کار کو چاہتی تھی جو اپنی صلاحیتیں اپنا مال و متاع اس کے لئے وقف کر دیں۔ ایسے حالات میں نہ صرف آپ کے شیخ حضرت مولانا اشرف خان سلیمانیؒ بلکہ آپ بھی ان کے حکم سے صدیقی مزاج اور اعلان کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور اس سیلاب کے سامنے ڈٹ

گئے ۔آپ کمیونزم کی تیز آندھیوں کے سامنے ڈٹ گئے اور آپ کی انتھک کوششوں اور قربانیوں کی وجہ سے سرخ ریچھ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔آپ نے اس دین کی پاسبانی اور چوکیداری میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔جب اہل باطل نے پشاور یونیورسٹی کے اندر گرجا اور سینما بنانا چاہا تو بڑے بڑے سیاسی پہلوانوں سے وہ کام نہ ہو سکا جو اس چشتی درویش نے کرکے دکھایا۔آپ نے دین میں رخنہ نہ پڑنے دیا اور آپ کی کوششوں سے گرجا اور سینما کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے دب گیا۔الغرض آپ کی زندگی کے روشن پہلوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے الحاد اور لادینیت کے دھارے کو روکنے کے لئے ایک ایسی جماعت تیار کی جنہوں نے نہ صرف ان فتنوں کا مقابلے کیا بلکہ ان میں اس کی سرکوبی کی صلاحیت و ہمت بھی موجود ہے۔

اکابر کی سوانح عمریاں اور حالات زندگی اس لئے نہیں لکھی جاتیں کہ صرف ان کا نام باقی رہے بلکہ اس لئے لکھی جاتی ہیں کہ ان کا کام اور ان کے کام کی اصلاحی نقوش بھی باقی رہیں اس سے اکابر کا مزاج و مذاق واضح ہو جاتا ہے کہ کن حالات میں اٹھ کر انھوں نے اسلام کی تعمیر و دفاع کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا،مزید یہ کہ ماضی میں بزرگوں کی خدمات، جدوجہد،اور فکرمندیوں پر روشنی ڈالتی ہے،حال کا آئینہ دکھاتی ہے اور مستقبل کے بارے میں منصوبہ بندی کے لئے اہم بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔بعض دفعہ صرف ایک واقعہ وہ کام کر جاتا جو لمبی چوڑی تقریروں سے نہیں ہوسکتا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ،مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا فقیر محمدؒ،شاہ ابرارالحقؒ (خلفاء حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ،حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ،مولانا ظاہر شاہؒ اور حاجی خیال محمدؒ جیسے مشائخ کی صحبتیں پائیں۔اوران اکابر کی تعلیمات کو لیکر خانقاہی ترتیب کے مطابق کام کیا۔اگر یہ کہا

جائے کہ آپ کی خانقاہ صرف ذکر سیکھنے کی جگہ نہیں بلکہ ایسی جگہ ہے جہاں اللہ پاک کے تعلق اور محبت کا رنگ زندگی اور دین کے ہر شعبے میں غالب آجاتا ہے۔ آپ کی صحبت میں کچھ عرصہ گزار لینے سے آدمی پر شریعت وطریقت کا ایک مخصوص رنگ چڑھ جاتا ہے۔ ہزاروں افراد نے بیعت ہوکر آپ سے فیض پایا، جن میں مختلف طبقات اور شعبوں کے لوگ علماء، عوام، سول و آرمی بیوروکریٹس، ڈاکٹر، انجینئر، سیاست دان، وکلاء اور تاجر طبقہ شامل ہے۔ آپ کا فیضان صرف یونیورسٹی کی چاردیواری تک محدود نہ رہا بلکہ عرب وعجم اور بلاد مغرب کے ۳۷ ممالک میں آپکا اصلاحی سلسلہ پھیلا ۔

جو آدمی بھی تھوڑی دیر کے لئے خانقاہ کے روحانی ماحول میں آجاتا ہے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے اور گناہوں سے چھٹکارہ پانے، اللہ پاک کو راضی کرنے اور اپنی آخرت بنانے کی فکر لگ جاتی ہے، قطب الارشاد مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ اور شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ کی یاد میں قائم حضرت تھانویؒ و گنگوہیؒ کے سلسلہ کی نمائندہ اور مرکزی خانقاہ ''خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ'' میں مریدین، متوسلین اور ارادت مند اپنی اصلاح اور تربیت کی غرض سے مختصر عرصہ اور لمبے عرصہ کے قیام کے لئے اطراف واکناف سے تشریف لاتے ہیں اور ذکر وعبادت میں سب سے کٹ کٹا کے مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ سارا سال جاری رہتا ہے اور رمضان المبارک میں تو پھر خانقاہ کی فضا ہی بدل جاتی ہے۔ ملک کے دور دراز گوشوں سے باطنی اصلاح کے طلبگار پورے رمضان گزارنے کے لئے یا صرف اعتکاف کے لئے قیام پذیر ہوتے ہیں۔ اور اس روحانی مرکز میں ذکر و تلاوت، نوافل وعبادات، اللہ پاک کے سامنے آہ وزاری، میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور تربیت و تکمیل کے مدارج سے گزرتے ہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سلوک وطریقت میں جو تجدیدی کارنامے سرانجام دیئے ان میں سے عقائد، عبادات،

معاملات، معاشرت اور اخلاق باطنی کی اصلاح و تکمیل شامل ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے صرف ذکر کے نصاب کو پورا کرنا ضروری نہ سمجھا بلکہ ان پانچ شعبوں میں مرید کی تربیت کو لازم قرار دیا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اتباع سنت کی تربیت کا اہتمام کرنا سلوک وتصوف کا جزِ اعظم قرار دیا۔ یہ نہیں کہ مرید کو بس ذکر واذکار کے ذریعے سے چند کیفیات حاصل ہوجائیں اور وہ کامل ہوگیا۔

ہمارے دینی مدارس اور جدید عصری اداروں (کالج اور یونیورسٹی) کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، مدرسے کی پاکیزہ چاردیواری میں قدم رکھتے ہی اول دن سے لے کر دورۂ حدیث کے آخری سبق تک ایک طالب علم کے کان قال اللہ اور قال الرسول کے ایک ہی آواز سے آشنا ہوتے ہے، مدرسے کا مقصد ہی ایک طالب علم کو مؤحد اور رسول ﷺ کے سنتوں کا تابع فرمان بنانا ہوتا ہے۔ جب کہ الحاد، عقائد کا تزلزل، بے دینی، سنت رسول ﷺ سے دوری اور دین کے بارے شکوک وشبہات جدید عصری اداروں کے نظام تعلیم کا دیا ہوا نتیجہ اور عطیہ ہوتا ہے۔ اور یہ کام بھی ایسے طریقے سے ہوتا ہے کہ معاشرہ بھی اس سے نہیں چونکتا۔ اس لئے ایسی انگریزی زدہ ماحول کے اندر مسلمانوں کے بچوں کو مسلمان رکھنا، ان کو اسلامی تشخص پر جمانا، پھر ان کی تربیت کر کے ان میں صفات ایمانی، اخلاق ربانی اور روحانیت پیدا کر کے اور تزکیہ نفس کے راستے سے گزارنا، ایمان وعمل اور صالح زندگی جو اس امت کا قیمتی سرمایہ اور نبی ﷺ کا ورثہ تھا کی حفاظت کرنا اس لئے مدارس کی بنسبت اس ماحول میں کام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اس سلسلے میں حضرت ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیات کو قدرے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے ۳۵ سال مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی تحریک میں گزرے۔ اور اس سلسلے میں کئی اندرون ملک اور بیرون ملک سفر بھی کئے۔ ختم نبوت میں

ایک فعال کردار ادا کیا۔سیاست میں حصہ لیا، بدنام زمانہ فری میسن تحریک کو جب حکومت نے خلاف قانون قرار دیا تو اس جگہ کو ایک طویل جدوجہد کے بعد قبضہ میں لے کر اس کو مدرسہ و مسجد بنانے میں اپنے شیخ کے ساتھ مرکزی کردار آپ ہی تھے۔جب عیسائیوں نے پشاور یونیورسٹی میں گرجا بنانا چاہا تو آپ ہی کے میدان میں آنے سے کفر کی وہ عمارت زمین بوس ہوگئی۔آغا خانیوں کی کوشش تھی کہ پشاور یونیورسٹی میں سنیما بنے لیکن اس چشتی شیخ کی وجہ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی سوانح،سوانح نہیں بلکہ ان کے سوانح کی ایک فہرست ہے۔ان چند نامکمل اور منتشر سطور میں آپکی شخصیت کے کمالات اور اوصاف کب آسکتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنے اکابر کی تاریخ ساز،عہد آفرین اور نادرۂ روزگار شخصیات کی مکمل سیرت انکے ماننے والوں اور عقیدت مندوں پر ایک اخلاقی اور روحانی قرض ہوتا ہے۔راقم کی یہ ٹوٹی پھوٹی تحریر بنیاد کے پہلے پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔شاید سلسلے کا کوئی روحانی فرزند بعد میں اسے مکمل کریں۔

کتاب کا پہلا حصہ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے متعلق ہے۔جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا خاندان، جائے پیدائش اور تعلیم مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ ،مولانا فقیر محمدؒ مولانا انعام الحسنؒ اور خیال محمد باباجیؒ سے تعلق اور خلافت ،۳۵ سالہ تبلیغی خدمات، آپ کی پہلی خانقاہ مدینہ مسجد اور دین حق کی دفاع اور تحریکات (درویش مسجد اور مدرسہ امداد العلوم ،گرجا کے خلاف تحریک) ،آپ کی سیاسی وابستگی، غیرت وحمیت ،آپ کی خانقاہی ترتیب کے بارے میں ہے،آپ کے ملفوظات (ملفوظات درویش) آپ کے (بیانات درویش) شامل ہیں۔

کتاب کے دوسرے حصے میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے شیوخ مولانا محمد

اشرف خان سلیمانی ؒ، حضرت جی اانعام الحسنؒ اور حاجی خیال محمد صاحبؒ کے تذکرہ کے علاوہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، بابا عبدالمعبودؒ، مولانا فقیر محمدؒ، مولانا شاہ یٰسین نگینویؒ، شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ کا تذکرہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

تیسرے حصے میں حضرت علیؓ سے لے کر حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب مدظلہ تک کا شجرہ شامل کیا گیا ہے جس میں ۱۴۰ اکابر کے حالات لکھے گئے ہیں۔حاجی عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ جو سید احمد شہیدؒ کے ساتھ ہندوستان سے سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے تشریف لائے تھے اور آخر کار مردان ''طورو مایار'' میں شہید ہو گئے ان کے تفصیلی حالات شامل ہیں ۔سید احمد شہیدؒ کے سلسلے کی خلافت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ اور ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد ؒ دونوں کو ملی تھی اسی طرح چشتیہ سلسلے کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی نسبتیں سید احمد شہیدؒ کے ذریعے حاجی عبدلرحیم ولایتیؒ اور میاں جی نور محمدؒ اور ان سے حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، اور پھر ان کے خلفاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، اور بابا عبدالمعبودؒ سے ہوتے ہوئے مولانا اشرف خان سلیمانیؒ اور حاجی خیال محمد باباجیؒ کے ذریعے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ میں جمع ہوئیں۔

عزیز احمد عفی عنہ

یکے از خدام خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ

احوال وآثار

حضرت ڈاکٹر صاحب کی پیدائش مئی ۱۹۴۷ء بروز ہفتہ ضلع مانسہرہ کے گاؤں ڈھوڈیال میں ہوئی۔ آپکے والد صاحب کا نام مولانا میرداد تھا۔ انھوں نے دینی علوم کی تکمیل صوبے کے مختلف مقامات پر ماہرین فن سے کی۔ ان دنوں ہمارے صوبے میں آج کی طرح باقاعدہ مدارس کا رواج نہیں تھا جبکہ ان کی روحانی تربیت وخلافت قادریہ سلسلے میں ہوئی تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے روحانی ونسبی دونوں سلسلے اسداللہ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے جا ملتے ہیں۔

انسان کی شخصیت پر ان کے اردگرد اور گھر کا ماحول انتہائی اثر انداز ہوتا ہے۔ اکثر بچپن کی صحبتیں اور عادتیں انسان کی شخصیت پر انمٹ نقوش مرتب کردیتی ہیں اور اگر صحبتیں اور عادتیں نیک اور صالح ہوں تو ایسا شخص تو بسا اوقات پوری امت کے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کو نہ صرف گھر کا بلکہ گھر سے باہر کا ماحول بھی دینداری کا ملا۔ آپ کے گاؤں میں بچوں کے لئے ایک مدرسہ تھا۔ اس میں ایک قاری صاحب جو حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے استاد تھے، بہت کامل ایمان وپختہ یقین والے متقی شخص تھے۔ گاؤں کے ماحول کو دینی رکھنے میں ان کا بہت اہم کردار تھا۔ ویسے بھی اس زمانے میں دیہاتوں کی فضا گناہوں کی آلودگی سے پاک ہوتی تھی۔ اب بھی بڑے بوڑھوں کو یاد ہوگا کہ اس زمانے میں ڈاڑھی کٹوانا ایک جرم شمار ہوتا تھا، حتیٰ کہ گھر میں ریڈیو رکھنے والوں کو اس دیہاتی ماحول میں لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ ۱۹۶۴ء میں میٹرک کا امتحان دینے کے فوراً بعد بڑے بھائی صاحب نے آپ کو مصروف رکھنے کی خاطر

اپنے کتب خانے کی کتابوں کی جلد بندی کرنے کا کہا جس کی وجہ سے آپ میں مطالعہ کا ذوق پیدا ہو گیا۔

آپ کی سیرت و کردار کو متاثر کرنے والی ایک اور شخصیت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی تھی جو آپ کے والد صاحب کے دوست بھی تھے اور اسی نسبت سے حضرت ڈاکٹر صاحب کو بچپن ہی سے انکی صحبت نصیب ہوئی حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنے ذاتی جوہر کی وجہ سے ان کی شخصیت کے کئی اوصاف اپنے اندر جذب کر لئے۔

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے دیو بند سے فراغت کے بعد درس و تدریس و تصنیف کی بجائے اپنے لئے وعظ و خطابت اور سیاست کا میدان منتخب کیا، آزادی ہند کی تحریک میں بھر پور حصہ لیا اور باطل قوتوں کے لئے تو شمشیر برہنہ تھے۔ مرزائیت کے غلیظ چہرے سے نقاب اٹھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت مولاناؒ نے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی گزاری وہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے رکن رہے لیکن عموماً بسوں میں سفر کرتے رہے۔ جو بات حق سمجھتے پوری قوت و شدت کے ساتھ برملا کہتے اور جس بات کو باطل سمجھتے اس کے ساتھ رعایت کا ان کے یہاں کوئی خانہ نہیں تھا۔ طارق محمود صاحب نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ موسم گرما کی ایک دوپہر تھی۔ سفید پگڑی، سفید لباس پہنے ایک بزرگ ہمارے گھر تشریف لائے، دعا سلام کے بعد والد صاحب کے بارے میں پوچھا، میں نے عرض کیا ابّا جان تو گھر موجود نہیں، مسجد سے ملحقہ مہمان خانے میں انہیں بٹھا دیا، میں حال چال پوچھنے کے بعد گھر پانی لینے چلا گیا میں گھر آیا تو والدہ صاحبہ نے آم کا جوس بنا کر مجھے دے دیا، مجھ سے پوچھنے لگے والد صاحب کب تشریف لائینگے میں نے عرض کیا ظہر تک آجائینگے۔ انھوں نے بے تکلفی سے چارپائی سے بستر لپیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے عرض کیا، آپ آرام فرمائیں کوئی اور خدمت ہو تو

بتائیں فرمایا کپڑے دھونے کے صابن کا ایک ٹکڑا مجھے لا دو۔ میں نے تعمیل حکم کیا۔ فرمایا تم جا سکتے ہو۔ والد صاحب آئیں تو ملوا دینا تھوڑی دیر بعد کھیلتا کھیلتا مسجد کے وضوخانہ کی طرف آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بزرگ اپنا کرتا دھونے میں مشغول ہیں پھر انھوں نے دھوپ میں صف بچھائی اور اپنا کرتہ اس پر ڈال دیا۔ پھر سر کی پگڑی اتاری اور اسے دھونا شروع کیا اور اسے بھی سکھانے کیلئے صف پر بچھا دیا خود پنکھے کے نیچے آکر بیٹھ گئے۔ ظہر کے قریب معمول کے مطابق والد صاحب گھر تشریف لائے۔ میں نے انھیں بزرگ کی آمد کے بارے میں بتایا۔ والد صاحب فورا مہمان خانے کی طرف لپکے۔ کچھ دیر بعد گھر تشریف لے آئے فرمایا جلدی سے کھانا تیار کرو۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ تشریف لائے ہیں۔ نام تو میں نے پہلے سن رکھا تھا۔ اسمبلی میں گرجنے برسنے والا غلام غوث ہزارویؒ، نام کی دھوم تھی۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی سادگی، فقر، شخصی عظمت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے میرے دل میں نقش ہوگئی۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ پھر جب کبھی ہمارے ہاں تشریف لے آتے میں اصرار کرتا کہ حضرت اب صابن آپ کو نہیں ملے گا گھر والے دھونے میں سعادت سمجھیں گے۔ ہنس کر فرماتے بابا میں اپنے کپڑے خود دھوتا ہوں کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

ہم فقیروں سے دوستی کرلو
گر سکھادیں گے بادشاہی کے

حضرت ڈاکٹر صاحب ایک دفعہ دو واقعات ان کے سنائے۔ آپ کے دو مہمان آئے، بیٹھے رہے، ان کو کوئی کھانے پینے کا نہیں پوچھ رہے۔ حکمت ان کا پیشہ تھا۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے دوا خریدی۔ انھوں نے کہا اب میرے پاس پیسے آئے ہیں کہ میں آپ کو چائے کھانے کا پوچھوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب غلام غوث ہزارویؒ کا جنازہ نکلا تو اس دو کچے کمروں والے گھر سے نکلا جو اس کو والد صاحب سے ملا تھا۔ اس پر وہ

اینٹیں نہیں رکھ سکا۔ لیکن سارے پاکستان کے اخباروں پر اور اسمبلیوں پر، بڑے چھوٹے شہروں پر، سب جگہوں پر یہ آدمی پوری زندگی چھایا رہا۔ اس کے علاقے کے خوانین اس سے الیکشن نہیں جیت سکتے تھے۔

جب صوابی میں خوانین قادیانی ہوگئے تو مرزا کا نام کوئی بے ادبی سے نہیں لے سکتا تھا۔ ہزاروی صاحبؒ کہتے ہیں میں نے وہاں جلسہ کیا تو پہلے تو کوئی جلسے کی جگہ نہیں دے رہا تھا۔ خوانین آکر مسلح کھڑے ہوگئے ۔ مولانا لطف اللہ صاحب نے جب کہا کہ غلام احمد قادیانی کافر تھا تو ایک آدمی اٹھا، پستول تان کر آگے آیا تو ہزاروی صاحبؒ کھڑے ہوئے اور کہا کہ تو نے کہاں سے غیرت سیکھی ہے، تیرے تو مذہب میں غیرت نہیں ہے، آ! فائر کر میں دیکھتا ہوں تیرے اندر کتنی غیرت ہے۔ ایک نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور خوانین جو چارپائیوں پر بیٹھے تھے ان کی چارپائیاں لوگوں نے الٹا کر گرائیں اور پولیس کو مجبوراً ان سے اسلحہ لینا پڑا۔

۱۹۶۴ء میں میٹرک کرنے کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لے لیا۔ وہاں پر ان کو ایک اللہ والے بزرگ قطب الارشاد حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کی صحبت میسر آئی جس کی وجہ سے اصلاح نفس کے ساتھ ساتھ تبلیغی کام کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ ایف ایس سی کرنے کے بعد آپ نے خیبر میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۷۱ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ہاوس جاب مکمل کیا تو اسی کالج میں ۱۹۷۳ء میں ڈیمانسٹریٹر کی سیٹ پر آپ کی ملازمت ہوگئی۔ (اور اسی کالج سے ہیڈ آف اناٹومی ڈیپارٹمنٹ (شعبہ علم الابدان) کی عہدے سے ۲۰۰۹ء میں ریٹائر ہوئے) ملازمت ملنے کے بعد آپ نے ایم فل کرنے کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستگی:

اسلامیہ کالج میں داخلہ لینے کے بعد مئی ۱۹۶۴ء میں پشاور کے دیہاتی علاقے سربند میں تبلیغی اجتماع ہورہا تھا آپ کے دوساتھی تھے،ایک ہری پور کے عبدالباری صاحب جو بعد میں عربی کے پروفیسر ہوئے۔دوسرے ساتھی چترال کے مرید حسن صاحب تھے،آپ کواجتماع کے لئے اپنے ساتھ لے گئے۔

''حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم بس میں بیٹھ گئے تو مرید حسن صاحب جو جماعت کے امیر بھی تھے نے کہاسب پڑھیں **سبحان الذی سخّرُ لنا هذا**۔انھوں نے سَخَّرَ کے بجائے سَخَّرُ پڑھ لیا یعنی ر پر زبر نہیں پڑھی۔مجھے بڑا غصہ آیا۔ان دنوں میں عربی کا صرف نحو پڑھا کرتا تھا۔میں نے کہا''ادھر آؤ۔آپ نے ر پر زبر نہیں پڑھی،اس سے صیغہ بدل گیا،معنی میں اتنا فرق آگیا۔''امیر صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ کردی۔امیر صاحب ماشاءاللہ عام امیر نہیں تھا، بنا ہوا آدمی تھا۔ہمارے حضرت مولانا اشرف خان صاحبؒ کے اوّلین مریدوں میں سے تھا۔اس نے عاجزانہ جواب دیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، پتانہیں تھا''۔حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا''کہ آپ کسی متکبر آدمی کوڈنڈا ماریں سر پراس سے اتنا اثر اس پرنہیں ہوگا لیکن اس سے عاجزانہ ایک جملہ کہہ دیں تواس کو شکست کھاناپڑتی ہے۔واقعی کبر تواضع کے آگے شکست کھاجاتا ہے۔اس نے جب یہ بات کہی تو میرادل بڑا متاثر ہوا میں نے وقت لکھوالیا۔اللہ کی شان کہ وہی بنیاد بن گیا ہماری زندگی کے بدلنے کا۔''

اجتماع کے بعد یہ لوگ آپ کو مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر لے گئے اور وہی سے دس دنوں کے لئے تبلیغی مرکز رائے ونڈ کی تشکیل ہوئی ۔یہ دس دن گزارنے کے بعد تبلیغی

جماعت کے ساتھ آپ کی وابستگی ہوگئی جو کہ ۳۵ سال تک جاری رہی۔ ۱۹۶۷ء ہی میں آپ کا پہلا چلہ لگا، اوراس کے بعد ۱۹۷۲ء میں آپ نے چار مہینے لگائے۔اس کے بعد ہر سال آپ چلہ کے لئے جاتے رہے تبلیغ کے سلسلے میں اندرون ملک سفروں کے علاوہ آپ کے بیرون ممالک کے سفر بھی ہوئے۔

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کے ساتھ تعلق:

جس ہاسٹل میں آپ مقیم تھے وہاں طلبا کو خیال آیا کہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کو بیان کیلئے بلاتے ہیں اس کے لئے طلباء نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے کہا مولانا اشرف خان صاحبؒ کو بیان کیلئے اور ساتھ کھانے کے لئے مدعو کرو۔آپ جب حضرت مولانا صاحبؒ سے ملے تو انھوں نے دونوں دعوتیں بخوشی منظور فرمائیں اور آکر بیان فرما دیا۔ بیان کیا کیا کہ ہاسٹل کی کایا پلٹ گئی۔اس بیان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہاسٹل میں تبلیغ کے کام کی خوب فضاء بن گئی۔چنانچہ اس کے بعد عصر تا عشاء ان کی مجلس میں آپ نے گاہے بگاہے حاضری شروع کی اور حضرت مولانا صاحبؒ کی اسی صحبت نے آپ کی زندگی پر انمٹ نقوش مرتب کیئے۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شخصیت کی تشکیل میں اس کے خاندان ماحول، اساتذہ، اور مشغولیات کا بہت دخل ہوتا ہے۔اور آپ کی شخصیت کی تشکیل، تربیت اور مزاج سازی میں حضرت مولانا محمد اشرف خانؒ کا ہاتھ رہا۔ان دنوں بار بار آپ کو یہ خواب آنے لگے کہ آپ مولانا اشرف صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ رہے ہیں ۔

حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ سے بیعت:

ہمارے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ اصلاح باطن کے لیے کسی متبع سنت اور بزرگوں کے تربیت یافتہ شخصیت کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں،

اس تعلق کو بیعت کہتے ہیں اور اس تربیتی مرحلہ کو تصوف کہا جاتا ہے اکابر کی تحریرات کی روشنی میں بیعت اور تصوف کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

تصوف:

تصوف اس علم کا نام ہے۔ جس سے تزکیہ نفس، صفائی قلب اور تعمیر ظاہر و باطن کی تدابیر معلوم ہوتی ہیں تا کہ ان پر عمل کر کے سعادت ابدی حاصل ہو اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا کے وعدے کے مطابق فلاح ہو یا کسی بزرگ نے یہ فرمایا ہے کہ تصوف کا مقصد صرف اتنا ہے کہ انسان ایسی محنت کرے کہ اس کے دل میں اللہ کی یاد اس طرح بیٹھ جائے کہ کسی حال میں بھی اس کی یاد کا رشتہ نہ ٹوٹے۔ ایک اور بزرگ نے کچھ اس طرح فرمایا ہے کہ تصوف وسلوک نام ہے ''تعمیر وظاہر و باطن'' کا یعنی اعضائے ظاہر اور قلب کا اپنے مولیٰ کی طاعت وخدمت میں مشغول رکھنا۔

بیعت کا مقصد:

شاہ رفیع الدینؒ بن شاہ ولی اللہؒ بیعت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ بیعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان غفلت اور معصیت سے نکل کر تقویٰ اور طاعت کی زندگی بسر کرنے لگے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب پر بچپن اور ابتدائی تعلیم کے دوران ہی سے بزرگوں کے تذکرے اور کتابوں کے مطالعے نے تقویٰ، طہارت اور تصوف کا رنگ چڑھا دیا تھا۔ ہمارے تمام بزرگان دین اور اسلاف کی طرح یہ حقیقت آپ پر بھی واضح تھی کہ جب تک کسی اللہ والے کی خدمت وصحبت اور مجلس میں رہ کر تزکیہ نفس اور تطہیر قلب نہ کرایا جائے اس وقت تک عمل کا شوق، عبادتوں میں اخلاص اور تہذیب نفس پیدا نہیں ہوتا اور علم عمل کے بغیر

کارآمد نہیں۔اس ترتیب سے گزرنے کے بعد معلومات معمولات میں تبدیل ہو جاتی ہے اور معرفت حق اور قرب خداوندی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔یہی وہ احساس تھا جس نے آپ کو حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔چنانچہ ۱۹۶۴ء میں حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ ہندوستان سے کراچی آئے ہوئے تھے حضرت ڈاکٹر صاحب ان سے بیعت ہونے کے لئے کراچی تشریف لے گئے۔حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ تبلیغی جماعت کے تیسرے عالمی امیر اور مولانا الیاسؒ کے خلیفہ تھے، بڑے عالی مرتبہ شیخ اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔آپؒ نے مولانا الیاسؒ سے بیعت ہونے کے بعد انکی نگرانی میں سلوک کے منازل طے کئے تھے اور حضرت مولانا الیاسؒ نے زندگی کے آخری دن ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو مشائخ کی موجودگی میں آپؒ کو اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔ان کے زمانے تک باقاعدہ تبلیغی جماعت میں اصلاح نفس کے لئے لوگوں کا بیعت کرنا بھی ہوتا تھا۔مولانا محمد الیاسؒ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے اور ان کی وفات کے بعد مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بیعت ہوئے اور سلوک واحسان کے منازل طے کرنے کے بعد ان سے چاروں سلسلوں میں خلافت ملی تھی اور باقاعدہ بیعت کا سلسلہ چلایا اور مولانا یوسف کاندھلوی صاحبؒ، قاری داؤد صاحبؒ، سید رضا حسن بھوپالی صاحبؒ، مولانا احتشام الحسنؒ، حافظ مقبول حسنؒ اور مولانا انعام الحسنؒ کو خلافت بھی دی تھی۔

مولانا محمد الیاسؒ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے مولانا یوسف کاندھلویؒ بھی باقاعدہ بیعت کرتے تھے، حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کی وفات کے بعد پھر خدا جانے کیا ہوا کہ بعد والے حضرات نے بیعت کا سلسلہ بند کیا۔حضرت مولانا محمد اشرف خانؒ کو جب ساتھیوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب کے بیعت ہونے کے بارے میں بتایا، تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ملتا آدمی کو وہیں سے ہے جہاں اس کا حصہ ہوتا ہے۔حضرت مولانا انعام

الحسنؒ کے ہندوستان چلے جانے کے بعد آپ نے پھر ان سے خط وکتابت کے ذریعے تربیت کے اصول اور ذکر اذکار پوچھنے شروع کئے اور وہ آپ کو جواب دیتے ۔ان کی دعا و توجہ سے آپ کا نہ صرف ذکر میں دل لگا بلکہ تبلیغ کے کام کی بھی فکر بڑھ گئی۔

حضرت جی انعام الحسنؒ کے مشورے سے مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ اصلاحی تعلق:

۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد جب ہندوستان کے اکابر کا یہاں کے متوسلین سے رابطہ مشکل ہو گیا تو حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کے مشورے سے آپ نے حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمالیا۔وہ سید سلیمان ندویؒ کے تربیت یافتہ تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیز دعا جوؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سلسلے میں مولانا فقیر محمدؒ نے خلافتیں دی تھیں اور اس کے علاوہ پشاور کے تبلیغی مرکز کے شوریٰ کے امیر بھی تھے۔حضرت ڈاکٹر صاحب مولانا اشرف صاحبؒ کی مجالس میں باقاعدگی سے شریک ہونے لگے ،عموماً کسی ایک ہی تحریک سے اپنی ساری محنتیں وابستہ کرنے والے حضرات کو دیگر دینی محنتوں کی اہمیت کا پوری طرح احساس نہیں ہوتا جس کی وجہ سے بعض اوقات تقابل کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے حضرت مولانا اشرفؒ کی صحبت اور تربیت کا اثر تھا کہ آپؒ کے فیض یافتہ حضرات کو تبلیغ کے علاوہ تصنیف وتالیف ،مدارس ،بیعت وتلقین، آئین وقانون کی بالاتری کی کوششیں سب چیزوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ محسوس ہونے لگتی۔ حضرت مولاناؒ کی صحبت میں بیٹھنے سے آدمی کے دل میں یہ خیال راسخ ہو جاتا تھا کہ تبلیغ کا کام، کام کے پھیلاؤ سے زیادہ اپنی اصلاح کی فکر کے لئے ہے حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا صاحبؒ کی صحبت سے، بیعت کے بعد باطنی رزائل کبر، حسد،

کینہ، لالچ، ریا وغیرہ جیسے گناہ کبیرہ کی تفصیل سامنے آگئی اور باطنی فضائل اخلاص، دوسروں کی خیر خواہی، تواضع، تفویض اور توکل وغیرہ کی سمجھ آئی۔ اور حضرت مولاناؒ کی صحبت کی یہ تاثیر بھی دیکھی گئی کہ مالدار لوگوں کو گزشتہ سالہا سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کی توفیق ہو جاتی اور بہت سے بیعت تبلیغی حضرات میں اس بات کا غم بھی پیدا جاتا کہ اگر اصلاح نفس اور شریعت کی ایسی ضروری باتیں سامنے نہ ہوں اور زعم سب علماء اور مشائخ سے افضل ہونے کا ہو تو اس نقصان کے ازالے کی صورت کیا ہوگی''؟

انقطاع و تبتل:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا

''ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور رب کی طرف تبتل اختیار کر۔''

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو فرمایا کہ آپ دعوت حق اور تبلیغی مشاغل سے فارغ ہوں تو (دوسری) محنت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر دو آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ اور خلق خدا کو راستہ دکھانا اور انکی اصلاح نفس اور تزکیہ کی فکر یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اور اسکی تدبیر کریں اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ جب اس سے فرصت ملے تو بلا واسطہ خلوت میں اللہ پاک کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ (معارف القرآن)

ایک طرف آپ نے تبلیغی کام کی طرف توجہ دیکر اندرن و بیرون ملک لمبے لمبے اسفار کئے۔ تو دوسری طرف ان آیات کی روشنی میں آپ اپنے انفرادی اعمال و عبادات کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ رات پچھلے پہر سے لیکر اشراق تک تہجد اور فجر کی نمازوں کے علاوہ

زیادہ تر مراقب ہی ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ تو ذکر کی چہرہ مبارک پر ایسا جلال اور جذب کی کیفیت ہوتی ہے کہ نظر کا روبرو کرنا مشکل ہوتا ہے اور ۱۹۶۸ء سے لیکر اب تک یہ معمولات بغیر عذر کے آپ سے نہیں چھوٹے ہیں۔ اس کے علاوہ چاشت، اوابین اور چشتیہ سلسلے کی جہری ذکر بارہ تسبیحات، اسم ذات اور مراقبات کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ کی خدمت اور صحبت میں ۳۳ سال کا لمبا عرصہ گزار کر فنا و بقا اور زہد و مجاہدہ اور سلوک کے منازل طے کر لئے اور اپنے آپ کو شیخ کے رنگ میں رنگ لیا۔

آپ کے مرشد حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ حضرت اقدس تھانویؒ کے خلفاء سید سلیمان ندویؒ اور مولانا فقیر محمدؒ کے تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ تھے۔ ان سے چاروں سلسلوں میں خلافت پائی تھی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سلسلے میں انکے خلیفہ شاہ یٰسین نگینویؒ کے مجاز بیعت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ نے بھی آپ کو چاروں سلسلوں میں خلافت دی تھی۔ شاہ صاحبؒ کی صحبت میں بھی آپ نے کافی عرصہ گزارہ تھا۔ بریگیڈئر ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب نے راقم الحروف فقیر کو بتایا کہ مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے بھی حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کو خلافت سے نوازا تھا۔

(مندرجہ بالا اکابر کے واقعات وحالات کتاب کے اگلے ابواب میں آرہے ہیں)

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی صحبت:

۱۹۷۴ء سے لے کر ۱۹۹۱ء تک آپ (حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ) باقاعدگی کے ساتھ سترہ سال تک حضرت مولانا فقیر محمدؒ (خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ) کی صحبت سے بھی مستفید ہوتے رہے۔ آپ ان کے ذاتی معالج بھی تھے اس لئے آپ کو ان کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ رہنے کا اور ان سے استفادہ کا بہت موقع ملا۔ بقول ڈاکٹر سیار صاحب مدظلہ (خلیفہ ڈاکٹر صاحب مدظلہ) مولانا فقیر محمدؒ چار مہینے حرمین شریفین میں گزارتے اس وقفے

کے علاوہ آپ کی مجالس میں حاضری کا ناغہ کم ہی ہوتا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ فرمایا کہ "ہمارے بڑے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان نہیں کیا کرتے تھے لیکن آدمی جا کر ملتا تو ہاتھ ملاتے ہی انسان کو اپنے باطن میں تبدیلی آنا محسوس ہو جاتی تھی۔ میں جا کر بیٹھتا تو تھوڑی دیر میں یہ حال ہو جاتا کہ گویا میری کتے سے بھی زیادہ معمولی حیثیت ہے اور اگر حضرت صاحبؒ فرما دیں کہ اس ڈاکٹر فدا کے گلے میں رسی ڈال کر دروازے پر باندھ دو تو بس یہی میری حیثیت ہے۔ یہ ان کی مجلس کی تاثیر ہوتی تھی۔"

حضرت تھانویؒ کے دوسرے خلیفہ شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی جب پاکستان آمد ہوتی تو حضرت مولانا فقیر محمدؒ کے پاس ضرور حاضر ہوتے۔ اسی طرح آپ کو ان سے بھی مستفید ہونے کا موقعہ ملا حضرت شاہ ابرارالحقؒ کے ساتھ انکے خلیفہ مولانا حکیم اختر صاحبؒ جب آتے تو حضرت ڈاکٹر صاحب کے یونیورسٹی والی خانقاہ میں ضرور بیان کرتے۔

خلافت:

ظاہری و باطنی تربیت مکمل ہونے کے بعد ایک دن حضرت مولانا فقیر محمدؒ نے آپکی موجودگی میں حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سے فرمایا کہ ڈاکٹر فدا صاحب (مدظلہ) کو اجازت دے دو۔ حضرت مولاناؒ نے آپ کو چاروں سلسلوں میں خلافت سے نوازا اسی طرح دونوں بزرگوں کی طرف سے آپ کو تھانویؒ اور گنگوہیؒ دونوں اکابر کے سلسلوں میں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اجازت وخلافت مل گئی۔

خلافت مل جانے کے بعد اصلاح وارشاد کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے شیخ کے سلسلہ اصلاح وارشاد کو باقاعدگی سے قائم وجاری رکھا، بلکہ اس فیض کو اتنی توسیع دی کہ سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، ملائشیا، بلکہ ۳۷ ممالک میں آپ کا سلسلہ پھیلا۔

اس کے بعد حضرت اقدس حاجی خیال محمدؒ نے بھی قادریہ سلسلہ میں آپ کو خلافت

عطا فرمائی۔ خیال محمد صاحبؒ تکوینی امور کے بزرگ تھے اور آپ کا ان سے ۱۹۷۴ء سے اس وقت تعلق ہو گیا تھا جب وہ حضرت مولانا اشرف خانؒ کے پاس آتے تھے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا صاحبؒ نے اپنے خاص ساتھیوں کو بتایا تھا کہ حاجی خیال محمد صاحبؒ اولیاء کرام میں سے ابدال کے درجے پر فائز ہیں۔ آپؒ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ بابا عبدالمعبودؒ کے مُجاز تھے۔ بابا عبدالمعبودؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی شریک ہوئے تھے آپ نے ۱۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرمایا کہ عبدالمعبود باباجیؒ کے ساتھ میری پہلی ملاقات ۱۹۷۴ء میں ہوئی تھی۔

سید مسرت حسین شاہؒ آپ کے دوست بھی تھے اور پیر بھائی بھی انھوں نے بھی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے سلسلے میں آپ کو اجازت دی۔

(ان سب حضرات کے حالات و واقعات انشاء اللہ آئندہ ابواب میں آنے والے ہیں)

خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ:

خلافت واجازت ملنے کے بعد آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف خان سلیمانیؒ اور ان کے مرشد شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ کی یاد میں اصلاح و ارشاد، بیعت و سلوک اور طالبان طریقت کی تربیت کے لئے ایک خانقاہ قائم کی۔ پہلے تو یہ خانقاہ پشاور یونیورسٹی میں قائم تھی لیکن ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے پشاور کے نواح آفریدی گڑھی میں جب اپنی رہائش کے لئے نئی عمارت تعمیر کرادی تو خانقاہ بھی وہی منتقل کر لی۔ جن لوگوں کو ہمارے اکابر کی خانقاہوں کی تاریخ پر نظر ہے ان کو آپ کی خانقاہ میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت رائے پوریؒ کی خانقاہوں کی جھلک ضرور نظر آئے گی۔ آپ نے اپنے اکابر کی طرز پر اپنے خانقاہ میں توکل و استغناء اور اتباع سنت کو برقرار

رکھا۔اس سادہ اور بے تکلف مرکز میں قرآن وحدیث اور اکابر کی اصلاحی کتابوں کا درس و مذاکرہ،اخلاق و معاشرت کی اصلاح ، زندگیوں کا احتساب ،امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی جلوہ فرمائی نظر آئے گی۔خانقاہ میں آپ کا یومیہ تین مرتبہ مجلس منعقد کرنے کا معمول ہے،نماز فجر کے بعد کسی منتخب کتاب سے تعلیم کی جاتی ہے،اشراق کی نماز کے بعد تربیت کی غرض سے خانقاہ میں مقیم حضرات اپنے اپنے کاموں (ذکر وعبادت،تلاوت وتسبیحات اور الا اللہ کی ضربیں لگانے) میں مشغول ہو جاتے ہیں،ظہر کی نماز پڑھ کر قیلولہ کرتے ہیں عصر کی نماز کے بعد کسی حدیث کی کتاب کی سے تعلیم جاتی ہے اس کے بعد طلب اور استفادہ کی نیت سے آئے ہوئے مریدوں اور دیگر مہمانوں سے ملاقات کرتے ہیں کوئی دم وغیرہ کے لئے آیا ہوتا ہے تو ان کے لئے پانی دم کردیتے ہیں۔ عصر کی نشست کا کوئی خاص موضوع نہیں ہوتا،کبھی بزرگوں کے تذکرے ہوتے ہیں کبھی کوئی اور مضمون مغرب کی نماز کے بعد اہل خانقاہ نوافل اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور آپ مغرب کی نماز سے پہلے جس جگہ اصلاحی بیان اور مجلس ذکر ہوتا ہے وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔عصر اور عشاء کے بعد کا وقت زیادہ تر طالبین اور سالکین کے لئے مخصوص ہوتا ہے کوئی اپنے ذکر کے بارے میں دریافت کرتا ہے کوئی اپنی خاص کیفیت و حالت کو عرض کرتا ہے،آپ توجہ سے بات سنتے ہیں اور اہتمام سے اس کا جواب دیتے ہیں اور رہنمائی فرماتے ہیں،سالکین کو ان کی حسب حال اذکار واشغال کی تلقین فرماتے ہیں۔مریدین کی تربیت کے حوالے سے آپ کی پہلی توجہ یہ ہوتی ہے انکے عقائد صحیح ہوں ان کو ضروری علم دین حاصل ہو،اتباع شریعت اور کامل اخلاص حاصل ہو جائے،اللہ پاک کے ساتھ ان کا معاملہ درست ہو،تقویٰ، دیانت، امانت،صداقت جیسی صفات سے متصف ہو اور آداب معاشرت، معاملات کی درستگی کی تفصیلی ہدایات بھی ان کے سامنے آجائیں،رسومات و بدعات سے

دور ہو جائیں، اخلاق عالیہ توکل، تسلیم ورضا، صبر شکر، عاجزی وغیرہ پیدا ہو جائے۔ آپ کی خانقاہ میں تعلیم و تعلم کی شروع ہی سے ایسی ترتیب رکھی گئی ہے کہ علم کے ساتھ عمل کا سلسلہ چلتا رہے۔ تعلیم و تربیت کا ذریعہ صرف کتابیں نہیں بلکہ پاکیزہ نفوس کی صحبت و رفاقت بھی ہے جن کی صحبت میں رہ کر صرف دین کے نقوش نہیں بلکہ علم و عمل کا ایک سلیقہ اور ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ خانقاہی نظام کا یہ طریقہ تعلیم ایک فطری، سہل اور عمومی طریقہ ہے جیسا کہ اہل زبان کی صحبت سے زبان سیکھنے کا۔ صحبت اور اختلاط سے دین اور علم دین سکھانا کتابوں کی بجائے انسانی نفوس کے ذریعہ تعلیم دینا انبیاء کا امتیاز اور نبی ﷺ کی تعلیم کا خاص طرز تھا، صحابہؓ نے صحبت ہی سے دین اور علم دین حاصل کیا۔ بقول ابوالحسن علی ندویؒ ہم چند بچوں کو مدرسے میں لے بیٹھ جائیں اور مطمئن ہو جائیں اور ہم کو کچھ خبر نہ ہو کہ باہر کیا ہو رہا ہے جب کہ ہمارے کروڑ ہا کروڑ بچے جدید تعلیمی اداروں میں پڑھتے ہیں اور اس نظام سے نکلتے ہوئے ان کے عقائد کو کس طرح مسخ کیا جاتا ہے، ان کے خیالات و رجحانات کسی طرح بھی ایک حقیقی مسلمان سے میل نہیں کھاتے۔ پہلے زمانے میں شیطانی طاقتوں اور اسلام دشمن قوتوں کے پاس انسانی خیالات و افکار کو بدلنے کے لئے بظاہر اتنے طاقت و روسائل نہیں تھے جتنے آج ہیں، اس لئے تربیت کے حوالے یہ بات ہمیشہ سے آپ کے پیش نظر رہی ہے کہ ہماری نسل مسلمان رہ جائے اور نہ صرف ہر قسم کے ذہنی، فکری، تہذیبی، ثقافتی اور اعتقادی ارتداد سے بچ جائیں اور خیر و شر، نیکی و بدی میں امتیاز کرنے لگیں بلکہ ان کی دینی اور روحانی حالت بھی سنور جائیں۔ آپ کی مشفقانہ تربیتی نظام اور انتھک محنت، شب کے نالوں، گریہ و زاری اور بے قراریوں کی وجہ سے اس خزاں رسیدہ ماحول میں بہار کے جھونکے آنے لگے اور نتیجے میں فرشتہ صفت شخصیات پیدا ہونے لگی اور ایک پاک اور صالح معاشرہ وجود میں آنے لگا۔

آپ کی خانقاہ کی ایک بڑی خصوصیت منتخب دینی کتابوں اور مواعظ پڑھنے کا سلسلہ ہے جو خانقاہ کی زندگی کا ایک نصاب سا بن گیا ہے۔ فجر اور عصر کی مجلس میں کوئی منتخب دینی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس مجلس میں اب تک مفتی شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القران، شاہ عبدالقادرؒ کی موضح القران، مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی آسان ترجمہ قران، امام غزالیؒ کی احیاء العلوم، حضرت تھانویؒ کی مواعظ اور ملفوظات، تربیت السالک دونوں جلدیں، واقدی کی فتوح الشام، ابوالحسن علی ندویؒ کی سیرت سید احمد شہیدؒ، اور حضرت شیخ مولانا زکریاؒ کی کئی کتابیں ان مجالس میں پڑھی گئیں۔

مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی حضرت کی فیض رسانی کا مرکز:

پشاور یونیورسٹی جو اپنے اندر تین بڑی یونیورسٹیاں (پشاور یونیورسٹی، انجنیئرنگ یونیورسٹی اور ایگریکلچر یونیورسٹی) خیبر میڈیکل کالج، کامرس کالج، خیبر لاء کالج اور اسلامیہ کالج کے علاوہ دیگر چھوٹے بڑے ادارے سموئے ہوئے ہیں شروع ہی سے ایک نظریاتی جگہ رہی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں کمیونزم اور اس کے بعد مغربی افکار کی یورش نے فکری گمراہیاں پیدا کر کے اس کے پرفیسروں، سکالروں اور طلباء کو بری طرح متاثر کیا یاد رہے عرصہ دراز تک پورے صوبے کے اندر بس یہی ایک یونیورسٹی تھی۔ پشاور یونیورسٹی میں مدینہ مسجد حضرت کی فیض رسانی کا مرکز قرار پایا۔ حضرت نے ۱۹۷۴ء میں اس مسجد میں نماز جمعہ اور خطابت شروع فرمائی جو کہ آج تک جاری ہیں۔ قحط الرجال کے اس دور میں حضرت کا وجود سعید اس ظلمت بھرے دور میں اس جگہ کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوا چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اس مسجد کے ذریعے خلق خدا کی اصلاح کا بڑا کام کیا، نمود و نمائش سے پاک اس محنت سے نجانے کتنی زندگیوں میں انقلاب آیا کتنے لوگوں کو دین کی صحیح معلومات بہم پہنچائی، کتنی خرابیوں کی

اصلاح فرمائی ان پینتالیس سالوں میں کتنے فتنے ان کی کوششوں سے فرو ہوئے حضرت کے دیگر ہفتہ واری مجالس کے علاوہ صرف جمعہ کے بیان میں تقریبا دو ہزار لوگ شریک ہوتے ہونگے ان میں پروفیسر، سکالر، ڈاکٹر، انجنیر اور یونیوسٹی کے طلباء کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے علماء، طلباء اور دیگر لوگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت کی مجالس عوام وخواص کی توجہ کا مرکز بن گئیں اسی کے نتیجے میں ہزاروں کی زندگیوں میں خوشگوار دینی وروحانی انقلاب آیا۔ پروفیسروں، ڈاکٹروں، انجنیئروں اور طلباء کے مزاج ومذاق اور فکروعمل پر دینی رنگ چڑھا اور ان میں سے ہزاروں اپنی گناہوں بھری زندگی سے توبہ تائب ہوئے اس ظلمت کدے میں نجانے کتنے تہجد گزار بن گئے۔ سینکڑوں نے اپنے چہرے داڑھیوں سے سجا لئے بہت سے بھٹکے ہوئے ان کے مجالس میں شریک ہوکر غلط عقائد ونظریات سے توبہ تائب ہوئے حضرت کا وجود سعید نجانے کتنے فتنوں کے لئے آڑ بنا ہوا ہے۔

اصلاحی مجالس ذکر:

حضور ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس بات اس کی حمد وثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کو اسلام کی دولت سے نوازا یہ اللہ کا بڑا احسان ہم پر ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم لوگوں کو قسم نہیں دی بلکہ جبرئیل میرے پاس ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پر فخر فرما رہے ہیں۔ (مسلم ترمذی والنسائی)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "ملا علی قاریؒ

فرماتے ہیں کہ فخر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ لوگ باوجود یہ کہ نفس ان کے ساتھ ہے، شیطان ان پر مسلط ہے، شہوتیں ان میں موجود ہیں، دنیا کی ضرورتیں ان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں ان سب کے باوجود ان سب کے مقابلہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے نہیں ہٹے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت کے باغوں پر گزروں تو خوب چرو، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جنت کے باغ کیا ہیں ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض قوموں کا حشر ایسی طرح فرمائینگے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے ممبروں پر ہونگے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہونگے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں حضور ﷺ نے فرمایا وہ لوگ ہونگے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں گے۔ (فضائل ذکر مولانا زکریاؒ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ آج خانقاہوں میں بیٹھنے والوں پر ہر طرح کا الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں آج انہیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے جب وہ ان ممبروں اور بالا خانوں پر ہونگے ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں یہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو وہ آسمان والوں کے لئے ایسا چمکتا ہے کہ جیسے زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔

ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاوں جس سے تو دونوں جہانوں کی بھلائی کو پہنچے وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں ان کو مضبوط پکڑ اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہ۔ (فضائل ذکر مولانا زکریاؒ)

اسی طرح بہت سی احادیث و آثار میں ذکر اور مجالس ذکر کی اہمیت اور فضائل بیان ہوئی ہیں بعثت انبیاء علیہم السلام اس لئے ہوئی کہ انسانوں کا تعلق اللہ پاک سے قائم کریں تمام بزرگان دین نے ذکر اللہ کو بنیادی تعلیم قرار پایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اس لئے ذکر اور اصلاحی مجالس کو تعلق باللہ کا ذریعہ بنایا اور مختلف مقامات پر مجالس ذکر اور اصلاحی بیانات کی ترتیب مقرر فرمائی۔

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کا دردمند مصلح اور پرسوز داعی:

باطل کا اصل ہدف ہمیشہ سے جدید تعلیمی ادارے رہے ہیں وہ مسلمانوں کے نسلوں کو بگاڑنے اور ان سے اسلامی تہذیب وثقافت الگ کرنے کی پوری منصوبہ بندی کر چکے ہیں۔ روشن خیالی کے نام پر بے حیائی، نیو ائیر نائٹ، بسنت تہوار، کرسمس ڈے، ویلنٹائن ڈے جیسے غیر اسلامی تہواروں اور موسیقی کی محفلوں، نوجوان لڑکے اور لڑکیوں میں فحش عبارات پر مشتمل کارڈز اور میسجز کا تبادلہ، محبت کے گلدستوں کا تبادلہ اور رقص وسرور کی محفلوں سے تعلیمی اداروں کو آلودہ کیا جارہا ہے مسلمان نسل کا کارواں ان آلودگیوں میں سفر کرتے کرتے بہت دور نکل چکا ہے۔ نصاب کو سیکولر بنانے اور مسلمانوں شاہین نوجوانوں کی رگوں میں بے دینی کا خون دوڑانے کے لئے اور شمشیر وسنان کا سبق بھلانے اور طاوس و رباب کے کیف وسرور میں مدہوش کرنے کے لئے بیرونی اور اندرونی اسلام دشمن قوتوں

نے سارے وسائل جھانک دیئے ہیں۔ جو کام طاقت اور تلوار سے ممکن نہیں تھا وہ اہل باطل نے ان جدید تعلیمی اداروں اور مغربی تہذیب کے ذریعے کر کے دکھایا۔ وہ اپنے اس دجالی تہذیب کے ذریعے عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتا ہے اور اسلام کو زندگی کے میدان سے قطعاً بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ اس بے دین تہذیب سے گزر کر ہمارے نوجوان اتنی آسانی کے ساتھ زیر دام آجاتے ہیں کہ بسا اوقات ان کو اپنا دین بھی فرسودہ نظر آنے لگتا ہے اور مغرب سے مرعوبیت ان کے دل ودماغ پر اتنا چھا جاتا ہے کہ غیرت، حیاء اور اسلامی تعلیمات سے حد درجہ متنفر ہو جاتے ہیں اور اسلامی روایات کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں بگاڑ وفساد کی سب سے زیادہ خطرناک صورت تعلیم نسواں کے نام پر مسلمان عورتوں کے عقائد وافکار میں اختلال وتزلزل پیدا کرنا کیونکہ جب کسی ملت کی عورتیں اپنے عقائد وافکار سے بغاوت وانحراف اختیار کرلیں تو ان کی آغوش اور گود میں پروان چڑھنے والی پود کا الحاد ودہریت کی آغوش میں چلا جانا بالکل ایک منطقی اور فطری امر ہے۔ پھر ان عورتوں کا اثر صرف اپنی اولاد پر نہیں پڑتا بلکہ اس کا اثر پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔ ایک عیسائی دانشور عورت مسز میکلیگن کہتی ہے کہ ''ہمارا تجربہ ہے کہ ان جدید عصری اداروں سے بڑھ کر کوئی دوسری جگہ ایسی نہیں کہ جہاں پر بیٹھ کر اسلامی تہذیب وثقافت کے قلعہ کو بہتر اور مؤثر انداز میں مسمار اور زمین بوس کرنے کا مسیحی فریضہ سرانجام دیا جاسکتا ہو۔''

کفر کے جھٹکوں سے ایمان کی عمارت زمین بوس ہو جائے اور ان حالات سے سمجھوتہ کرلیا جائے یہ آپ کے لئے ناممکن تھا۔ مسلمان نسل کے اس انحطاط اور دینی تنزل کی وجہ سے آپ کے دل میں غم وفکر اور بے چینی کی کیفیت رہتی تھی کہ اس ترتیب سے تو یہاں اہل کفر کی سیاسی وتہذیبی برتری اور غلبہ کی بنیادیں رکھی جارہی ہے اور یہ غلبہ تو ہماری نوجوان نسل کی شرکت وشراکت ہی سے قائم ہورہا ہے۔ اس لئے آپ نے ضروری سمجھا کہ مذہب

اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق، اعمال، تہذیب وتمدن، کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیا و یہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے، اس کے ماننے والے ان تمام بے دینیوں، غیر اسلامی تہواروں، طور طریقوں اور دشمنان اسلام کے شعار سے جدا ہو جائیں اور اس اسلامی سوچ اور طور طریقوں کو اختیار کریں جس سے اللہ کے دشمنوں سے متمیز ہوں۔ اس کے لئے ایک ایسی محنت کی ضرورت تھی کہ اللہ کے نبی کی تمام ادائیں پیاری معلوم ہوں اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی سب چیزیں مبغوض ہو جائیں۔ اس لئے آپ نے روحانی اور تبلیغی خدمات کے لئے اور اساتذہ وطلباء کا دین سے ناتا جوڑنے کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈکل کالج لاہور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے دوران اس جگہ کو اپنا مستقر بنایا اور یہاں کی دونوں مساجد آپ کے فیض رسانی کے مرکز بنے۔ آپ نے نہایت دل سوزی کے ساتھ اپنے مجالس میں ان تمام فواحش اور بے دینی کے دنیاوی اور اخروی نقصانات کو انکے کے سامنے بیان کیا اور بے دینی کی روک تھام کے لئے تدابیر اختیار کیں، نہ صرف آپ نے منکرات پر جلال کے ساتھ نکیر فرمائی بلکہ اپنا گم گشتہ اور کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے ان کو تیار کیا، آپ نے ماضی کی رفعتوں کے مٹے نشانوں، ٹوٹی طنابوں اور خاکستر اور کسی قدیم کھنڈر کے پاس بیٹھ کر نوحہ خوانی کی بجائے امت کے نسل جدید وقدیم کو ماضی کے تجربات کی روشنی میں ان کو مستقبل کا لائحہ عمل دیا، آپ کے جمعے کے بیانات اور اصلاحی مجالس کی وجہ سے وہاں کی فضا پر کافی مثبت دینی اثرات مرتب ہوئے، بہت سے نوجوانوں کی فکری اور نظریاتی اصلاح ہوئی اساتذہ اور طلباء دین کے ساتھ جڑ گئے۔ بہت سے انگریزی وضع قطع اختیار کئے ہوئے اساتذہ وطلباء حضرت کی مجالس اور صحبتوں کی برکت سے مکمل اسلامی وضع قطع اور متبع شریعت ہو کر اس جدید دانش گاہ سے نکلے۔ آپ کی تقریر صرف روحانی نہیں ہوتی بلکہ اسلامی تہذیب کی برتری، انسداد فحاشی اور بے دینی، فکری اور نظریاتی ذہن سازی، اقتصادیات اور

معاشرت، سیاسیات اور ملکی و عالمی مسائل کے حل اور ان سب مضامین کو اسلامی تعلیمات، سیرت رسول اکرم ﷺ اور کردار صحابہ کی روشنی میں بیان فرماتے، جس کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ اور ذہنی اعتبار سے جدید علوم اور نظریات سے متاثر اشخاص آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ جب اپنی تقریر میں اپنے مخاطبین میں غیرت ایمانی اور مذہبی حمیت کو ابھارنا چاہتے تو آپ کی تقریر بے مثل بن جاتی خشیت و جلال طاری ہو جاتا اور سامعین پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی اور بعض دفعہ وہبی علوم کا ایک سیلاب اُمڈتا چلا آتا۔ تحسین و ملامت کی قطعاً پروانہ کرنا آپ کا شعار رہا ہے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے اس جدید طبقہ کی اخلاقی اور روحانی ترقی میں آپ کی تربیت کا بہت دخل رہے۔

علامہ اقبال کے بیٹے جسٹس جاوید اقبال اسلامی تعلیمات اور فقہ حنفی کے بارے کافی غلط فہمیوں کے شکار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ فقہ حنفی بہت فرسودہ ہے، اس میں ترمیم اور اجتہاد کی ضرورت ہے اور یہ اجتہاد پارلیمنٹ کرے، چونکہ دینی لحاظ سے ان کی شخصیت کافی کمزور تھی اور وجہ اس کی یہ تھی کہ علامہ اقبال کی اہلیہ کی وفات ہوگئی تھی ابھی جاوید اقبال کی عمر گیارہ سال ہی تھی کہ علامہ اقبال کی بھی وفات ہوگئی۔ جسٹس صاحب کی پرورش ایک جرمن نرس کے ہاتھوں میں ہوئی۔ علامہ صاحب کو وفات کی وجہ سے بچے کی تربیت کا موقع نہ ملا۔ اجتہاد کا مسئلہ جس کے بارے میں شروع دور میں علامہ اقبال کی رائے بھی مختلف تھی لیکن جب حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ اقبال کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے فلسفہ کے دو اہم مضامین 'حدوثِ عالَم' اور 'زمان و مکان' تفصیل کے ساتھ شاہ صاحب سے پڑھے تو ان کا اجتہاد کا مؤقف بھی بدل کر اہلِ سنت و الجماعت کے مطابق ہوگیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عمر نے وفا نہ کی اور علامہ اقبال ان باتوں کی وضاحت کئے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہوگئے جسٹس صاحب کی ان باتوں سے جدید

طبقہ کافی متاثر ہونے لگا۔ باب العلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلی سطح اور فہم کے مطابق (دینی) بات کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کا انہیں موقع ملے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایک ایسی شخصیت ہو جس نے ایک طرف راسخین و کاملین اولیاء اللہ کی صحبت پائی ہو پھر اس کے ساتھ وہ عوام و خواص کے مختلف حلقوں میں رہا ہو ان کے حالات و خیالات سے واقف ہو اور ان سب کے علاوہ ان کے اندر سوز و درد ہو اور امت محمدیہ کی محبت اور شفقت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہو اور ان کی حالت زار پر کڑھتا بھی ہو۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی صورت میں ایسی شخصیت پہلے ہی سے موجود تھی، اُن دنوں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے امام صاحب امریکہ گئے ہوئے تھے اور جمعہ آپ پڑھایا کرتے تھے چنانچہ ڈاکٹر جاوید اقبال کے بیان پر تبصرہ کرنے کے لئے اس موضوع پر کئی تقریریں کیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

''کہ اگر کل کوئی یہ کہہ دے کہ فارما کو پیا (Pharmacopea) جو دوائیوں کی کتاب ہوتی ہے وہ بھی پارلیمنٹ لکھے تو کوئی اس بات کو مان لے گا؟ نہیں بلکہ کہا جائے گا کہ اس کیلئے تو اس شعبے کے ماہرین کی ضرورت ہے، پارلیمنٹ کے لوگوں کو دوائیوں کا کیا پتا، یا آج کوئی کہہ دے کہ بالاکوٹ کے زلزلے سے متاثرہ علاقے کیلئے گھروں کے سٹرکچر (structure) پارلیمنٹ ڈیزائن کرے تو اس کو کوئی نہیں مانے گا بلکہ کہیں گے کہ یہ تو سٹر کچرانجینئر اور زلزلہ والے علاقوں کی مہارت رکھنے والے انجینئروں کا کام ہے۔

''ہماری پارلیمنٹ کا تو یہ حال ہے کہ جو کوئی خاندان میں سارے کاموں سے رہ جائے اور کسی کام کا نہ ہو اُس کو سیاست میں لے آتے ہیں کہ ویسے بھی کسی کام کا نہیں۔ اور ہمارے اکثر وفاقی وزیروں کا تو یہ حال ہے کہ جس شعبے کے وزیر ہوتے ہیں اُس کا الف ب تک کا پتا نہیں ہوتا اور شعبے کو چلانے کیلئے اُس کے ساتھ وزیر مملکت کو لگایا جاتا ہے جو اُس

شعبے کی مہارت رکھتا ہے اور سارے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے۔"

یہ جو آیت ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ O (النحل:۴۴)

ترجمہ: اور اُتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت (قرآن) کہ تو کھول دے (بیان کرے) لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اُتری اُن کے واسطے تاکہ وہ غور کریں۔ (معارف القرآن)

کہ ہم نے قرآن نازل کیا (اے پیغمبر ﷺ) تجھ پر تا کہ تو بیان کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تشریح کا حق حضور ﷺ کو دیا ہے۔ قرآن میں احکام اجمالی طور پر بیان ہوئے اور پھر حضور ﷺ نے اس کی تفصیلات بیان کی ہیں جو حدیث کی شکل میں محفوظ ہیں۔ قرآن میں کہیں نماز کی رکعتوں کا ذکر نہیں ہے کہ کس نماز میں کتنی رکعتیں ہوں۔ یہ رکعتیں حضور ﷺ نے اقیموا الصلوٰۃ کی تشریح میں بیان کی ہیں اور پھر آگے فرمایا، یہ بھی اس میں غور وفکر کریں۔ اس میں ائمہ مجتہدین کی تشریح کی گنجائش چھوڑی گئی ہے کہ وہ قرآن و سنت میں غور وفکر کر کے مسائل کو بیان کریں"۔

اللہ پاک نے آپ کے اخلاص اور دینی لگن کی وجہ وہاں کے اساتذہ اور طلبہ میں غیر معمولی مقبولیت اور وجاہت عطا فرمائی تھی اور طلباء کی آپ کے ساتھ اتنی محبت اور مناسبت تھی کہ ایک دفعہ تراویح میں ختم القرآن کے موقع پر مولانا زکریاؒ کے خلیفہ مجاز مولانا عبدالحفیظ مکیؒ کو بیان کے لئے بلایا گیا طلباء نے کہا کہ ہم تو ڈاکٹر صاحب کا بیان بھی سنیں گے تو دوسرے دن انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو بھی بیان کے لئے مدعو کیا۔

نومسلموں سے محبت:

وہ سعید روحیں جو اپنی طلب اور ذاتی جذبہ سے دین حق قبول کرتے اور اسلام کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں آپ مدظلہ ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ و برتاو کرتے ہیں

ان کی ضروریات کا تکفل ،ان کی معاش کی فکراور ان کے رہائش کا بندوبست کرنا اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں۔

جولوگ اپنا پرانا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کو اسلام لانے کے صلے میں جسمانی اور مالی اذیتوں کا شکار بننا پڑتا ہے ایسے لوگ امت مسلمہ کی طرف سے خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

ایک ساتھی کا خواب:

پشاور یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ جب گھر کے سامان کو سرکاری رہائش گاہ سے ذاتی گھر منتقل کرر ہے تھے تو ان دنوں مرتضی صاحب نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ یونیورسٹی سے باہر تشریف لے جارہے ہیں خواب کی تعبیر واضح تھی کہ انکے وارث کی اب یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ ہوگئی ہے۔ (راقم)

غیرت دینی اور تحریکات:

اللہ پاک نے آپ کو حق کے معاملے میں غیرت کا خاص وصف عطا فرمایا ہے انفرادی زندگی میں نرم وخلیق اور شگفتہ لیکن باطل نظریات کے بارے میں شمشیر برہنہ کہ جہاں کہیں بھی شریعت کا معاملہ آیا اور حدوداللہ میں رخنہ پڑتا نظر آیا تو پوری بے باکی اور جرأت وعزیمت کے ساتھ حق بات کہی، جہاں کہیں بھی اس مقدس دین پر آنچ آتی محسوس ہوئی تو پیچھے نہیں ہٹے۔دین حق کی شمع روشن کرنے کے لئے اپنی جان کھپائی

تند و تیز آندھیوں کا مقابلہ کیا اور اس مقصد کے لئے زبان اور قلم سے لیکر تحریکی اور جماعتی انداز کی جدوجہد تک ہر قسم کے کام کرنے پڑے۔ ورنہ آج تو ہم دین کی خدمت محض تجاویز اور قرار دادیں پیش کرنا، اظہار ناراضگی اور احتجاجیں کرنا، وفود اور یاددہانیوں (memorandem) کو کہتے ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

۱) پشاور یونیورسٹی میں عیسائی گرجا نہیں بننے دیا۔

۲) پشاور صدر میں فری میسن کے لاج اور ٹیمپل کے ختم کرنے اور اسے مسجد و مدرسہ میں تبدیل کرنے کی جدوجہد میں اپنے شیخ کے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑے نظر آئے۔

۳) قادیانیت کے خلاف بھرپور تحریک چلائی جلسے جلوس نکالے اور جناح پارک میں قادیانیت کے خلاف ۱۹۷۴ء میں ایک لاکھ لوگ اکٹھے کیئے۔

۴) فلم (The Message) دی میسج کے خلاف بھرپور تحریک چلائی۔

۵) پشاور یونیورسٹی میں آغا آڈیٹوریم (جو کہ بطور سنیما استعمال ہوتا تھا) کو بند کرنے کے لئے تحریک چلائی۔

۶) اس کے علاوہ اپنے ماہنامہ رسالے ''غزالی'' میں ہر برائی کے خلاف قلمی جہاد کیا ان سب کی تفصیلات اپنی اپنی جگہ آگے آئے گی۔

عیسائی گرجا زمین بوس ہو گیا:

اللہ پاک نے آپ کو سب محاذوں پر کامیابی عطا فرمائی۔ کمیونزم اور اس کے بعد سیکولرازم کی تیز آندھیوں میں دین اور مذہب کے ٹمٹماتے چراغ کو روشن رکھنے کے لئے خود کو وقف کیا۔ آپ ہر میدان میں ڈٹے رہے اور باطل کے ناپاک ارادوں اور سازشوں کو

عزم وحوصلے اور ہمت وجرأت کے ساتھ ناکام کرتے ہوئے کامیاب ہوئے۔

عیسائیوں نے پشاور یونیورسٹی کے اندر سرکاری زمین پر گرجا کی تعمیر شروع کر دی۔ آپ کے شیخ حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی صاحبؒ کا مؤقف یہ تھا کہ اسلامی مملکت میں اسلامی سرکاری زمین پر کوئی غیر مسلم اپنی عبادت گاہ تعمیر نہیں کرسکتا (یہ مسئلہ ایسے ہی فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے) لیکن انتظامیہ اپنی دینی ناواقفیت کی وجہ سے اس کی اجازت دے بیٹھی۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کو بہت افسوس تھا کہ اگر یہ گرجا بن گیا تو ہر باطل فرقہ یہاں اپنی عبادت گاہ بنانے کا مطالبہ کرے گا۔ اس طرح یہ حساس جگہ فرقہ واریت کا مرکز بن کر مستقبل کے لئے بڑے بڑے مسائل کی آماجگاہ بن جائے گی۔ حضرت مولاناؒ کا گرجا کے بارے میں چاہت تھی کہ اس گرجے کو اب گرجانا چاہیے۔ اس کے لئے حضرت مولانا اشرف خان سلیمانیؒ خاص طور پر دست بہ دعا ہوئے۔ جب حضرت ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ اب تو گرجا کی تعمیر مکمل ہونے کو ہے اور یہ سیاسی دھرنوں، احتجاجوں، قراردادوں، بے ہنگم مظاہروں اور جلسوں کا کام نہیں، میدان عمل میں اترنے کا موقع ہے۔ تو آپ نے اپنے متعلقین سے مدینہ مسجد (پشاور یونیورسٹی) میں مشورہ کر کے لائحہ عمل طے کیا پھر آپ نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے میدانی کام کرنے والے اور زمانے کے تجربہ کار سیاست دان بھی نہ کرسکیں۔

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

کچھ متعلقین مسجد بلال میں بھی موجود تھے یہ سارے حضرت ڈاکٹر صاحب کی قیادت میں ایک جلوس کی شکل اس گرجے والی جگہ کی طرف روانہ ہوئے ادھر عیسائیوں کے بڑے بھی خطرناک کتے ساتھ لئے کھڑے تھے کہ اگر کوئی اس طرف آجائے تو یہ کتے ان پر

چھوڑے جائیں گے جب جلوس گرجے تک پہنچا تو حضرت ڈاکٹر صاحب ان کے بڑوں کو یہ مسئلہ سمجھانے لگے کہ اسلامی شریعت کی رو سے تم لوگ یہاں اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتے ان لوگوں پر اتنا رعب پڑا اور ان کے ہوش وحواس اتنے خطا ہو گئے کہ کتے دوڑانا بھول گئے جلوس اتنا جذباتی تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کفر کی عمارت کو تہس نہس کر دیا۔ اور سارا گرجا زمین بوس کر دیا۔ اس وقت یہ معاملہ صوبے کے گورنر جنرل فضل حق کے سامنے زیر بحث لایا گیا۔ گورنر نے حکم جاری کر دیا کہ ڈاکٹر فدا (دامت برکاتھم) کو تین سال کیلئے اندر کر دو اس زمانے میں خالد منصور صاحب ڈی سی تھے انھوں نے گورنر صاحب کو بتایا کہ ان کو میں گرفتار تو کر لونگا لیکن پورے صوبے میں آپ لوگوں کے لئے لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا اور آپ لوگوں کے لئے اس کا کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہو جائے گا ان دنوں مارشل لاء حکومت تھی اور یہ لوگ جلسہ جلوسوں کے بارے میں ویسے بھی محتاط ہوتے ہیں اس لئے گورنر صاحب نے کہا کہ دفعہ کر دو اس معاملے کو۔ اس طرح یہ معاملہ ہمیشہ کے لئے دب گیا۔

اس واقعہ سے حضرت صدیق اکبر کے تاریخی جملے " **اینقص الدین و انا حی** " کی ہلکی سی جھلک محسوس کرنے والوں کو محسوس ہو سکتی ہے۔ آپ کی زندگی کا مقصد ہی دین کی حفاظت واقامت اور اس کا احیاء ودفاع تھا اور ہے۔

ایک بار پھر عیسائیوں نے کوشش کی اور اُن کا مرکزی وزیر پیٹر جان سہوترا پشاور یونیورسٹی آیا اور اس نے یونیورسٹی کی انتظامیہ اور سینڈیکیٹ وغیرہ سے گرجے کی منظوری کروالی۔ تعمیر سے پہلے وائس چانسلر ڈاکٹر پروفیسر محمد انور خان کا خیال ہوا کہ اس پر مشاورتی کمیٹی برائے امور مذہبی کو بھی متفق کر دیا جائے۔ میٹنگ سے پہلے حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک خط وائس چانسلر کو بدست پروفیسر ڈاکٹر مولوی نعمان صاحب بھیجا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مشاورتی کمیٹی کا ممبر ہونے کی وجہ سے میٹنگ میں حاضر تھے۔ وائس چانسلر کو حضرت

ڈاکٹر صاحب نے واضح طور پر بتایا کہ یہ آخرت کا مسئلہ ہے۔ہم آپ کو ایسی کوئی رائے نہیں دیں گے جس میں ہماری اور آپ کی آخرت خراب ہو۔اس پر وائس چانسلر چونکے اور انھوں نے کہا کہ آخرت کو ہم نے بھی جانا ہے۔ میں ایسا کوئی اقدام نہیں کروں گا جس میں میری آخرت خراب ہو۔ چنانچہ انھوں نے وعدہ کیا کہ اگرچہ اس کو سینڈیکیٹ کی منظوری حاصل ہو چکی ہے لیکن میں اپنے خصوصی اختیارات استعمال کر کے کارروائی(Minutes) سے اس کو نکال دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔اور بھی بہت طوفان اٹھے شورشیں بپا ہوئی لیکن اس چشتی درویش کے روحانی تصرف اور باطل شکن ترتیب کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔

فری میسن تحریک اور حضرت تھانویؒ کا فتویٰ اور اس ضمن میں آپ کے متوسلین کی خدمات:

راقم الحروف فقیر نے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ سے ایک دفعہ سنا تھا کہ مجدد کے تجدیدی کارناموں کا اثر زندگی کے ہر ایک شعبہ پر پڑتا ہے ان میں سے بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان کی وفات کے بعد ان کے متوسلین میں سے کسی کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔فری میسن یہودیوں کی ایک بدنامِ زمانہ تنظیم ہے پاکستان میں دیگر شہروں کے علاوہ پشاور میں بھی ان کا ایک بڑا ٹیمپل اور لاج (عبادت خانہ و قیام گاہ) تھا جس میں وہ اسلام دشمن اور پاکستان دشمن سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے حکومت پاکستان نے اس تنظیم پر پابندی لگادی۔ ہندوستان میں فری میسن کے متعلق سب سے واضح سوال حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پوچھا گیا جس کا جواب انہوں نے اپنے کتاب **”التکشف عن مہمات التصوف“** میں شامل ایک رسالے **”التقیٰ فی احکامِ الرقی“** میں ایک مضمون ”طلسم کشائی فری میسن“ میں دیا۔ان کے دیکھنے سے حضرت

تھانویؒ کی عبقری شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ دینی علوم اور اصلاح وارشاد کے ساتھ انہیں عصری فتنوں کی کس قدر مکمل خبر اوران کی کارگزاری پر کتنی گہری نظر تھی۔حضرت تھانویؒ کے زندگی کے ہر شعبے میں تجدیدی کاموں کے علاوہ ان کے عصری فتنوں کے خاتمے کے بارے میں مجددانہ کام کا تسلسل ان کے متوسلین میں سے حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ اور ان کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتھم اور حضرت مولانا صاحبؒ کے دوسرے خلفاء ومریدین کے ہاتھوں انجام پایا۔

فری میسن ایک یہودی تنظیم ہے ان کے بہت سے اہداف میں سے ایک ہدف اسلام اور اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان کو نقصان پہنچا کر بے دینی پھیلانا، دین سے لوگوں کو متنفر کرنا، علماء ربانیین کو شہید کرنا، علماء ومشائخ کو عامتہ المسلمین کی نظر میں بے اعتبار کرنا، حکمران علماء ومشائخ، فوجی افسران اور عوام کو باہم برگشتہ کرنا، نظریاتی اختلافات کے علاوہ علاقائی اور لسانی جھگڑوں کو ہوا دینا، رائے عامہ کو اپنے حق میں بنانے کے لئے الیکٹرانک میڈیا (ٹی وی، کمپیوٹر، ڈش اور کیبل)اور پرنٹ میڈیا (اخبار، رسالے اور مختلف کتابیں اور ڈائجسٹ) کو اپنے قابوں میں رکھنا، مذہب کے مسلمہ امور کو مشکوک بنانا، اس تنظیم کے اہم مقاصد میں سے ایک بین المذاہب میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور تقابل ادیان کے نام پر طلباء کو دوسرے مذاہب سے متعارف اور متاثر کرانا، مسلمانوں کو جہالت اور لاعلمی کے عالم میں رکھنا، جدید تعلیمی مراکز سکول، کالج، اور یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کو بامقصد اور کامیاب نہ ہونے دینا (بقول ہمارے ماہرین تعلیم جو بارہا بار یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ موجودہ نظام تعلیم بابو اور کلرک کے علاوہ کچھ نہیں بنا رہا) پاکستان میں پرائمری لیول سے ہی مقامی زبانوں اور اردو کی بجائے انگریزی میں تعلیم دلوانا، مسلمانوں کو اخلاقی برائیوں میں مبتلا کرنا، عورتوں میں بے پردگی کو عام کرنا، مسلم کشی کی خوفناک مہمات برپا کرنا۔جدت پسند

سکالروں اور نام نہاد دانشوروں کی ایک ایسی کھیپ تیار کرنا جو اسلامی علوم میں مہارت کا دعویٰ کر کے دنیا دار جدید قسم کے مسلمانوں میں علم دین کی شمع روشن کرنے کے بہانے ان کو بجھانے کی کوشش میں لگے رہیں ان کی پہلی کوشش یہی ہوتی ہیں کہ قرآن کی تفسیر ایسے طرز پر کریں کہ حدیث کی ضرورت نہ پڑے تا کہ وہ آیات کی من مانی تاویلات کرسکیں اور حدیث کی ایسی تشریح کریں کہ فقہ پر سے اعتماد اٹھ جائے تا کہ امت خیر القرون کے آئمہ مجتہدین کی تحقیقات پر عمل کے بجائے ان کی تجدد پسند افکار کو اپنا لیں ایسے کئی انسٹیٹیوٹ آپ کو کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں مل جائیں گے جہاں کوئی چوہدری، غامدی یا ہاشمی بیٹھا مسلمانوں کو دین کے نام پر بے دینی سکھا رہا ہوگا، ڈاکٹر ذاکر نائک جیسے لوگ بھی اس ترتیب کا حصہ ہے اس فہرست میں ممتاز و مشہور سیاست دان، قانون دان، فلمی اداکار، بڑے بڑے افسران، اخبارات کے ایڈیٹر، نامور صحافیوں کا نام بھی موجود ہیں جن کے قلم صرف اور صرف اسلام کے خلاف لکھنے میں مصروف رہتے ہیں اور ان کا ایک اور اہم مقصد پاکستان اور سعودی عرب سے اسرائیل کو تسلیم کروانا ہے۔

امداد العلوم پشاور:

ہمارے اکابر کی زندہ کرامتوں میں سے ایک کرامت مدرسہ امداد العلوم پشاور صدر ہے۔ اس کی داستان کچھ یوں ہے کہ اس جگہ پر یہودیوں کی رسوائے زمانہ تحریک فری میسن کا ٹمپل اور لاج (عبادت خانہ وقیام گاہ) تھا۔ یہ تحریک مقامی لوگوں کو ممبر بناتی تھی اور ایک کلب کی شکل میں کام کر رہی تھی جہاں ممبروں کے لیے کھیلوں اور دیگر تفریحی کاموں، نیز کھانے پینے کی پارٹیوں کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ اس دوران ہی ان کے دانشور آہستہ آہستہ مجالس کے دوران اپنے زہریلے نظریات ان ممبروں کے ذہنوں میں ڈالتے تھے۔ اس تحریک کو حکومت پاکستان نے خلاف قانون قرار دے دیا اور فری میسن لاج بند ہوگئی۔

اس تحریک سے وابستہ ایک شخص حاجی غلام نبی صاحب (مالک سرور موٹرز) ہمارے بڑے حضرت مولانا اشرف خان سلیمانیؒ سے بیعت ہو گئے۔حاجی صاحب نے باقی ممبروں سے مل کر یہ اعلان کر دیا کہ فری میسن لاج جو ہم ممبروں کی ملکیت ہے اسے ہم مسجد کے لیے وقف کرتے ہیں اور اس خبر کو اخبار میں شائع کروادیا۔اس کی اطلاع حضرت مولانا صاحبؒ کو کر دی گئی۔حضرت مولانا صاحبؒ سے طویل مشاورت ہوئی۔قانونی مالکان کی نیت بھی تھی اور خواہش بھی۔اس لئے حضرت مولانا صاحبؒ نے متعلقین کو حکم دیا کہ متذکرہ جگہ پر فوری قبضہ کر کے نماز شروع کر دینی چاہئے اور بچوں کا ایک مدرسہ، ایک استاد کی نگرانی میں شروع کر دینا چاہئے۔چنانچہ متعلقین نے اس عمارت کے بڑے ہال کو صاف ستھرا کر کے شراب کے نشان وغیرہ دھو کر پاک کر دیا اور نماز شروع کر دی۔ساتھ ہی ایک مدرسہ حافظ فضل حق حسن گڑھی والے کی نگرانی میں شروع کر دیا۔ یہ جگہ اتنی قیمتی اور اہم تھی کہ اس کا سخت ردعمل ہوا اور وہ لوگ جو اس جگہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے سخت پریشان ہوئے۔نیز وہ لوگ جنہیں بوجوہ مدرسوں سے پُرخاش ہے ان کو بھی سخت تکلیف شروع ہو گئی۔بے خبر قسم کے جدید تعلیم یافتہ مخالفین اعتراض کرتے کہ اس جگہ شراب پی گئی ہے اور عجیب وغریب قسم کے اعمال ہوئے ہیں یہاں نماز نہیں ہوسکتی۔ان کی مخالفت کو فرو کرنے کے لئے ایک استفتاء لکھا گیا اور اس پر علماء کا فتویٰ لیا گیا کہ اگر ایک جگہ جہاں شراب پی گئی ہو اسے دھو کر پاک کر کے نماز شروع کی جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔مفتی حضرات نے حکم دیا کہ جائز ہے۔انہی دنوں پیپلز پارٹی کی حکومت آ گئی۔یار لوگوں نے مل ملا کر ذوالفقار علی بھٹو (اس وقت کے وزیراعظم) سے اس جگہ کو کلچرل سینٹر کے لیے مختص کروادیا اور فیض احمد فیض کو جو مشہور کیمونسٹ شاعر تھے اور پنڈی سازش کیس میں کیمونسٹ انقلاب کی کوشش میں ماخوذ بھی ہوئے، کو اس کا انچارج مقرر کر دیا۔غالباً ایک کروڑ روپے فنڈ بھی مختص کر دیا گیا۔

حالات بہت خراب ہو گئے۔ یہ حضرت مولانا صاحبؒ کی دعا اور کرامت کا نتیجہ تھا کہ عملی اقدامات میں تاخیر ہوتی گئی اور اس طرح ہمارے حضرات کو قدم جمانے کا موقع ملتا گیا۔ یہ جگہ،32 دی مال ایسی جگہ ہے کہ اس کے ایک طرف 45 کنال زمین میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا اور دوسری طرف 32 کنال میں دوسرا گرجا۔ اور بالکل چوک پر یہ 22 کنال جگہ یہودیوں کا کنیسہ تھا۔ قیمت کے لحاظ سے کروڑوں کی جائیداد تھی اور کنٹونمنٹ کا ایریا ہونے کی وجہ سے صرف لیز پر مل سکتی تھی۔ یہ ایسا عجیب علاقہ ہے کہ پورے مال روڈ پر کہیں بھی مسجد نہیں تھی۔ کچھ دنوں بعد طے ہوا کہ نماز جمعہ بھی شروع کی جائے۔ چنانچہ نماز جمعہ بھی شروع کی گئی۔ وسائل نہ ہونے کی وجہ سے مولانا اشرف صاحب نے بشیر قریشی صاحب الیکٹریکل انجنیئر ، جو پشاور کے تبلیغی مرکز کی شوریٰ کے رکن تھے اور بہت ذہین، فہیم محتاط اور متقی مبلغ تھے، کو تقریر کے لئے مقرر کیا گیا۔ خطبہ مقامی امام صاحب پڑھتے تھے وہی نماز بھی پڑھاتے تھے۔ ایک عرصہ تک حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم خود بھی جمعہ پڑھاتے رہے۔ کچھ وقت باوجود معذوری کے حضرت مولانا صاحبؒ تکلیف اٹھا کر تشریف لے جاتے اور تقریر فرماتے۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج کے اسلامیات کے ریٹائرڈ پروفیسر مولانا عبدالشکور صاحب فاضل دیوبند جمعہ پڑھاتے رہے۔ کچھ دن بعد طے ہوا کہ یہاں وقفے وقفے سے جلسے منعقد کروائے جائیں اور پرجوش مقررین جن کی تقریروں کا شہرہ ہے انہیں بلایا جائے اور دیہات کا مجمع زیادہ بلایا جائے تاکہ انتظامیہ پر واضح ہو کہ جن لوگوں کے پاس ملکیت کے اختیارات تھے جس مقصد کے لیے انہوں نے وقف کیا اس کے علاوہ اس جگہ کو دیگر مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں اور صوبائی سطح پر امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اس اثناء میں مختلف گورنر بدلتے رہے۔ کچھ عرصہ اسلم خٹک صاحب بھی گورنر رہے۔ ان سے ملاقات کی گئی۔ انھوں نے جواباً کہا کہ اتنی قیمتی جگہ کو مسجد

بنا کر خراب کر رہے ہو۔ یہ ملاقات تلخ رہی۔ جب واپسی ہوئی تو ایک فقیر (حضرت ڈاکٹر صاحب) نے کہا کہ اسلم خٹک کی گورنری فوراً ختم ہو جائے گی کیونکہ اس سے صوبے کے روحانی گورنر کی بے قدری ہوگئی ہے۔ چنانچہ حاجی شاہ جہان گواہ ہے، جس نے اس منظر کو دیکھا تھا کہ ایسا ہی ہوا۔

پھر نصیر اللہ بابر صاحب گورنر ہوئے۔ ان تک رسائی کے لئے حضرت دعا اور کوشش میں مصروف ہو گئے۔ اتفاقاً اسے اپنے کسی مریض کو دم کرانے کے لئے حضرت مولانا صاحبؒ سے رابطہ کرنا پڑا، اسی نسبت سے اس کے ساتھ ملاقات کے لئے وقت لیا گیا۔ پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن صاحب بھی ساتھ تھے۔ حضرت کی بات سننے کے بعد وہ گویا ہوئے ''جو مساجد پہلے سے بنی ہوئی ہیں ان کا کیا حال ہے؟ ذرا ان کو دیکھیں وہاں کا انتظام کیسا ہے، وہاں کتنے نمازی ہیں؟ پاس ہی سنہری مسجد ہے، وہاں کتنے نمازی ہیں؟ پیسہ ایک نہیں ہے اور چندوں پر چندہ کرتے رہتے ہو، مسجد ایک بھی نہیں بنا سکتے۔ ہم اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کہ اتنی اچھی جگہ مسجد کے لیے استعمال ہو۔ ہم یہاں مارکیٹ بنائیں گے اور کلچرل سنٹر بنائیں گے البتہ اگر تم لوگ چاہتے ہو تو ایک کونے میں آپ لوگوں کے لیے ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنا دیں گے۔''

گورنریاں بہرحال آنی جانی و فانی چیزیں ہیں ان کی گورنری تو نہ رہی لیکن فری میسن لاج بالآخر حضرت مولانا صاحبؒ کی چاہت اور خواہش کے مطابق مسجد اور مدرسہ بننا تھا لہٰذا بن کر رہا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تو چناں خواہی خدا خواہد چنین

می دہد مولا مرادِ متقین

ترجمہ: ''جیسے تو چاہے ویسے اللہ چاہے گا، وہ متقی لوگوں کی مراد عطا فرماتا ہے''۔

ذوالفقار علی بھٹو تک رسائی کے وسائل نہیں تھے۔ اس اثنا میں بھٹو نے ایک جلسہ پشاور میں کیا۔ اس جلسے میں مجاہد لکھنوی (حضرت مولاناؒ کے معتقد اور مشہور نعت خوان) اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک بڑا بینر مسجد کا اٹھائے ہوئے پہنچ گئے اور مظاہرہ (Demonstration) کیا۔ لیکن اس بات کو بھٹو نے اپنے لئے ناگوار سمجھا اور بات پر کان نہ دھرا۔ بلکہ انتظامیہ اور بھی مخالف ہوگئی۔ ایک دن حضرت مولانا صاحبؒ جمعہ کی نماز پڑھنے اس 32 مال والی عارضی مسجد میں جا رہے تھے کہ راستے میں ایف۔ ایس۔ ایف (فیڈرل سکیورٹی فورس۔ یہ ایک فورس تھی جو ذوالفقار علی بھٹو نے قائم کی تھی اور اس کی وجہ سے وہ پولیس، ملیشیا اور فوج سے کافی حد تک بے نیاز ہوگیا تھا۔ اس کا اختیار براہِ راست اس کے ہاتھ میں تھا) کی گاڑی نے آپ کی گاڑی کو ٹکر ماردی۔ اللہ نے حفاظت فرمائی، کچھ چوٹیں آئیں لیکن خیر رہی۔ نماز جمعہ میں رکاوٹ آئی اور آپ کو پریشان و ہراساں کیا گیا۔ جمعہ کو بعد عصر حضرت صاحبؒ کے ہاں ختم قرآن ہوتا تھا۔ اس میں بہت جلے دل سے آپ سے ذمہ دار افراد کے لیے بددعا ہوگئی۔ بقول ڈاکٹر برہان ڈینٹل سرجن دوسرے دن ایک فقیر (خیال محمد باباجیؒ) جن کے بارے میں کبھی حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ یہ سلسلۂ تکوین والے ہیں، آئے اور دروازے میں کھڑے ہوکر دونوں طرف کی چوکھٹ کو ہاتھوں میں پکڑا اور اندر منہ کر کے حضرت سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ پھر تم نے اس کی پھانسی دستخط کروادی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال کے بعد پھانسی ہوگئی۔ انہیں دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک رات بعد عشاء حضرت ڈاکٹر صاحب دیر سے حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس حاضر

ہوئے۔آپ بالکل تنہا کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ انتظامیہ نے دھمکی دی ہے کہ اس مسجد سے باز نہ آئے تو گرفتار کروا دیں گے۔ ہمارے پاس ایسے آدمیوں کے لئے D.P.R رولز ہیں۔اس لئے آج سارے ساتھی چلے گئے ہیں کیونکہ اس وقت پولیس کے آنے کا خطرہ ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے عرض کیا کہ انشاء اللہ آپ کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ اللہ نے خیر کی اور یہ فیصلہ التواء میں چلا گیا۔ایک دفعہ صبح جا کر دیکھا تو رات کو انتظامیہ نے مسجد کے نام کے جو دو بورڈ لگے ہوئے تھے ان کے لکڑی کے سٹینڈ کٹوا کر بورڈ اتار دئے۔اس کی تصویریں اتروا کر حضرت نے اخبارات میں شائع کروا دیں اور اس پر سرخی لگائی ’’اسلامی مملکت میں مساجد کے ساتھ حکومت کا سلوک‘‘۔

انہیں دنوں شاہ فیصل مرحوم کی شہادت ہوگئی۔ان کی یاد میں مسجد کا نام مسجد الفیصل رکھ دیا گیا اور یہ خبر اخبارات میں شائع کی گئی۔اس نام کی وجہ سے انتظامیہ کے رویے میں سختی کم ہوئی۔سنا تھا کہ سعودی حکومت نے اس مسجد کے لیے تیس لاکھ روپے بھی بھیجے تھے لیکن وہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران مسجد تک نہ پہنچ سکے۔اسی اثنا میں ۱۹۷۷ء میں فوجی انقلاب آیا اور جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھال لیا۔ان کے بارے میں مشہور تھا کہ دیندار آدمی ہیں۔ چنانچہ حضرت مولاناؒ نے انھیں اپنے پیڈ پر لکھا اور حالات بیان کئے۔جواب میں انھوں نے اپنے خاص اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے لکھا کہ یہ جگہ مسجد کی تعمیر کے لیے حضرت مولانا اشرف خان صاحبؒ کے حوالے کی جاتی ہے۔اس وقت کے صوبہ سرحد کے گورنر، جنرل سوار خان بھی حضرت سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔اس لئے انھوں نے مسئلے میں مثبت رویہ اختیار کیا۔

اس جگہ فری میسن تحریک کے بارے میں معلومات دلچسپی سے خالی نہیں ہوں گی۔ حاجی غلام نبی صاحب ممبر فری میسن جب حضرت کی بیعت میں داخل ہوئے اور اللہ تعالی نے

جلد ہی انہیں باشرع زندگی نصیب فرمائی تو ایک دن حضرت ڈاکٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ حاجی صاحب یہ فری میسن تحریک کیا تھی؟ تو انہوں نے بتانا شروع کیا کہ اس کے 32 درجے (Stages) ہوتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے سات درجے پار کئے تھے اور اب میں سمجھتا ہوں کہ جو آدمی اس کے دس درجے طے کر لیتا تھا اس کی اتنی ذہنی تطہیر (Brain Washing) ہو چکی ہوتی تھی کہ وہ مسلمان نہیں رہتا تھا۔ بس اس کا نام مسلمانوں جیسا ہوتا تھا لیکن اس کی سوچ، جذبات اور احساسات یہودیوں کے رنگ میں رنگ چکے ہوتے تھے۔ اتنی بات بول کر حاجی صاحب اچانک چپ ہو گئے کیونکہ فری میسن تحریک والوں کو بتایا ہوا ہوتا تھا کہ اگر تم نے یہ راز کسی کو بتائے تو چند دنوں میں قتل کر دئے جاؤ گے اور تمہارے قاتل کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ چنانچہ حاجی صاحب مزید انکشافات سے فوراً رک گئے۔

ضیاء الحق کے خط کے باوجود انتظامیہ جگہ حوالے نہیں کر رہی تھی کیونکہ زمین جائیداد کے بارے میں جب تک کنٹونمنٹ بورڈ کے متعلقہ اہل کاروں سے کیس نہ گذرے اس وقت تک انتقال وغیرہ کا مسئلہ ادھورا ہوتا ہے۔ اس لئے پٹواریوں اور تحصیلداروں نے بہت رکاوٹیں ڈالیں۔ ضیاء انتظامیہ نے خاص تعاون کرتے ہوئے سگنل دیا کہ جگہ کا قبضہ آپ لوگوں کو دے دیتے ہیں باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔

چنانچہ ایک دن حضرت مولاناؒ نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے فرمایا بیٹا کل سارے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ جگہ (Site) پر پہنچ جانا کہ جگہ کا قبضہ لیں گے۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب تقریباً پچاس طلباء اور اساتذہ کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے۔ مارشل لاء انتظامیہ کی طرف سے بریگیڈیر فہیم قبضہ دلوانے آئے ہوئے تھے۔ کنٹونمنٹ والے بھی پہنچ گئے تھے کہ اپنا مؤقف بیان کریں کہ ابھی انتقال نہیں ہوا۔ تحصیلدار آگے بڑھا اور اس نے کہا آپ کیسے قبضہ لے سکتے ہیں؟ اس پر مارشل لاء والوں کا آدمی آگے بڑھا اور اس نے ایک

موٹا سریا عمارت کے تالے میں ڈالا اور کھینچا۔ تالہ ٹوٹا اور اس نے کہا ایسے ہم قبضہ لے سکتے ہیں۔ عمارت کے اندر سب داخل ہوئے۔ فری میسن تحریک کا ریکارڈ نکالا گیا۔ کئی نامی گرامی افراد کے نام ممبروں میں لکھے ہوئے تھے۔ کچھ تلواریں، کچھ انسانی کھوپڑیاں وغیرہ، ان سب کو ایک الماری میں جمع کیا گیا۔ بعد میں سنا کہ انسانی کھوپڑیاں یہودی جادوٹونے وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔ اس کے بعد حفظ کے مدرسہ میں بنوں کے قریشی برادران بطور اساتذہ آئے۔ ان کی خوش الحانی نے مدرسہ کو کافی کشش دی۔ طلباء کی تعداد بڑھی۔ علاقے کے لوگوں اور فوجی افسران کو اندازہ ہوا کہ اس جگہ مسجد کتنی اہم اور ضروری تھی۔ علاقے کے سارے جنازے مسجد کے احاطے کے پاس کھلے میدان میں ہونے لگے جن کے لئے پہلے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس اثناء میں لیفٹیننٹ جنرل فضل حق گورنر مقرر ہوئے۔ یہ دینی لوگوں کے قدردان تھے۔ ان سے حضرت مولانا صاحبؒ کی ملاقات ہوئی۔ بہت ادب سے ملے۔ حالات سننے پر کہا کہ ضرور مسجد بنانی چاہیے اور ہم آپ کی پوری تائید کریں گے۔

مسجد اور مدرسہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے صاحبزادے حاجی عبدالرّحمان صاحب کو اپنی طرف سے نائب مہتمم مقرر فرمایا۔ انہوں نے انتظامی امور میں دلچسپی لینا شروع کی اور کام آگے بڑھا۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ مجاہدات، اذکار، اشغال، بے نفسی، تواضع میں یادگارِ سلف تھے۔ کسی موقع پر ان کی حضرت مولانا صاحبؒ سے ملاقات ہوئی اور باہمی ہر دو حضرات کو بہت کشش محسوس ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خلافت کے بعد حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے بھی حضرت مولانا صاحبؒ کو خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ مولانا اشرف صاحب سنگِ پارس ہیں۔ سنگِ پارس ایک پتھر کو کہتے ہیں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ جس سے لگ جائے اس کو

سونا بنا دیتا ہے۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی توجہ بھی مدرسے اور مسجد کی طرف ہوئی اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے دعا فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے سامان کیا اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجاز صحبت اور مولانا فقیر محمد صاحبؒ خلیفہ حضرت نواب قیصر خان صاحبؒ کے ذریعے قطر کے ایک مخیّر شخص شیخ درویش فخرو نے مسجد کی تعمیر کے لیے ایک خطیر رقم مختص کی۔ گورنر فضل حق صاحب کو بلایا گیا اور ان کے ہاتھوں سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔ گورنر فضل حق صاحب کے لیے بھی حضرت نے دعا فرمائی۔ چنانچہ گورنر موصوف کو اللہ نے دینی زندگی نصیب فرمائی۔ آخری ایاّم میں پابند صوم وصلوٰۃ ہوئے اور ذکر کے عادی ہوئے اور شہادت کی موت نصیب ہوئی۔

پروفیسر مسرت حسین شاہ صاحب اور حاجی عبدالرّحمان صاحب نے مل کر حضرت مولانا صاحبؒ کی نگرانی میں کام شروع کیا۔ حضرتؒ ان دنوں تبلیغی جماعت کے بھی امیر تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ جگہ تبلیغی مرکز بنا دی جائے کیونکہ پرانا تبلیغی مرکز مسجد خواجہ معروف ضرورت پوری نہیں کر رہا تھا لیکن تبلیغ والے حضرات نے دلچسپی نہ لی اور کہہ دیا کہ ہم متنازعہ جگہ مرکز نہیں بنائیں گے۔ بعد میں مدرسہ میں توسیع کی گئی۔ علاوہ تجوید وحفظ کے دینی کتابیں شروع کی گئیں اور دورۂ حدیث شروع کیا گیا۔ مشہور شیخ الحدیث حضرت مولانا امان اللہ صاحب تدریس کے لئے مقرر ہوئے۔ تھوڑے عرصے بعد ہی عالمی شہرت یافتہ عالم حضرت مولانا حسن جان صاحب بھی تدریسی عملہ میں بطور شیخ الحدیث شامل کئے گئے۔ اس طرح یہ مدرسہ پاکستان کا ایک نمائندہ مدرسہ بن گیا۔ چونکہ سعودی حکومت سے مسجد و مدرسہ کے سلسلہ میں کوئی دلچسپی کا مظاہرہ نہ ہوا اور اس کے کل اخراجات شیخ درویش فخرو صاحب نے دیئے اور وہ ایک پابند شرع اور نیک شخصیت تھے اس لئے مسجد کا نام ان کے نام

پر ہی مسجد درویش رکھا گیا۔ دارالعلوم کا نام شیخ العرب والعجم، مجاہدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر رکھا گیا۔ آج مدرسہ میں سینکڑوں طلباء درجہ حفظ میں، سینکڑوں درجہ کتب میں اور سینکڑوں دورۂ حدیث میں ہوتے ہیں۔ اتنی تعداد پاکستان کے چند گنے چنے مدارس میں ہوگی۔ مدرسہ کا مسلک معتدل، فرقہ واریت سے پاک، جذباتی اور یک رُخہ طرز سے علیحدہ ایک جامع مسلک ہے جو سب طبقات کو جوڑ کر ملک میں اتفاق واتحاد کی فضا پیدا کرنے کا علمبردار ہے۔ مدرسہ کے اخراجات کے لیے خطیر رقم کی ضرورت درپیش ہوتی رہی۔ لاکھوں روپے کا قرضہ جمع ہوجاتا تھا۔ یہ حضرت کی کرامت تھی کہ غیب سے بندوبست ہوجاتا تھا۔ ایک مرتبہ مدرسہ چار لاکھ روپے کا مقروض ہوگیا اور آٹا کی دکانوں اور روٹی کے تندوروں تک نے پیغام بھیج دیا کہ اپنا بندوبست کرو۔ پچھلا قرضہ ادا کرو تاکہ ہم مزید ترسیل (سپلائی) کریں۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے مدرسہ والوں سے کہا کہ اسی طرح حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں جاکر عرض کرو۔ چنانچہ حضرت کو فکر مند کیا گیا۔ جلسہ مقرر ہوا۔ ایک ہی جلسہ میں سارا قرضہ ادا ہونے اور اگلے سال کے لیے پیش کش ہونے کے حالات پیدا ہوگئے۔ یہ چالو مدرسہ مولانا صاحبؒ کی زندہ کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ واقعی اصل کرامت کسی بزرگ کی یہ ہوتی ہے کہ اس سے کتنا دینی فیض عام ہوا۔ (مردِ درویش)

فلم دی میسج (The Message) کے خلاف تحریک:

جس وقت سیٹھی اسماعیل پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے انھوں نے یورپ کے دورے میں ایک فلم The Message (دی میسج) کہیں دیکھی اور اس کا ویڈیو کیسٹ ساتھ لے آئے اور یہ فلم یونیورسٹی کے اساتذہ کو جمع کر کے دکھادی۔ اس فلم میں حضور ﷺ اور صحابہؓ کی زندگی کو فلمایا گیا تھا۔ ان دنوں حضرت مولانا صاحبؒ حج پر گئے تھے۔ حضرت

ڈاکٹر صاحب کو بہت ناگواری ہوئی۔ ایک دینی سیاسی جماعت سیٹھی صاحب کو ہٹانا چاہتی تھی۔ انھوں نے اس واقعے کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یونیورسٹی میں تحریک گرم ہوگئی۔ ساتھیوں کے پوچھنے پر ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے عرض کیا کہ اچھا ہے کہ کوئی اس پر ناگواری کا اظہار کرے۔ جب حالات بگڑنے لگے تو سیٹھی صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ سے اس سلسلہ میں کچھ مدد کرنے کے لیے کہا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے سیٹھی صاحب کو کہا کہ یہ کام تو آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اس پر اللہ کے حضور توبہ کریں اور ایک تحریری توبہ نامہ مجھے لکھ کردیں تو میں طلباء کو منالوں گا۔ وہ حق پرست آدمی تھے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کی تحریر لے کر آپ نے طلباء کی تنظیموں کو بلایا۔ جمعیت طلباء اسلام اور اسلامی جمعیت طلباء سے آپ نے فرمایا کہ آپ یہ تحریک ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اور اللہ کی رضا کی خاطر چلا رہے ہیں؟ سب نے ہاں کہا۔ اس پر آپ نے سب کو بتایا کہ اس آدمی سے غلطی ہوگئی تھی۔ غلطی کا علاج اعتراف اور توبہ ہے وہ اس نے کرلی ہے اور یہ تحریر لکھ کردی ہے تو اب ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے خلاف تحریک چلائیں۔ اس بات کو جمعیت طلباء اسلام نے مان لیا لیکن اسلامی جمعیت طلباء والے وائس چانسلر کو ہٹانے پر تلے ہوئے تھے وہ نہ مانے۔ خیر آپ نے وائس چانسلر سے کہا کہ جمعیت طلباء اسلام تو شامل نہیں ہوگی صرف اسلامی جمعیت طلباء کا چھوٹا سا جلوس ہوجائے گا۔ آپ کی اپنی رائے یہ تھی کہ احتجاجی جلوس ہو اور بس خیر ہوجائے۔ صبح سویرے جاوید ابراہیم پراچہ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ رات بارہ بجے پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن اور پیپلز اور پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن نے حملہ کردیا۔ جوں ہی حملہ ہوا تو اتنا سخت ردعمل ہوا کہ ہر دو طبقات کو سڑکوں پر بھاگنا پڑا۔ پختون والوں نے فائرنگ بھی کی۔ پختون اور پیپلز والے حیران تھے کہ اتنا سخت ردعمل ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ بعد میں ان کو پتہ چلا کہ مقابلے میں صرف اسلامی جمعیت طلباء نہیں تھی بلکہ حضرت

مولانا صاحبؒ کے مریدین اور جمعیت طلباء اسلام والے بھی تھے تو اس سے حالات بہت خراب ہو گئے۔ پیپلز پختون ہر دو طبقے حضرت ڈاکٹر صاحب کے پاس آ کر اپنی صفائی پیش کرنے لگے کہ جی ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ کوئی سیاسی سٹنٹ ہے جسے اسلامی جمعیت طلباء چلا رہی ہے۔ اگر یہ واقعی دینی مسئلہ تھا تو ہمیں افسوس ہے۔ اگر آپ بروقت دینی مسائل ہمیں بھی سمجھا دیا کریں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

اور جب اقلیت اکثریت پر چھا گئی:

حضرت کے متوسلین میں سے ایک ساتھی نے آپ کو چترال کے سیاسی اور مذہبی حالت کے بارے میں ایک خط لکھا ہے اور آپ نے اپنے ہی ایک اور مرید کے ذریعے اس کا جواب دیتے ہیں۔ ان خطوط سے آپ کی بالغ نظری، سیاسی دور اندیشی، موجودہ حالات پر نظر اور اس کے متعلق دردمندی کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اصلاح و ارشاد کے ساتھ آپ کو ملک کی سیاسی صورت حال اور زبوں حالی کی کس قدر مکمل خبر ہے۔ ماہنامہ غزالی میں یہ دونوں خطوط چھپے ہیں۔ ہماری بڑوں کی غفلت اور کوتاہیوں کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب مدظلہ

السلام علیکم!

آپ کی توجہ چترال میں ایک مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو کہ چترال کے حالیہ دورے کے دوران میرے نوٹس میں لایا گیا۔ چترال میں اسماعیلی فرقہ کی آبادی 30% اور سنی مسلمانوں کی آبادی 67% ہے جبکہ کلاش 3% ہیں۔ اس تناسب کے برعکس وہاں سے دونوں MPA (ممبر صوبائی اسمبلی) اسماعیلی فرقے سے منتخب ہوئے ہیں جن کے نام درج

ذیل ہیں:

۱۔ سردار حسین　　۲۔ سلیم خان

نتیجتاً وہاں پر ملازمتوں میں 100 میں سے 48 سیٹیں اسماعیلیوں کو اور 44 سیٹیں مسلمانوں کو دی گئی ہیں۔ بقایا 8 سیٹیں کلاش کے لئے مختص ہیں۔ بجائے اس کے کہ اسماعیلیوں کو اقلیت قرار دیا جاتا، رفتہ رفتہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اُن کو سُنی مسلمانوں پر حاوی کیا جا رہا ہے۔ جبکہ معاشی طور پر وہ پہلے سے خاصے مضبوط ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سازش کیخلاف مناسب فورم پر آواز اٹھائی جائے بیشتر اس کے کہ یہ فتنہ کنٹرول سے باہر ہو جائے۔

والسلام

آپ کا مخلص

ڈاکٹر محمد اقبال سیال

جواب:

ضلع چترال پاکستان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ خیبر پختونخوا صوبے کا سب سے بڑا ضلع ہے۔ طبعی خدوخال اور آب وہوا کی وجہ سے اس ضلع کا صرف دو فیصد رقبہ زیر کاشت ہے۔

انتظامی لحاظ سے ضلع چترال کو دو تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو کہ تحصیل چترال اور تحصیل مستوج ہیں۔ تحصیل مستوج تو کھو، موڑ کھو، یارخون، لاسپور اور اویر کی وادیوں پر مشتمل ہے جبکہ تحصیل چترال لوٹ کھو (گرم چشمہ) چترال، ششی کوہ، دروش، ارندو، بمبوریت اور رمبور کی وادیوں کا مجموعہ ہے۔

۱۹۹۸ء کی مردم شماری کے مطابق چترال کی کل آبادی تین لاکھ نفوس سے کچھ

زیادہ تھی۔ ان لوگوں کا تعلق تین مختلف مذاہب سے ہے، جن میں سنی 67 فیصد، اسماعیلی 30 فیصد اور کلاش قبیلے کا تناسب ایک فیصد سے کم ہے۔ ان مذہبی گروہوں کی علاقائی تقسیم کافی دلچسپ ہے۔ کلاش قبیلہ تحصیل چترال کی تین وادیوں بمبوریت، بریر اور رمبور میں محدود ہے، جن کو عام لوگ کافرستان بھی کہتے ہیں۔ تحصیل چترال کی وادی لوٹ کھو میں اسماعیلی فرقے کی غالب اکثریت ہے۔ اس کے علاوہ یہ فرقہ شیشی کوہ کے بالائی علاقہ میں بھی رہتا ہے۔

تحصیل مستوج کی کچھ وادیوں میں اسماعیلی فرقے کی اکثریت ہے۔ جیسے کہ لاسپور، یارخون اور مستوج جبکہ تورکھو، موڑکھو اور اویر کی وادیوں میں سنی اکثریت سے ہیں۔ ضلع چترال میں قومی اسمبلی کی ایک نشست ہے اور صوبائی اسمبلی کی دو نشستیں ہیں۔

۲۰۱۳ء کے انتخابات میں دونوں نشستیں اسماعیلی فرقے والوں نے جیتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ مذہبی سیاسی پارٹیوں کے مابین ہم آہنگی اور اتحاد کا فقدان ہے۔ ان عام انتخابات میں ساری مذہبی پارٹیوں نے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری سیاسی پارٹیوں کے امیدوار بھی سنی تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ سُنیوں کے ووٹ تقسیم ہو گئے اور اسماعیلی اقلیتی فرقے نے میدان مار لیا۔

چترال۔1

سلیم خان (موجودہ ایم پی اے، اسماعیلی) حاصل کردہ ووٹ	=11310
مسلم لیگ 'ن'	=10234
مذہبی جماعتوں کے امیدوار:	
ا۔ جمعیت علمائے اسلام	=9948
۲۔ متحدہ دینی محاذ	=1012

۳۔ جماعت اسلامی =6923

مذہبی جماعتوں کے کل ووٹ: =17883

چترال۔2

سردار حسین (موجودہ ایم پی اے، اسماعیلی) حاصل کردہ ووٹ =11000

مسلم لیگ 'ن' =10960

مذہبی جماعتوں کے امیدوار:

ا۔ جمعیت علمائے اسلام =9274

۲۔ متحدہ دینی محاذ =1681

۳۔ جماعت اسلامی =3000

مذہبی جماعتوں کے کل ووٹ =13955

یہ ہی جمہوریت ہے جس میں اقلیتی فرقہ اکثریتی فرقے پر حکومت کرتا ہے اور سادہ لوح سیاسی پارٹیوں کا انجام اسی طرح ہوتا ہے۔

ے سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

فضل الرحمان چترالی ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ جغرافیہ، پشاور یونیورسٹی،

یکے از خدام حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ

ہم اپنی سادہ لوحی یا مفاد پرستی کی وجہ سے ان سازشوں کا شکار ہو گئے اور دشمن کے منصوبوں کو نہ سمجھ سکے یا سمجھنا نہیں چاہتے کہ آج نہ صرف اقلیت اکثریت پر غالب آ گئی کل کو مسلمانوں کا شناخت بھی مٹا دیا جائے گا۔

عقل منداں را اشارہ کافی است (راقم الحروف فقیر)

حفاظت دین، اقامت دین اور اشاعت دین کی خاطر

کیلاش قبیلے میں اجتماع:

چترال میں صدیوں سے کیلاش کے نام سے ایک غیر مسلم قبیلہ تین وادیوں بمبوریت، رمبور اور برِیر میں آباد ہے، جن کو عام لوگ کافرستان بھی کہتے ہیں۔ کیلاش قبیلے کے متعلق یہ مشہور ہے کہ سکندرِ اعظم کے ساتھ آئے لوگوں میں سے یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے۔ ان کے عقائد و اعمال آتش پرست مجوسیوں، بدھ مت اور ہندو مت والوں سے ملتے ہیں۔ چند بڑے بوڑھے ہی ان عقائد اور معلومات کو اپنے چھوٹوں کو بتاتے ہیں اور سب اس پر عمل کرتے ہیں۔ کوئی کتاب، کوئی عالم وغیرہ نہیں جو ان عقائد اور اعمال کو علمی انداز میں آگے چلا رہا ہو۔ اُن کے اصل مذہب میں مُردوں کو دفن نہیں جاتا بلکہ کھلے لکڑی کے تابوت میں آبادی کے پاس ایک بیابان میں رکھ دیا جاتا ہے جہاں پرندے کتے وغیرہ گوشت نوچ لیتے ہیں اور ہڈیاں وہاں رہ جاتی ہیں۔ موجودہ دور میں بدبو، تعفن اور بیماریوں کے پھیلنے کے خطرات کی وجہ سے ان لوگوں نے بھی مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دفن کا طریقہ شروع کیا ہے۔ کوئی آدمی مر جائے تو ایک ہال کے درمیان اس کی لاش رکھ کر تین دن اس کے گرد ناچتے ہیں اور سو ایک سو بیس بکرے ذبح کرتے ہیں اور دعوتیں چلتی ہیں۔ مئی اور دسمبر میں ان کا ایک میلہ ہوتا ہے جس میں عورتیں ناچتی ہیں اور مرد سیڑھیوں پر بیٹھ کر تماشا کرتے ہیں۔ اسی ناچ میں شادی کے لئے جوڑے منتخب ہوتے ہیں۔ اگر شادی شدہ عورت کسی دوسرے مرد کو پسند آ جائے تو وہ پہلے خاوند سے بات کرتا ہے۔ پہلے خاوند کا رشتہ اگر

ایک لاکھ پر ہوا تھا تو وہ دو لاکھ کا مطالبہ کر کے عورت دے دیتا ہے۔اس طریقے سے جس عورت کے زیادہ تبادلے ہوئے ہوں وہ اپنے کو بہت نمایاں سمجھتی ہے۔اس قبیلہ کے لوگ اکثر اسلام کی طرف مائل ہوکر مسلمان ہو جاتے ہیں۔اہل باطل کو ان کا مسلمان ہونا ایک آنکھ بھی نہیں بھارہا تھا اس لئے انھوں نے این جی اوز کی شکل میں قدیم ثقافت کو بچانے کے عنوان سے کیلاش (چترال) کے غیر مسلم قبائل کو عیسائی بنانے اور اِن لوگوں میں عیسائیت اور مغربی ثقافت پھیلانے اور اس خطے کو عیسائی بنانے کے لئے کام کرنا شروع کر دیا بظاہر اُن کا موقف ہے کہ وہ اس قدیم ثقافت کو بچا رہے ہیں لیکن در پردہ ان کی کوشش ہے کہ یہ لوگ اسلام میں کسی طرح داخل نہ ہوں۔ ہمارے نام نہاد روشن خیال دانشور بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور اس ثقافت کو ٹورازم کی بنیاد بنا کر علاقے میں ٹورسٹوں کے لئے کئی ہوٹل بنائے گئے ہیں۔ بڑی کشش اس علاقے میں شراب کا عام ملنا ہے جو کیلاش خود بناتے ہیں۔مالدار طبقے کی شراب کی خوب بکری ہے جبکہ غریب طبقہ این جی اوز کے پیسوں پر زندگی گزار رہا ہے۔اس سب کے باوجود کیلاش کے دانشوروں کا یہ تبصرہ ہے کہ اگر ہم نے مذہب تبدیل کرنا چاہا تو پھر اسلام ہی قبول کریں گے جو کہ حق مذہب ہے۔ ورنہ عیسائیت کے مقابلے میں ہمارا اپنا طریقہ ہی اچھا ہے۔

بندگان الٰہی پر رحمت اور خیر خواہی کے جذبہ نے امت کے اس شفیق،صاحب دل، روشن ضمیر بزرگ اور غلبہ اسلام کے غم خوار کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا، بندگان خدا کی اس حالت کو دیکھ کر آپ کا دل جلا اور خیر خواہی کی وجہ سے آپ کا دل چاہتا تھا کہ کسی طرح ان لوگوں کی حالت سدھر جائے جس طرح ایک باپ اپنے بچوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت کا طالب ہوتا ہے اسی طرح ایک مصلح کا بھی یہی جذبہ ہوتا ہے، آپ نے ان لوگوں کا دین اسلام سے ناتا جڑا رکھنے کے لئے اور ان بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے اور

چترال کے کیلاش قبائل کو صحیح اسلام کی جھلک دکھانے اور حفاظت دین، اقامت دین اور اشاعت دین کی خاطر آپ نے بیماری و اعذار کو حائل نہ ہونے دیا اور کیلاش وادی بمبوریت کا دشوار گزار سفر اختیار کیا اور سہ روزہ اجتماع مقرر کر کے ان کے سامنے سچے دین اسلام کو پیش کیا،، نومسلم کے مسائل سے آگاہی حاصل کی اور انکے مسائل کے حل کے لئے صاحب حیثیت لوگوں کو متوجہ کیا۔

ہمارے یہاں آج تک اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ نومسلموں کی ضروریات پوری کرنے اور انکی آئندہ مشکلات میں مدد دینے کے لئے کوئی ادارہ، تنظیم یا جماعت موجود ہو۔

دین اسلام قبول کر لینے کے پاداش میں ان نومسلم کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔

کیلاش کی نومسلم لڑکیوں کو خاوند کی صورت میں ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، ٹورزم کے نام پر عیاش لوگ آکر ان کے ساتھ شادی رچا لیتے ہیں لیکن چند دنوں کے بعد ان مظلوم لڑکیوں کو بے سہارا چھوڑ کر یہ لوگ بھاگ جاتے ہیں۔

سرکاری تعلیمی اداروں کے علاوہ زیادہ تر تعلیمی نظام آغانیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جہاں مسلمانوں کے بچے بھی پڑھتے ہیں۔

اللہ کرے کہ اداروں اور انجمنوں کی بہتات کے اس دور میں کوئی صاحب خیر اور مخلص مسلمان اس کام کے لئے بھی آگے بڑھیں۔

بعض اہل احساس نے بیان کیا کہ کیلاش کی وادیوں میں ایسے پر کیف مناظر اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔ آپ کی وسیع النظری، اہل اسلام کے لئے فکر مندی اور دعوت اسلام اور حفاظت اسلام موجودہ اور آنے والے نسلوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے اور اس میں ان کے لئے استفادہ اور رہنمائی کا وافر سامان ہے۔

پرسوز داعی، دردمند مصلح:

اس چشتی شیخ، پرسوز داعی اور دردمند مصلح نے ایک اجتماع اسماعیلیوں کے علاقے بونی میں کیا۔ اس علاقے میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ قادریہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مولانا قاضی فضل الرحمٰن صاحبؒ (جو اس وقت حیات تھے) کی انتھک کوششوں سے اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد دس گھرانوں سے ڈھائی سو گھرانوں تک پہنچ گئی تھی۔ اس علاقے میں قاضی صاحب نے ایسی حکمت عملی سے کام کیا کہ اسماعیلی بھی ان کو اپنا بزرگ مانتے تھے۔ ماضی قریب میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے تھے وہ اسماعیلی سے مسلمان ہوئے تھے اور اس فرقہ کے خلاف مُتشدّد ذہن رکھتے تھے۔ عموماً فارغ التحصیل مولوی صاحبان بیعت و سلوک کے راستے سے گزرے بغیر اور اکابر کے مشورے و نگرانی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے لیے کام کرنے کی خود سمت متعین کر لیتے ہیں۔ جوانی کا جوش و خروش اور جذبات کی شدت کے ساتھ ناتجربہ کاری اور کوتاہ نظری، اُن سے اخلاص کے پردے میں نقصان دہ کام کروا لیتی ہے۔

مرغِ پر نارُستہ چوں پراں شود
طعمۂ ہر گربۂ دراں شود

''پورے پر نہ نکالے ہوئے پرندہ جب اُڑنے لگتا ہے تو پھاڑنے والی بلی کا نوالہ بن جاتا ہے''۔

اس مولوی صاحب نے علم سے فراغت کے بعد اس علاقے میں تکرار اور ٹکراؤ کی پالیسی کے تحت کام شروع کیا جس کے ردِعمل میں اسماعیلیوں کا اسلام میں داخلے کا دروازہ بند ہو گیا، وہ بیدار ہو کر منظّم ہو گئے لہٰذا اس علاقے میں پھر مثبت طریقے سے کام کرنے کی ضرورت تھی تا کہ یہ اثر زائل ہو اور پرانا طرز بحال ہو۔

ہر حال میں آواز لگاتے رہو ازہر
صحرا میں اذانوں کا تسلسل نہیں ٹوٹے

عالم اسلام کی تکالیف پر آپ کی بے چینی اور کڑھن:

اللہ پاک نے آپ کو ایک دردمند دل عطا فرمایا ہے جو ہر دنیا کے ہر خطے بنگلہ دیش سے مراکش اور الجزائر سے انڈونیشیا و ملیشیا تک کے مسلمانوں کے لیے دکھ درد سے بے چین ہوتا ہے، اور ان کے مسائل کے لئے متفکر رہتا ہے چونکہ مریدین ہر خطے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہر خطے سے آپ باخبر رہتے ہیں اور دور حاضر کی تمام فکری و نظریاتی تحریکوں پر آپ کی گہری نظر رہتی ہے۔ کبھی کبھی کسی خبر پر ایسی بصیرت کے ساتھ تبصرہ فرماتے ہیں جس سے آپ کی دور بینی، نکتہ شناسی اور گہری فہم وفراست کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

عالم اسلام کی زبوں حالی پر آپ کی کڑھن ہر مجلس کے آخر میں دعا اور آہ و بکا کی صورت دیکھنے والے کم نہیں، مسلمانوں کے تکالیف پر آپ کو تڑپتے اور بے چین دیکھا گیا اور بعض مرتبہ تو آپ کا پورا وقت مسلمانوں کی فکر اور رنج وقلق میں گزر جاتا ہے۔ جب بھی کسی اسلامی خطے میں حالات گھمبیر ہوں، تو آپ دعا وزاری کے ساتھ ساتھ اس کے اسباب، عوامل، محرکات اور اس کے بارے میں گہری سیاسی بصیرت کے بنیاد پر ٹھوس وصائب آراء کا اظہار فرماتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو خود اپنی ذات یا اپنے حلقے کے ذریعے ان مسائل کے تدارک کے لئے کردار بھی ادا کرتے ہیں، فلسطین پر یہود کے غاصبانہ قبضے کے عوامل ومحرکات کے بارے آپ کی عمیق نظر بہت سے ایسے پہلو واضح کرتی ہے جن کا ذکر عام سیاسی ماہرین کے ہاں نہیں ملتا، آپ کا کہنا ہے کہ فلسطین پر یہودی قبضے کا بڑا سبب یہودی کالونیزم کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے حسی، اور عیش کوشی کی خاطر

اپنے زمینوں کی سودا بازی تھی ، مسلمانوں نے اپنی زمینیں کوڑیوں کے مول یہودیوں کے ہاتھ فروخت کردی اس سلسلے میں آپ اپنے روحانی جدامجد حضرت تھانویؒ کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہیں، اس مسئلہ کے تکوینی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ بتلاتے ہیں کہ اسلامی اقتدار کے زوال کا بڑا سبب عریانی وفحاشی ہے ، جب عربوں نے اپنی زمینوں کی قیمت وصول کر کے رقم کو اپنے کیسوں میں بھر کر شہروں کا رخ کر کے دن بھر وہاں جوا کھیل کر اور راتیں لہولعب اور عیاشی کی مشغلوں میں گزار کر پھر قلاش گھروں کو لوٹ آتے تھے۔ جب فلسطین کی سرزمین پر عریانی کا گراف اس حد تک پہنچا کہ مسجد کے امام تک کی بیٹیاں سکرٹ پہن کر نامحرموں کے سامنے آنے لگیں تب جا کر ان سے اقتدار چھنا، اسی سے آپ کے ہاں غلبہ کا تصور بھی آشکارا ہوتا ہے، آپ کے ہاں اسلامی غلبہ کے لیے محض مادی طاقت یا ٹیکنالوجی کا حصول ہی کافی نہیں ، نہ ہی مسلم قومیت کا اتحاد کافی ہے جب تک مسلم امۃ ان اخلاقی اور معنوی صفات سے آراستہ نہ ہو جن کے ساتھ امت کے عالمگیر غلبہ کا راز جوڑا گیا ہے۔

آپ عالم اسلام کے دیگر سنگین مسائل مثلاً افغانستان ،شام ، برما ، وغیرہ کے بارے میں بھی اسی دکھ ودرد کا اظہار کرتے ہیں اور ان مظلوم خطوں میں عالم کفر کی طرف سے جاری دہشت گردی کی اپنے مواعظ ، خطبات اور مجالس میں حیدری للکار کے ساتھ ذکر کر کے امت خوابیدہ کو اپنی خودی اور غلبہ کی حدی سناتے ہیں۔ ان خطوں میں مظلوم مسلمانوں کی امداد کا سلسلہ بھی آپ کے ہاں سے تسلسل کے ساتھ جاری رہتا ہے، اس میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور اپنے متعلقین ومریدین کو بھی خرچ کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔

اسی تڑپ نے آپ کو ترک دانا رجب طیب اردوان کی حکومت سے اخلاقی تعاون پر

آمادہ کیا اور اس سلسلے میں ترکی کا سفر بھی کیا، آپ ترکی میں اسلام کے غلبے کے سفر کو نیک شگون قرار دے کر پر امید ہیں کہ سلطان فاتح کے دیس سے ایک بار پھر حق کا غلغلہ بلند ہوگا اور جہاد و نصرت کی ایک نئی تاریخ رقم ہوگی۔ اسی ناطے آپ مسلسل اپنی دعاؤں میں ترک قیادت کو یاد رکھتے ہیں، اور ان کی اسلام پسندی پر ان کی حوصلہ افزائی و تشجیع کا فرض بھی نبھاتے ہیں، ترک حکومتی ارکان کو آپ کے اس جذبے کی قدر ہے اسی واسطے ایک وفد آپ کے مساعی کا ثمرہ سمیٹنے پاکستان بھی آچکا ہے اور ترک صدر رجب طیب بذات خود اس حوالے سے آپ کی مساعی پر شکریہ ادا کر چکے ہیں۔

عالم اسلام کی تکالیف اور مسلمان حکمرانوں کی بے حسی کے بارے میں آپکی کڑھن اور بے چینی کا اندازہ آپ کے اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے:

''پوری دنیا اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے پل پڑی ہے۔ برما، کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان سب جگہوں پر کشت وخون کا بازار گرم ہے۔ فلسطین میں تو یہودی نے حدیں پھلانگ لی ہیں۔ اس کے مقابلے میں دنیائے اسلام کے تقریباً پچاس ممالک کے سربراہان ٹس سے مس نہیں ہوئے حالانکہ جس ملک کے خلاف کافر آیا اس پر جہاد فرض ہوجاتا ہے۔ وہ کافی نہ ہوں تو پاس والے اسلامی ممالک پر بھی فرض ہوجاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں ساری دنیائے اسلام پر ایک اسلامی ملک بلکہ ایک مسلمان شہری کو بچانے کے لئے جہاد فرض ہوجاتا ہے۔ اے کاش! آج بھی اگر یہ سربراہان اکٹھے ہوجائیں اور دنیا کو آگاہ کردیں کہ کسی ایک مسلمان پر حملہ ساری دنیائے اسلام پر حملہ تصور کیا جائے گا تو اس سے ساری دنیائے کفر کے منہ میں لگام ڈالی جاسکتی ہے''۔ ......آہ! یہ کب ہوگا؟

عالم کفر کی سازشوں کی نشاندہی:

ایک دفعہ فرمایا کہ اس وقت مغربی دنیائے کفر کو سب سے بڑا خطرہ اسلام اور مسلمانوں سے ہے۔ اس خطرے کا پہلا پہلو دنیائے اسلام کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ آبادی کے بارے میں یہ اصول ہے کہ کسی قوم کی آبادی ۱.۹ فیصد سالانہ بڑھ رہی ہو تو وہ باقی رہ سکتی ہے۔ اس سے نیچے آجائے تو یہ آبادی مٹنے کی طرف بڑھ رہی ہے اور اگر یہ شرح ۱.۴ فیصد سے نیچے ہو جائے تو اس آبادی کا خاتمہ یقینی ہو جاتا ہے۔ اس وقت اکثر یورپی ممالک کی آبادی کا اضافہ ۱.۹ فیصد سے نیچے ہو چکا ہے جبکہ مسلم ممالک میں یہ شرح ۳ فیصد ہے۔ اس وقت یہ ممالک باوجود کوشش کے اور اولاد پیدا کرنے کی بے انتہا مراعات دینے کے اپنے معاشرے کو شادی اور افزائشِ نسل پر تیار نہیں کر سکے۔ اس میں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ پنجاب میں نافذ ہونے والے حقوق نسواں کی طرح ایسے بے تکے قوانین بھی موجود ہیں جو خاوند کے لئے شادی سے بھاگنے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ اس وقت مغربی ممالک تھوک کے حساب سے ہمارے لوگوں کی نقل مکانی (Immigration) اگر قبول کر رہے ہیں تو وہ ہم پر احسان کرنے کے لئے یا ہماری محبت کی وجہ سے نہیں کر رہے بلکہ ان کی گھٹتی ہوئی آبادی اس بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ باہر سے آنے والے لوگوں نے معاشرے کی ذمہ داریوں کو نہ سنبھالا تو ان کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔ اس مسئلے کا حل انھوں نے یہ نکالا ہے کہ اسلامی دنیا کی آبادی بڑھ نہ جائے اور مسلمان بے دین ہو کر ان کے رنگ میں رنگ جائیں تو ان کے بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہر روز دنیائے اسلام میں ایسے منصوبے چلاتے ہیں جو بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کا ذریعہ بنیں۔ ان کا دوسرا منصوبہ مسلمان کو اس طریقے سے گمراہی پر ڈالنا ہے کہ اس کا ایمان، عمل، غیرت، حیاء، سب چیزیں کمزور ہو کر اس سے نکل جائیں۔ اس کے لئے سودی قرضہ دینے کے ساتھ اسلامی ممالک کے نصاب تعلیم میں

تبدیلیوں کی شرطیں عائد کرنا، ان کی حکومتوں سے حقوق نسواں کی طرح قوانین پاس کروانا، مخلوط ماحول اور مخلوط تعلیم کی پابندیاں لگانا، یہ سارے وہ ہتھکنڈے ہیں کہ جن کے ذریعے وہ مسلمان کو اسلام سے خالی مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ اسلام سے خالی مسلمان بنانے کی آخری علامت یہ ہوتی ہے کہ مسلمان عورت سکرٹ (آدھی رانوں تک جانگیا) پہن کر اور آستینوں کے بغیر قمیص پہن کر بغیر دوپٹے کے کھلے عام پھرنے لگے اور اس معاشرے میں اتنی جان نہ رہے کہ اسے کوئی روکے۔ جب مسلمان اس سطح تک پہنچ جاتا ہے تو کافر کے نزدیک یہ وقت اس پر چڑھ دوڑنے کا ہوتا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایسے ہی فلسطین میں ہوا، ایسے ہی افغانستان میں ہوا، ایسے ہی عراق میں ہوا۔ بیوقوف حاکم آنکھیں بند کیئے ہوئے اسی راستے پر چل رہے ہیں جس کا انجام اوپر بیان ہو گیا۔ اس انجام سے سب سے زیادہ نقصان، ذلت، بے عزتی اور مالی جانی مشکلات اسی بڑے طبقے کو ہوں گی۔ ہم لوگوں کے پاس تو اگر کچھ نہ رہا تو پھر اپنی بچی کھچی زمینوں کو کھود کر اور جانور پال کر جھونپڑوں میں گزر بسر کا سامان کرلیں گے۔

اردو رسم الخط کی تبدیلی باطل کی ایک چال:

باہمی رابطے کا ایک اہم ذریعہ خط و کتابت ہوا کرتا تھا۔ آج کل یہ چیز موبائل میسج (گشتی پیغام) نے لے لی ہے لیکن لوگوں میں ایک بہت بڑا اور خطرناک المیہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ اردو کے پیغامات (میسجز) بجائے اردو رسم الخط کے انگریزی (رومن) رسم الخط میں لکھتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ اپنی مریدین کو اردو پیغام (میسج) کو انگریزی رسم الخط میں لکھنے سے سختی سے منع فرماتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا کرتا ہے یہ اس کی شخصیت کی کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میرا جو مرید اردو

پیغام (میسج) کو انگریزی (رومن) رسم الخط میں بھجواتا ہے تو میرے یہاں سے اس کے خصوصی نمبر کاٹ لئے جاتے ہے۔ایک دفعہ حضرت نے اپنے خلیفہ ڈاکٹر طارق صاحب سے فرمایا کہ آپ لوگوں نے میرے لئے نیا موبائل لیا ہے اس میں اردو رسم الخط کے دو تین حروف نہیں ہیں جس سے مجھے لکھائی میں تکلیف ہوتی ہے۔ڈاکٹر طارق صاحب نے کہا کہ میرے پاس بھی یہی موبائل ہے اسی وجہ اب اردو کی بجائے انگریزی میں پیغام لکھتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ انگریزی میں پیغام لکھنے کو تو میں گالی سمجھتا ہوں اور ایسے سمجھتا ہوں کہ کلہاڑی میں نے اپنے پیر پر خود ماری۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ آپ کسی غیر قوم کی زبان بلا اشد ضرورت کے بول رہے ہوں تو گویا آپ اس کی برتری کا بندوبست کر رہے ہیں اور اس کی برتری کو تسلیم کر رہے ہیں اور اپنے ذہنی غلامی اور اپنا گھٹیا پن ظاہر کر رہے ہیں کہ میں گھٹیا ہوں اور یہ بڑھیا ہے آپ کسی قوم کا لباس اختیار کر رہے ہو تو گویا آپ اس کی برتری کا اعتراف کر رہے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ ترکی میں اسلامی خلافت کے خاتمے کے بعد کمال اتاترک نے دین اسلام پر وار کرنے کے لئے اور اسلام کے ابدی صداقتوں کو مٹانے اور اس کے تہذیبی فصیلوں پر وار کرنے اور ضرب لگانے کے لئے سب سے پہلے عربی رسم الخط کو رومن رسم الخط میں تبدیل کر دیا۔قطب الارشاد مولانا اشرف خان صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بنگلہ دیش تو اس وقت ہم سے جدا ہوا تھا جب انگریز نے آتے ہی بنگالی زبان کی رسم الخط کو ہندی رسم الخط میں تبدیل کر دیا۔

اندلس میں عیسائیوں کے قبضے کے بعد مسلمانوں کے لئے عربی زبان بولنے لکھنے،

اس کا حوالہ دینے یا اسے کسی بھی حوالے سے کام میں لانے کو اہل اندلس کے لئے مکمل طور پر ممنوع قرار دیا گیا تھا۔حتیٰ کہ ان کے لئے اسلامی لباس پہننا یا عربی نام رکھنا بھی ایسا جرم قرار دیا گیا کہ جس کی سزا زندہ جلا دیا جانا تھا۔ان کے لئے لازم قرار دیا گیا کہ اپنے عربی ناموں کو از خود مسیحی ناموں میں تبدیل کر لیں اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو انھیں ہر طرح کی سزا کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

ہمارے دل و دماغ میں یہ بات پوری قوت وشدت کے ساتھ بٹھائی جا رہی ہے کہ ہماری ترقی میں اصل رکاوٹ اردو زبان ہے اور جب تک اپنے تعلیمی و تربیتی اداروں اور سرکاری دفاتر سے اسے بالکل نکال نہ دیں تب تک ہم ترقی نہیں کر سکتے۔پاکستان بننے سے لے کر ۷۰ سال گزرنے کے باوجود آج تک ہماری قومی اور رابطہ کی زبان اردو کو دفتری و تدریسی زبان کے طور پر انگریزی زبان کی جگہ نافذ نہیں کیا جا سکا۔اس غیر زبان کے سیکھنے اور سکھانے پر بے پناہ سرمایہ، وقت اور توجہ صرف کی جا رہی ہے۔نتیجہ میں قومی زبان دن بدن کمزور و پامال ہو رہی ہے اور کافروں کا فکر اور فلسفہ اور زبان و بیان کا غلبہ ہمارے قلوب و اذہان میں راسخ ہو گیا۔یورپ عالم اسلام کو نہ صرف عسکری لحاظ سے بلکہ تہذیبی اور زبان و ادب کے لحاظ سے بھی سرنگوں رکھنا چاہتا ہے۔انگریزی زبان کی اہمیت وضرورت اپنی جگہ، دین کا کام کرنے والوں اور دنیوی ترقی کے متلاشیوں کے لئے بھی اسے سیکھنا چاہیے۔ لیکن ضرورت اور مرعوبیت میں بڑا فرق ہے۔یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قومیں اور تہذیبیں اپنی زبان، اپنے تشخص اور امتیازی تعلیمات سے زندہ رہتی ہیں جب کوئی قوم اپنا تشخص اور اپنی زبان کھو بیٹھتی ہے، اسے ماضی کا حصہ بننے میں دیر نہیں لگتی۔اس لئے مسلم دانشوروں، مفکرین اور مبلغین کو مسلم معاشرے کے اس زاویہ کی اصلاح کی فکر بھی کرنی چاہیے۔

مذہبی غیرت اور دینی حمیت اور بائیکاٹ:

جہاں تک علم کے حروف ونقوش، کتابی معلومات اور فنی تحقیقات کا تعلق ہے ان کے شناوروں کی اب بھی زیادہ کمی نہیں اور شاید آئندہ بھی نہ ہو۔لیکن جہاں تک دینی حمیت و غیرت کا تعلق ہے تو یہ چیز خال خال ہی ملتی ہے اور شائد یہ امتیازی وصف حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی خانقاہی زندگی ہی کو حاصل ہے۔ جناب رسول ﷺ کے ساتھ ایک محبت کا تعلق ہوتا ہے اور دوسرا غیرت کا، اور حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ میں یہ دونوں صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔دین کے معاملے میں آپ کسی لچک کے روادار نہیں۔

ڈنمارک والوں نے جب گستاخانہ خاکے شائع کئے اور ناروے والوں نے نہ صرف ان کی حمایت کی بلکہ گستاخی کرنے والوں کو سیکورٹی بھی فراہم کی۔تو اس پر حضرت نے اپنے مریدین کو ناروے کی ٹیلی نار موبائل سم کا استعمال کرنے سے سختی سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا میرا جو مرید بھی ٹیلی نار سم استعمال کرتا ہے وہ ہماری مجالس میں نہ آئے۔

اسی طرح جب سے دنیائے اسلام پر کفر کی یلغار ہوئی اور افغانستان اور عراق میں تھوک کے حساب سے مسلمانوں کا کشت وخون ہوا اور حضرت نے یہ دیکھا کہ کافر کی معیشت کا اچھا خاصا دارومدار دنیائے اسلام پر ہے کیونکہ ہم لوگ ان کی مصنوعات کو بے دریغ خریدتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ان میں سے بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو زندگی کے لئے ناگزیر ہوں کہ جن کے بغیر وقت نہ گزر سکے۔جن حضرات کو جدید معیشت کا مطالعہ نہ ہو تو وہ معاشی قوت اور معاشی جنگ (Economic War) کے سمجھنے کے بارے میں معذور ہیں، مغرب ان تمام مسلم ریاستوں کو اپنے کافرانہ معیشت ومعاشرت کے عالمی اداروں کی محتاجی اور انہیں سے وابستہ سودی قرضوں کے چنگل میں بری طرح گرفتار اور معاشی غلامی

میں جکڑنا چاہتا ہے وہ عالم اسلام کو اپنا دست نگر بنانا چاہتا ہے۔اس تناظر میں حضرت نے اہل کفر کے مصنوعات کی معاشی بائیکاٹ کی ترغیب دی اور پیپسی ،سیون اپ ،کوکا کولا ، ڈیو، سپرائٹ ،شیزان ، لیور برادرز، یونی لیور برادرز کی تمام مصنوعات کے استعمال کو سختی سے منع فرماتے ہیں۔حضرت فرماتے ہیں کہ مطلق کافر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک حربی کافر اور دوسرا غیر حربی کافر ۔حربی کافر وہ ہوتا ہے جس نے دنیائے اسلام پر یلغار کی ہو اور مسلمانوں کا خون بہایا ہوان سے بائیکاٹ اسلام سے محبت اور وفا کی نشانی ہے۔

یہودیوں کی ملٹی نیشنل کمپنی نیسلے (Nestly) دودھ،نیسلے جوس، نسلے منرل واٹر کے استعمال کو بھی پسند نہیں فرماتے ہیں۔ایک دفعہ ایک شخص کسی مریض کے لئے نسلے کمپنی کا پانی دم کے لئے لے آیا۔حضرت کو بہت غصہ آیا اور اپنے ایک مرید سے کہا کہ جاؤ اور اس بوتل کو زمین پر اس زور سے دے مارو کہ اس کی آواز اسرائیل تک پہنچ جائے ۔اور اس شخص سے فرمایا کہ چندہ تو اسرائیل کے یہودیوں کو دے دیا اور پانی میرے پاس دم کرنے کیلئے لے آئے۔نسلے پانی کی بوتل خرید کر اس کا سارا منافع تو یہودی کمپنی کو پہنچا دیا۔

ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے تھے تو واپسی پر ساتھیوں نے کورین کمپنی کے ڈائیو بس کا ٹکٹ خریدنا چاہا۔حضرت نے فرمایا کہ میں عام بس میں سفر کرونگا۔مریدوں نے کہا کہ حضرت اس بس میں سہولیات زیادہ ہوتی ہیں اور فلاں پیر صاحب کے خلیفہ بھی اس میں سفر کرتے ہیں۔حضرت نے فرمایا کہ دیکھو بچو! مسلمانوں کے بس میں دھکے کھانا پسند ہے لیکن کافروں کے بس میں ہرگز نہیں جاؤنگا۔

جنوبی افریقہ کے سفر پر تھے تو جب دارالعلوم زکریاؒ کے احباب نے تازہ پھلوں کا جوس پیش کیا تو بہت خوش ہوئے کہ خدا کا شکر ہے کہ ان کا احساس زندہ ہے اور پیپسی نہیں پلائی۔

جب برطانیہ کے سفر پر تھے تو اس سفر میں ایک پیسے کی چیز بھی ان کے بازاروں سے

نہیں خریدی اگر چہ ساتھیوں نے کوشش کی تھی کہ حضرت کو کسی بڑے سٹور میں لے جا کر حضرت کے لئے کچھ چیزیں خریدیں مگر حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے پھیلانے کے لئے آیا ہوں۔ میں یہاں کافر ملک کی چیزیں خریدنے نہیں آیا آپ لوگوں کے جیب میں جو پیسہ ہے وہ اہل اسلام کی امانت ہے۔

اپنے گاڑی میں کبھی بھی یہودیوں کی شل (Shell) کمپنی کا تیل نہیں بھرواتے اور حضرت کے مریدین بھی زیادہ تر پاکستان سٹیٹ آئیل (PSO) کا تیل بھرواتے ہیں۔

یہودی مشروبات کے مقابلے میں حضرت نے جوس کا ایک کارخانہ خود اپنے گھر ہی میں لگایا اور فقیر نے خود حضرت کو اپنی گاڑی میں دکانداروں کو جوس کے کارٹن پہنچاتے دیکھا ہے۔ بعد میں وہ کارخانہ معاشی لحاظ سے کمزور اور ایک ضرورت مند مرید کے حوالے کر دیا حضرت نے اپنے کئی مالدار مریدین سے بھی مشروبات کے کارخانے لگوائے۔ فرمایا کرتے ہیں میں اس طرف لوگوں کی رجحان پیدا کرنے کیلئے ان کو ایک نمونہ دکھلانا چاہتا ہوں۔ راقم الحروف فقیر اکثر یہ سوچتا کہ اگر حضرت ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیات نہ ہوتیں تو پھر اس گلّے کو تو بھیڑئیں کھا جائیں۔ کفر تو اسلحے کے میدان میں بھی آگے ہے اور معیشت پر بھی قابض ہے۔ پڑھنے والوں کے لئے ان واقعات میں بڑی عبرت کی چیزیں موجود ہیں۔

ڈنمارک میں جب گستاخانہ خاکے شائع ہوئے تو لوگ سڑکوں پر احتجاج کے لئے نکل آئے (اور نکلنا بھی چاہئے تھا) حضرت فرماتے کہ ایک عارضی قسم کا احتجاج ہوتا ہے لیکن ایک اور احتجاج جو سب سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور وہ ان کا معاشی بائیکاٹ ہے۔

راقم الحروف نے سنا کہ برونائی دارالسلام کے فرمانروا حسن البلقیہ صاحب نے جب یکم مئی ۲۰۰۸ میں مرحلہ وار اسلامی قوانین وسزائیں نافذ کرنے کا اعلان کیا تو ردعمل میں امریکی ریاست میں موجود برونائی دارالسلام کی دو بڑے بڑے ہوٹلوں کا امریکہ کی معروف

سماجی، صنعتی اور تجارتی شخصیات نے بائیکاٹ کر دیا اور نہ صرف برونائی دارالسلام کے مصنوعات کا بائیکاٹ کیا بلکہ مسلمان ممالک خصوصاً عرب اور خلیجی ممالک کے مصنوعات بھی امریکہ کے بڑے بڑے بازاروں اور شاپنگ سنٹروں کی الماریوں میں سجی سجائی خراب ہوئی لیکن ان لوگوں نے اس وجہ سے ان کی خریداری نہیں کی کہ برونائی میں اسلامی قوانین کا نفاذ کیوں کیا۔ یہ اس بے دین اور کافر قوم نے ایک سوچ کے تحت ان مسلمان ممالک کا بائیکاٹ کیا تھا۔

مندرجہ بالا واقعات کے تناظر میں جب مسلمان کے دردمند دانشوروں نے اہل کفر ممالک کی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے بعد عام دنیادار مسلمانوں کو چھوڑتے ہوئے دیندار لوگ ملکوں میں تبلیغی چلے کاٹنے والے امیر صاحبان اور علماء کو دیکھا گیا کہ انتہائی بے احتیاطی سے ان سب چیزوں کو استعمال کر رہے ہیں اور ساتھ تبلیغی امیر صاحبان کا جواب یہ تھا کہ لوگ بے نماز مر رہے ہیں اور ان کو پیپسی پینے نہ پینے کی فکر ہے یہاں پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وہ مشہور فتویٰ جو انہوں نے دیا تھا جب فلسطین کے ناسمجھ، سست، عیاش اور بے راہ رو مسلمانوں نے یہودیوں پر اپنی زمینیں بیچنی شروع کر دی تھی، وہاں کے دردمند اور سمجھدار مسلمانوں نے اس کے بارے میں بہت چیخ و پکار کی اور ایک استفتاء جامعۃ الازہر سے کیا اور ایک دارالعلوم دیوبند سے۔ دیوبند والوں نے یہ استفتاء حضرت تھانویؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت تھانویؒ نے اپنے فہم و فراست کی بناء پر فرمایا کہ یہودی آج منہ مانگی قیمت پر فلسطین کی زمینیں خرید رہے ہیں تو کل کو یہ یہاں پر اپنی ریاست کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان کا یہودی کے ہاتھ زمین فروخت کرنا جائز نہیں جبکہ جامعۃ الازہر والوں نے غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت کے جواز کی بناء پر سادہ سا فتویٰ دے دیا کہ فلسطین کے مسلمانوں کا یہودی کے ہاتھ زمین فروخت کرنا جائز

ہے۔اہل فلسطین نے معمولی دنیاوی مفاد کی خاطر الازہر والوں کے فتویٰ پر عمل کیا اور حضرت تھانویؒ کے فتویٰ کو چھوڑ دیا۔

یہ فتویٰ ۱۹۱۶ء میں دیا گیا۔اس کے ٹھیک ۳۲ سال بعد ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں اسرائیلی ریاست بن گئی۔

متاع کارواں کے ساتھ کارواں کے دل سے احساس زیاں بھی رخصت ہورہا ہے۔

ضرب مومن اور روزنامہ اسلام حضرت تھانویؒ کے تجدیدی کارناموں کا تسلسل:

موجودہ زمانہ میں صحافت کی باگ ڈور مغربیت سے مرعوب ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جن کی پوری تاریخ اسلام دشمنی سے عبارت ہے۔ان لوگوں کے زیرادارت چلنے والے اخبارات ورسائل میں نہ صرف عورتوں کی نیم برہنہ عریاں تصاویر بلکہ غیر محسوس طریقے سے اسلام سے برگشتہ کرنے والی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں۔

جب تک ''ضرب مؤمن'' اور روزنامہ ''اسلام'' کا اجراءنہیں ہوا تھا،حضرت اپنے مریدین کو تصویروں والے اخبارات مدارس،اداروں اور اپنے گھروں میں لے جانے سے سختی سے منع فرماتے تھے۔جب خواص اپنے مدارس اور خانقاہوں میں تصویروں والے اخبار پڑھنے کیلئے لے جاتے تو اس پر حضرت بہت دکھی ہوتے،حضرت مدظلہ نے فرمایا ''غیرت والا آدمی فحش تصویر والے ان اخبارات کو گھر لے جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا اسی وجہ سے میں نے ان بغیر تصویر والے اخبار ضرب مؤمن اور روزنامہ اسلام کے لئے مسلسل بیس سال تک اللہ کے حضور دعائیں مانگی تھی''۔اپنے سب مریدین کو دوسرے اخبارات کی بجائے ان ہی کو پڑھنے کی تاکید فرماتے ہیں۔حضرت کی چاہت رہی ہے دین دار عوام اور مقتداء دین ان اخباروں کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لیں۔حضرت فرماتے ہیں کہ ایک مجدّد کے تجدیدی کارناموں کے اثرات دین کے تمام شعبوں پر پڑتے ہیں۔حضرت ان

اسلامی اخبارات و رسائل کو مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے ذریعے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تجدیدی کارناموں کا تسلسل سمجھتے ہیں۔

ایک دفعہ ضرب مؤمن اور روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے مضامین کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہر قسم کے ملکی اور غیر ملکی اخبارات و جرائد اور الیکٹرانک میڈیا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے آدمی عالم اسلام کے خلاف ہونے والے سازشوں سے باخبر رہتا ہے۔ تصاویر اور غیر شرعی اشتہارات سے پاک ان اخبارات و جرائد نے ثابت کر دیا کہ منکرات کے بغیر اخبارات و جرائد کامیابی سے نکالے جا سکتے ہیں۔

فقیر کا حضرت کے ساتھ تعلق:

ہمارے گاؤں کے قریب ایک ندی بہتی ہے اس کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر پرانی سی ایک غیر آباد مسجد آباد تھی۔ مالکان کی نقل مکانی کی وجہ سے مسجد غیر آباد اور ویران ہو گئی تھی۔ مسجد کے ارد گرد خاردار جھاڑیاں اور خودرو پودے بکثرت اُگے ہوئے تھے۔ ٹیلے اور مسجد کے نیچے ندی کے آس پاس بھی کافی زمین بنجر اور غیر آباد پڑی تھی۔ کہتے ہیں کہ مسجد ۲۸ سال سے غیر آباد ہو چکی تھی، دل میں مسجد کو دوبارہ آباد کرنے کا خیال آیا۔ یہ ۲۰۰۳ء کے اوائل کی بات ہے کہ اپنے دوست الطاف سے مشورہ کر کے اس مسجد کو دوبارہ آباد کرنے کی کوشش شروع کی۔ مالکان نے بخوشی اجازت دے دی مسجد کو گند و غلاظت سے پاک کیا خاردار جھاڑیوں اور پودوں سے زمین صاف کر دی اور ایک مدرس کا بندوبست کر کے اس میں بچوں کا مدرسہ شروع کیا۔ اخراجات کیلئے ساتھیوں نے اپنے دوست احباب کے ذمہ ۵۰،۵۰ روپے ماہوار مقرر کیئے لیکن وقت آنے پر سب نے دینے سے معذرت کر دی دل پر ایک

چوٹ سی لگی اور فیصلہ کیا کہ اپنے جیب سے اگر ہو سکے تو ٹھیک ورنہ کسی سے مزید مطالبہ نہیں کرونگا اللہ تعالیٰ نے کچھ عرصہ بعد اس کا بھی بندوبست کر دیا۔

مرد درویش:

مدرسہ کو شروع ہوئے ابھی شاید تین چار مہینے یا اس سے کچھ زائد کا عرصہ گذرا ہو گا کہ اس دوران میری اہلیہ نے ایک کتاب ''مرد درویش'' کسی رشتہ دار کے گھر سے لا کر پڑھنے کے لئے دی۔ فقیر راقم الحروف کا سارا خاندان شروع ہی سے دیو بندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا چلا آ رہا ہے دادا مرحوم پہلے جمعیت العلمائے ہند میں تھے بعد میں جب مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے جب جمعیت العلمائے اسلام کی بنیاد ڈالی تو اس میں شامل ہو گئے اور حصول آزادی اور تحریک پاکستان کے جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا مولانا محمد علی جوہر جب لوند خوڑ آئے تھے تو دادا مرحوم نے انھیں سپاس نامہ پیش کیا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں حاجی محمد امین صاحبؒ کے ہمراہ جہاد کشمیر میں شریک ہوئے، والد صاحب مرحوم کی بھی قلبی وابستگی جمعیت علماء اسلام کے ساتھ تھی مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے تو عاشق تھے انکے قصے اکثر سنایا کرتے تھے۔ مفتی محمودؒ کے ساتھ بھی عقیدت و محبت تھی، دارالعلوم حقانیہ کا ماہنامہ الحق بھی باقاعدگی کی ساتھ ہمارے گھر آتا تھا ماموں صاحب نے گاؤں میں شاہ ولی اللہؒ کے نام سے ایک لائبریری قائم کی تھی اور یہ اصول بنایا تھا کہ لائبریری سے کتاب لینے والا، کتاب پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز کے بعد ایک مجلس منعقد ہو گی اس میں کتاب کا خلاصہ یا کوئی اہم اقتباس بیان کرنا ہو گا۔ راقم الحروف نے بھی احادیث مبارکہ کی ایک کتاب مطالعہ کیلئے لی پھر جمعہ کے دن اس مجلس میں دو احادیث زبانی سنا دی دوسرے ہفتے غالباً ''یورپ کے سنگین مجرم'' اکابر دیو بند کی انگریزوں کے خلاف جدوجہد کے بارے میں ایک کتاب تھی اسے پڑھنے

کے لئے گھر لے گیا اور خوب یاد ہے کہ شیخ الہندؒ اور حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں تقریر کی۔ راقم الحرف اس وقت پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ بچپن ہی سے اکابر دیوبند کی محبت دل میں پیوست ہو گئی تھی۔ وقت گزرتا گیا اور دل میں اصلاح کی نیت سے کسی سے بیعت ہونے کا داعیہ بار بار پیدا ہوتا رہا۔

''مرد درویش'' دو یا تین نشستوں میں مطالعہ کر لی۔ یہ کتاب حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب نے اپنے شیخ حضرت مولانا محمد اشرفؒ کے حالات زندگی پر لکھی ہے۔ کتاب اتنی پرتاثیر ہے کہ دل کی کایا پلٹتی ہے۔ بعد میں ڈاکٹر شاکر صاحب نے بتایا کہ جب حضرت ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب لکھ دی تو خواب میں مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور مجھے بتایا گیا کہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب قبول ہو گئی۔

راقم فقیر نے حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اصلاحی تعلق قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس بات کی معلومات حاصل کیں کہ آپ کی خانقاہ پشاور یونیورسٹی میں ہے۔ اور روزانہ اور ہفتہ وار مجالس کے علاوہ مدینہ مسجد (پشاور یونیورسٹی) میں ایک ماہوار اجتماع کراتے ہیں، چنانچہ تاریخیں معلوم کر کے اجتماع میں شرکت کے لئے چلا گیا رات ادھر گزار کر صبح کی مجلس میں بیعت ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد مدرسہ میں طلباء کے ختم القران کی تقریب کے سلسلے میں حضرت پہلی دفعہ لوندخوڑ تشریف لائے۔ راقم نے حضرت سے مدرسے کی سرپرستی اور لوندخوڑ میں ششماہی اجتماعات کے لئے عرض کیا، حضرت نے شفقت کا معاملہ فرما کر قبول فرمالیا، ابتدائی چند سالوں تک تو سہ روزہ اجتماعات کی ترتیب مقرر تھی لیکن بعد میں حضرت کی مصروفیات بڑھ جانے کی وجہ سے صرف ۲۴ گھنٹے کی ترتیب مقرر کی۔

چندہ:

حضرت نے راقم کو مروجہ طریقوں پر چندہ کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ لوگوں سے مانگنے کی بجائے اللہ پاک سے مانگنا چاہئے۔ایک دفعہ راقم نے بتایا کہ مدرسہ کی ضروریات پوری ہونے کے لئے کم از کم آدھا گھنٹہ دعا مانگتا ہوں تو اس پر بہت خوش ہوئے۔حضرت فرماتے ہیں کہ مدارس، دینی ادارے اور تحریکیں تو سحر گاہی اور نیم شبی نالوں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری سے ہی چلتی ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی طبیعت میں زہد و استغنا اور خودداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔آپ جس زاہدانہ شان کے ساتھ زندگی گزار رہیں ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔باوجود اس کے کہ عرب و یورپی ممالک میں آپ کے متوسلین موجود ہیں لیکن اپنے اداروں اور دینی مدارس کے لئے ان سے چندے کی اپیل کرنا آپ کے لئے شاق ہے۔ اکابر کی صحبت کا اثر ہے کہ ملک کے دور دراز علاقوں سے لوگ آپ کو بیانات کے لئے بلاتے ہیں لیکن آپ ہمیشہ اپنے ہی خرچ پر جاتے آتے ہیں۔

تلاوت اور نعت خوانی:

مسلمانوں کی مجالس کا آغاز قرآن کے تلاوت اور نعت سے ہوتا ہے۔لیکن آج کل مصر اور ایران کے سٹیج کے مشہور قاریوں کے طرز پر تلاوت کرنا ہمارے ہاں بھی رواج پا گیا ہے، جو کہ محققین کے نزدیک تجوید اور قراءت کے اصولوں سے ہٹ کر ایک غیر مسنون طریقہ ہے۔حضرت ڈاکٹر صاحب اس طریقے کو پسند نہیں فرماتے۔

ایک دفعہ ہمارے مدرسے کے ششماہی اجتماع میں شیر گڑھ مدرسے کے حفظ کے استاد قاری کریم خان صاحب نے تجوید کے قاعدوں سے مزین بغیر کسی بناوٹی لہجہ کے سادہ طریقے سے تلاوت کی تو حضرت اس پر بہت خوش ہوئے اور اس کو بہت سراہا۔

اسی طرح نعت پڑھنا بھی جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک اظہار ہے۔لیکن آج کل نعت خوانی میں بھی غیر معیاری طریقے رواج پا رہے ہیں،ایک محفل میں راقم بیٹھا ہوا تھا کہ نعت خوان کے نعت پڑھنے کے بعد ایک لڑکے نے دوسرے کو بتایا کہ ہندوستان کے فلاں گانے کے طرز پر نعت پڑھی یہ ایک عام آدمی کا تبصرہ تھا،سوچنا چاہیے کہ یہ ہم نعت کی توہین نہیں کر رہیں کہ ایک عام آدمی کے تبصرے کے مطابق گا گا کر نعت پڑھتے ہیں۔جناب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بھی نعت خوانی ہوتی تھی اور حسان ابن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ منبر رسول پر بیٹھ کر نعت پڑھتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے مجالس میں بھی نعت خوانی ہوتی ہے اور راقم نے عام دنیاداروں کو دیکھا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں کی لڑیاں جاری ہوجاتی ہے۔

بجلی چوری:

بجلی کی چوری پورے قوم کا ایک المیہ بن چکا ہے بجلی چوروں کی وجہ سے اس کا خمیازہ پورے قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔حضرت تو جب کسی کو بیعت کرتے ہیں تو اس بات کی بیعت بھی لیتے ہیں کہ اور گناہوں کے علاوہ بجلی کی چوری بھی نہیں کرونگا،اس کا اثر حضرت کے تمام مریدوں میں آیا ہے ایک ساتھی تنویر صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ بہت سخت گرمیوں میں ہمارے میٹر میں کوئی مسئلہ پیش آیا،مقامی لائن مین نے کہا کہ کنڈے لگاؤ واقعی چھوٹے بچوں کو بھی بہت تکلیف تھی مگر حضرت ڈاکٹر صاحب کے تعلیمات کے بدولت تکلیف تو برداشت کر لی لیکن اللہ پاک نے بجلی کے چوری سے بچالیا،حضرت صاحب کے مرید ڈاکٹر اسماعیل صاحب ای این ٹی اسپشلسٹ نے ایک دفعہ راقم الحروف کو بتایا کہ سخت سردیوں کے موسم میں ایک جگہ قیام پذیر تھا،ایک ساتھی وضو کے لئے ہیٹر سے گرم کیا ہوا پانی لایا کرتا

تھا مگر کسی نے بتایا کہ ان کی بجلی چوری کی ہے، اس لئے میں نے اس گرم پانی سے وضو کرنا چھوڑ دیا۔

پڑوسیوں کے ساتھ رویہ:

جدید زندگی نے جہاں ہماری بہت سی قدریں بدل ڈالی ہے وہاں پڑوسی کی اہمیت کا تصور بھی بری طرح دھندلا دیا ہے۔ اب تو شہروں میں مدتوں تک پاس رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے ناواقف رہتے ہیں۔ ہمارے مذہب نے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں بہت زور دیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن وضو فرمایا تو آپ ﷺ کے صحابہ وضو کا پانی لے کر (اپنے چہروں اور جسموں) پر ملنے لگے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کون سی چیز تمہیں اس بات پر آمادہ کر رہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے محبت کرے تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے تو سچ بولے، جب کوئی امانت اس کے پاس رکھوائی جائے تو اس کو ادا کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرے۔'' (بیھقی، مشکواۃ، منتخب احادیث)

کتابوں میں ایک بزرگ ابوحمزہؒ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ بغداد کے ایک محلے میں رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے اپنا مکان بیچ کر کسی دوسرے محلے میں منتقل ہونے کا ارداہ کیا۔ خریدار سے معاملہ بھی تقریباً طے ہوگیا۔ اتنے میں پڑوسیوں اور محلّہ والوں کو پتہ چلا کہ وہ اس محلّہ سے منتقل ہو کر کسی دوسری جگہ بسنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ محلّہ داروں کا ایک وفد ان کے پاس آیا اور منت سماجت کی کہ وہ محلّہ نہ چھوڑے۔ بالآخر انہوں نے محلّہ چھوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

قرآن وسنت کی تعلیمات کے سایہ میں جو معاشرہ پروان چڑھتا ہے، اس میں پڑوسی کی ایک حیثیت ہوتی ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بھی آس پاس کے رہنے والوں کے حق میں ایک بہترین پڑوسی ثابت ہوئے ہیں۔ خوشحال صاحب جو حضرت ڈاکٹر صاحب کے پڑوسی بھی ہے اور کرایہ دار بھی، نے ایک دفعہ راقم الحروف سے کہا کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ حضرت نے مجھ سے کبھی گھر کا کرایہ خود طلب کیا ہو۔ جس وقت میرے پاس بندوبست ہو جاتا ادا کر دیتا۔ حضرت کے گھر میں جنریٹر لگا ہوا ہے۔ مجھ سے بھی فرمایا کہ تم بھی اپنے گھر کے لئے اس سے کنکشن لے لو۔

ایک دفعہ کسی تحقیق کے سلسلے میں خوشحال صاحب کو تھانے جانا پڑا۔ ساتھیوں نے بتایا کہ جب حضرت ڈاکٹر صاحب کو پتہ چلا تو اتنے پریشان ہوئے کہ بے چینی کی حالت میں کبھی باہر نکلتے اور کبھی اندر۔ گویا اس کے گھر کا کوئی فرد تکلیف میں ہو۔

مولانا بلال صاحب تقریباً دو سال تک حضرت کے پڑوسی اور کرایہ دار رہے۔ اس کی والدہ جب تک اس کے ساتھ رہتی رہی تو والد صاحب جو کہ دوبئ میں مزدوری کرتے تھے، گھر کے اخراجات کے لئے پیسے بھجواتے رہے لیکن جب والدہ واپس گاؤں چلی گئی تو والد صاحب نے پیسے بھجوانا بھی بند کر دیئے، تو پھر ان کیلئے بارہ ہزار کا کرایہ ادا کرنا مشکل ہو گیا اس لئے حضرت سے عرض کیا کہ تنگدستی کی وجہ سے بروقت کرایہ ادا کرنا میرے لئے مشکل ہو گا۔ حضرت نے فرمایا فکر نہ کیا کرو آپ مجھ پر بوجھ نہیں ہو۔ بلال صاحب کہتے ہیں کہ گھر چھوڑنے کے بہت عرصہ بعد حضرت کا کرایہ قسط وار ادا کر دیا۔

جانوروں پر رحم:

حضرت ڈاکٹر صاحب پشاور جیسے ماحول میں بھی رہتے ہوئے گائے، بکری پالتے ہیں۔ ان کے لئے کھیت سے گھاس کاٹ کر لانا، دودھ دوہنا، وقت پر چارہ ڈالنا، بیماری کی

صورت میں ان کے دوا دارو کا بندوبست کرنا، یہ سب کچھ حضرت پہلے خود کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر قیصر صاحب کہتے ہیں کہ جب حضرت ڈاکٹر صاحب گھاس کاٹنے جاتے تو میں بھی کبھی کبھی ان کے ساتھ عصر کے وقت جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ گھاس کاٹنا تو مجھے آتا نہیں تھا تو کھیت کے منڈیر پر بیٹھ جاتا اور ڈاکٹر صاحب شغل کاٹتے اور میں ان کے ساتھ باتیں کرتا۔ لیکن جب حضرت ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات بڑھ گئیں تو جانوروں کی خدمت کے لئے تنخواہ پر ایک خادم کا بندوبست کر دیا۔ خادم کو حضرت ڈاکٹر صاحب کی یہ ہدایات ہوتی تھی کہ بے زبان جانور ہے، ان کے چارے پانی کا وقت پر انتظام کیا کرو۔ ان کے بیمار ہونے پر بروقت ڈاکٹر سے رابطہ کیا کرو۔ ایک دفعہ ایک بکری بیمار تھی جس کی وجہ سے مرگئی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کو پتہ چلا کہ خادم نے بروقت ان کو دوائی نہیں دی تھی۔ حضرت اس پر بہت خفا ہوئے اور خادم سے کہا کہ فوراً تین روزے رکھو اور صلوٰۃ توبہ پڑھو ایسا نہ ہو کہ بے زبان جانور کو تکلیف دینے پر اللہ پاک کی پکڑ آجائے۔

صاحب علی حضرت کے خادم ہے کہتے ہیں کہ ہماری گائے کو ایک قسم کی بیماری لگ گئی۔ اس کے جسم پر اسپرے کرانے کی ضرورت تھی مرغیوں کو ایک پنجرے میں بند کیا تاکہ اسپرے کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ گرمیوں کا موسم تھا اور مجھے ان کا آزاد کرنا یاد نہ رہا۔ گرمی کی وجہ سے وہ سب مرغیاں مرگئیں۔ ڈاکٹر صاحب بہت ناراض ہوئے کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے بے زبان جانوروں اتنی اذیت کی وجہ سے مرگئیں۔ لہٰذا اس پہ توبہ کر کے اب تین دن روزے رکھو۔

سہیل صاحب کہتے ہیں کہ حضرت کی گائے گابھن تھی اور بچھڑا جننے کے دن قریب تھے۔ رات کو گائے کی آواز سن کر حضرت کے بیٹے ڈاکٹر وقار صاحب نے مجھے بھی جگایا۔ جب ہم وہاں گئے تو گائے نے بچھڑا دیا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت بھی پہنچ گئے۔ جلدی سے

دوائی لے آئیں اور کافی دیر تک ہمارے پاس گائے کی خدمت کے لئے رہے جب ان کو خوب تسلی ہوگئی تب گھر تشریف لے گئے حالانکہ خدمت کے لئے ہم دونوں کافی تھے۔

حضرت صاحب کے صاجبزادے ڈاکٹر وقار صاحب ایک دفعہ گائے کو پانی پلا رہے تھے پانی کی بالٹی کیچڑ سے آلودہ تھی تو حضرت نے فرمایا کہ آپ خود گندے برتن میں پانی پیتے ہو جو اس کو پلا رہے ہو۔

ایک دفعہ سفر سے واپسی پر خانقاہ کے قریب ایک کتا آپ کی گاڑی سے ٹکرا گیا تشریف لانے کے فورا بعد ایک خادم سے فرمایا کہ جاؤ پتہ کرو کتا زخمی تو نہیں ہو گیا ہے۔ جب خادم نے واپس آ کر بتایا کہ حضرت کتا بالکل ٹھیک تھا تب حضرت کو اطمینان ہوا۔

ایک دفعہ حضرت کا بیٹا موٹروے پر گاڑی چلاتے آ رہا تھا کہ ایک بلی کو بچاتے ہوئے ان کی گاڑی الٹ گئی انکے بیٹے وقار صاحب کو تو اللہ پاک نے بچالیا لیکن گاڑی کو بہت نقصان پہنچا اور غالبا ۳ لاکھ روپے اس کی مرمت پر خرچ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ کے مخلوق کو بچانے کے لئے دس لاکھ روپے بھی خرچ ہوتے تو مجھے کوئی افسوس نہیں تھا۔

غریب دیہاتیوں کا حق ہے:

ڈاکٹر صفدر صاحب کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ بیان کے لئے ہمارے گاؤں (لکی مروت) تشریف لائے بیان سے پہلے ہم نے چائے کے ساتھ پشاور کی ایک مشہور بیکری کے کیک اور بسکٹ وغیرہ پیش کئے حضرت نے چائے کے دوران مجھے بلایا اور فرمایا کہ ان مٹھائیوں اور کیک کو دیکھ کر دل خوش نہیں ہوا، اس کی جگہ اگر آپ گاؤں کی دیسی مرغی کے انڈے سے تواضع کرتے یہ اچھا ہوتا کیونکہ بیکری کے مالکان کا فائدہ شہر والے لوگوں کو جا رہا ہے جو اکثر عیش وعشرت اور فسق و فجور کے کاموں پر خرچ ہوتا ہے۔ جب کہ انڈے آپ کسی غریب دیہاتی سے خریدتے ہیں جس کا پیسہ بنیادی

ضروریات اور عمومی تقوی والی زندگی پر خرچ ہوتا ہے۔ ہمارہ نعرہ شاہ ولی اللہؒ والا فک کل **نظام** ہے۔ اور یہ بائیکاٹ کفار اور حربی کافروں سے شروع ہوتا ہے لیکن دیندار مسلمان اور فاسق مسلمان کے درمیان آتا ہے۔

اللہ کے غیر کے سامنے کیوں کھڑے ہو گئے:

پروفیسر ندیم صاحب نے ایک دفعہ راقم الحروف کو بتایا کہ لکی مروت میں حضرت کا بیان مغرب تا عشاء طے پایا تھا۔ راستے میں مختلف جگہوں پر ہجوم میں پھنسنے کی وجہ حضرت کا وقت پر پہنچنا دشوار ہو گیا۔ مغرب کے بعد بیان حاجی حسن خان صاحب مدظلہ نے شروع کیا۔ صفدر صاحب حضرت کے ساتھ بطور رہبر گاڑی میں بیٹھے تھے کہ دوران بیان ان کا فون آ گیا کہ میں راستے میں غلط ہو رہا ہوں آپ رہنمائی کے لئے فلاں جگہ کھڑے ہو کر انتظار کریں۔ جب حضرت پہنچے اور ان کو پتہ چلا کہ حسن خان صاحب کا بیان ہو رہا ہے۔ تو ہمیں دیکھ کر کہا کہ اللہ اور رسول کو چھوڑ کر اللہ کے غیر کے سامنے کھڑے ہو گئے ہو۔ (حضرت کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ بیان چھوڑ کر کیوں میرے استقبال کے لئے باہر کھڑے ہیں۔

پھر نماز نہیں چھوٹی:

میجر عباس صاحب (ریٹائرڈ) کہتے ہیں کہ پی ایم اے (پاکستان ملٹری اکیڈمی) کاکول میں سخت ترین فوجی تربیت کے دوران مجھ سے نمازیں قضا ہو رہی تھی، اس دوران جب چھٹیوں میں ایک دفعہ خانقاہ گیا تو حضرت نے فرمایا ''جب عباس صاحب سے نمازیں قضا ہو رہی تھی تو اسے کسی مولوی سے پوچھنا چاہئے تھا کہ نمازیں زیادہ ضروری ہیں یا نوکری'' عباس صاحب کہتے ہیں کہ حضرت کے اس بات سے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے دل میں سوئی چبھو دی مجلس سے اٹھنے پر اپنی لاپرواہی، کم ہمتی اور ندامت کا شدت سے احساس تھا

۔تربیت کے دوران ''یرموک'' نام سے بہت ایک سخت قسم کی جنگی مشق ہوتی ہے،جس میں پیٹھ پر ۳۰ کلو وزن باندھے سخت گرمی کے موسم میں ۱۵۰ اکلومیٹر کا فاصلہ دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں پانچ دن میں طے کرنا ہوتا ہے ان سخت حالات میں ہر کوئی اپنے آپ کو کوستا ہے زیادہ پیدل چلنے کی وجہ سے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے بوٹ کو اتار کر کبھی چپل پہن کر اور کبھی برہنہ پا چلنا پڑتا ہے انسان صبر اور برداشت کے آخری حدوں کو چھو رہا ہوتا ہے، مجھے شیخ (حضرت ڈاکٹر صاحب) کی نصیحت یاد تھی اس لئے اس سخت تربیت میں بھی اپنے ساتھ پینے کے علاوہ وضو کے لئے مزید ۱۰ اکلو اضافی پانی بھی ساتھ لے جاتا۔

واقعی شیخ اپنے مریدین کو اس قسم کی مجاہدات سے گزار کر سلوک کے بعض مقامات طے کراتا ہے اور مریدان مجاہدات سے گزر کر قرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔(راقم الحروف)

خدمت:

خدمت کے بارے میں صحابہ کرامؓ اور بزرگوں کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں جو حضرات ،حضرت ڈاکٹر صاحب کے دنیاوی عہدے اور روحانی حیثیت سے واقف ہوتو ان کو یہ واقعہ بڑا عجیب لگے گا،تنویر کوہاٹ کے رہنے والے حضرت کے ایک مرید تھے، بے روزگاری سے تنگ آگئے بال بچوں والے تھے، پشاور آگئے ،اور کسی کے ساتھ ڈرائیور ہو گئے ،ان کا قیام خانقاہ میں ہوتا تھا۔ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے کہا فجر کی نماز سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جاؤ، پانچ بجے خانقاہ سے پشاور یونیورسٹی کو پہنچنا تھا اب وہ پریشان تھے کہ اس وقت تو کوئی گاڑی بھی نہیں ملتی کس طرح وہاں پہنچ جاؤں جب حضرت کو پتا چلا تو بتایا صبح جلدی اٹھ جاؤ میں خود پہنچا دونگا۔اور صبح فجر کی نماز سے پہلے پہلے وقت پر حضرت نے خود ہی آپ کو یونیورسٹی پہنچا دیا۔

السلام علیکم:

آج کل پیغام پہنچانے کا سب سے مؤثر ذریعہ موبائل یا ٹیلی فون ہے ۔جدید تہذیب نے ہماری قدریں بدل کر رکھ دی ہیں موبائل فون پر غیروں کی ذہنی غلامی اور ایمانی حمیت وغیرت کے فقدان کی وجہ سے ''السلام علیکم'' کی بجائے ''ہیلو'' کہنا ہر خاص و عام کے زبان پر چڑھ گیا ہے۔ ''ہیلو'' کہنا نہ صرف اسلامی تہذیب کے خلاف ہے بلکہ یہ الفاظ کہنے سے کہنے والے کی یہودیوں سے محبت کی بو آتی ہے ۔فقیر نے موبائل فون پر حضرت ڈاکٹر صاحب کو ہیلو کی بجاے ہمیشہ السلام علیکم کہتے ہی سنا ہے۔اس کے معنی ہی'' تم پر سلامتی ہو''۔سلام ایک عبادت اور مسنون عمل ہے اسے ہی اختیار کرنا چاہیے۔دوسری بات یہ سیکھی کہ کسی کو فون کرتے وقت اگر آپ کا نمبر کسی کے پاس محفوظ نہ تو فوراً اپنا تعارف کرنا چاہیے، براہ راست بغیر تعارف کے گفتگو آداب کے خلاف ہے۔

موبائل پر جھوٹ بولنے کی عادت بھی عام ہوگئی ہے ۔جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس سے ایک قسم کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے رحمت کے فرشتے ایک میل کے فاصلے پر بھاگ جاتے ہیں۔

منکرات کو روکنا چاہیے:

ہر سلسلے کا خصوصی وصف ہوتا ہے حضرت ڈاکٹر صاحب کے سلسلے کا وصف غیرت ایمانی وحمیت دینی ہے، اور سلسلے کے تربیتی دورانئے سے گزرتے ہوئے یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ منکر اور برائی کو روکنا ایمان کی علامت ہے ۔منکرات روکنے کے تین درجات درجات ہیں: ۱) ہاتھ سے روکنا ۲) زبان سے روکنا ۳) دل مین اس کو برا جاننا۔

کوئی کسی خاندان یا ادارے کا سرابرہ ہے، تو اسکی بات چلتی ہے کہ میرے خاندان

والے یا میرے ماتحت ایک ناجائز کام کررہے ہیں، تو اس کام کو میں زور سے روک دوں تو یہ کام بند ہو جائے گا اور اس کے بند کرنے سے کوئی فتنہ کھڑا نہیں ہوگا ایسی صورت میں سربراہ کا فرض ہے کہ وہ زور سے برائی روکے۔ محض اس خیال سے برائی نہ روکنا کہ اگر میں روکوں گا تو فلاں ناراض ہو جائے گا یا فلاں کا دل ٹھوٹ جائے گا تو اللہ کے حکم کے مقابلے میں اسکے دل ٹوٹنے کی کوئی حقیقت نہیں، البتہ کہنے کا ایسا انداز اختیار نہ کرنا چاہئے کہ اس کی توہین وتذلیل ہو۔ اسی طرح شادیوں اور دیگر تقریبات میں قدم قدم پر برائیوں کے سامنے بھی ہتھیار نہیں ڈالنا چاہئے۔ تقریبات میں مردوں اور عورتوں کی مخلوط اجتماع بلکہ اس سے بڑھ کر ایک اور بے غیرتی اور بے حیائی کی بات سننے میں آئی ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا رقص ہوتا ہے اور اس موقع پر بھی ہم ہتھیار ڈال کر خاموش بیٹھ جائیں تو ہمارے ایمان کا معیار ہم خود جانچ لیں، یہ چیزیں تو اس وقت تک نہیں رکیں گی جب تک ہم اس کے سامنے ڈٹ نہ جائے۔

اگر برائی روکنے کے لئے ایک آدمی نہ ہاتھ کا استعمال کرسکتا ہے اور نہ زبان کا تو کم از کم چہرے پر تو ناگواری کا اثر آنا چاہے پیشانی پر بل تو پڑنا چاہئے، اپنے اندر بے چینی تو پیدا کرنا چاہئے۔ اور گناہ کے تقریب کا بائیکاٹ تو کرنا چاہئے ،نَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ پر عمل اس وقت واجب ہو جاتا ہے۔ منکرات کو روکنے کا حکم صرف مردوں کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کیلئے بھی ہیں وہ بھی اپنے دائرہ کے اندر منکرات کو روکنے کی بھرپور کوشش کرے گی۔

ایک دفعہ ایک مدرسہ میں دینی جلسہ ہورہا تھا حضرت ڈاکٹر صاحب جوں ہی بیان کے لئے بیٹھ گئے سامنے مدرسے کے دیوار پر ایک سیاسی شخصیت کی تصویر لگی ہوئی تھی حضور پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق جہاں تصاویر ہوں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ حضرت فوراً ممبر سے اٹھ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ یا تو میں بیان نہیں کرونگا یا اس تصویر کو

ہٹادو۔ جب مدرسہ کے انتظامیہ نے وہ تصویر ہٹادی تب آپ نے بیان شروع فرمایا۔

ایک دفعہ سلسلے کے ایک پرانے ساتھی کے گھر شادی کی تقریب میں میز بانوں نے پیپسی کی بوتلیں کھانے کے ساتھ رکھ دی حضرت نے اس بات کو بہت محسوس کیا مغرب کی اصلاحی مجلس میں آپ نے اعلان فرمادیا کہ جن جن ساتھیوں نے اس دعوت میں شرکت کی ہے وہ دو رکعات نفل صلوٰۃ توبہ پڑھ لیں۔

ایک ساتھی نے بتایا کہ آپ کے خلیفہ ڈاکٹر قیصر صاحب ایک شادی کی تقریب میں تشریف لے گئے شادی میں غیر شرعی رسومات دیکھ کر صاحب دعوت سے ملتے ہی کہا کہ آپ نے دعوت دی تھی اس لئے چلا آیا مگر آپ کی شادی کی تقریب میں مزید نہیں ٹھہر سکتا اور واپس چلے آئے۔

دل میں معاصی سے نفرت:

ڈاکٹر صفدر صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ جنوبی اضلاع کے دورے پر تشریف لے جا رہے تھے تو میں چند دوستوں کے ساتھ جن میں میرے بھائی ڈاکٹر ناصر اور دو تین علماء بغرض ملاقات و مصافحہ تاجہ زئی (لکی مروت) اڈے پر کھڑے تھے لیکن ہم سڑک کے دوسری جانب کھڑے تھے جب حضرت والا تشریف لائے تو دعا سلام کے بعد فرمایا کہ آپ کو سڑک کے اسی طرف کھڑا ہونا چاہئے تھا جس طرف سے گاڑی آرہی تھی تا کہ ڈرائیور کو تکلیف نہ ہوتی حضرت تھانویؒ کے سلسلے کی ایک نمایاں خوبی مسلمانوں کو ایذاء سے بچانا ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ حضرات تو ڈاڑھی پگڑی والے ہیں لیکن ایک بے پردہ عورت کی تصویر کے سامنے کھڑے ہو (جب ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بورڈ پر ایک بے پردہ عورت کی تصویر تھی)۔ آپ لوگوں کا اس کے سامنے کھڑے ہونا ایک قسم کا

تائید ظاہر کر رہا ہے اور دل میں معاصی سے نفرت نہ ہونے کی علامت بنتا ہے۔ پھر فرمایا کہ بس آپ لوگوں کیلئے اتنا کافی ہے اور رخصت لے کر ڈی آئی خان کے سفر پر روانہ ہوئے۔

لوگ عمرے کے لئے جاتے ہیں مگر سر نہیں مونڈواتے:

مولانا عبدالسلام صاحب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سعودی عرب سے آئے ہوئے ایک رشتہ دار کو حضرت سے ملوانے کے لئے خانقاہ لے گیا اس سے ہاتھ ملاتے ہی حضرت نے فرمایا کہ لوگ عمرے تو کرتے ہیں لیکن سر نہیں منڈواتے، خانقاہ سے جب ہماری واپسی ہوئی تو ہمارے رشتہ دار نے کہا کہ واقعی عمرے تو میں بہت کرتا ہوں لیکن سر کے بال نہیں منڈھواتا ہوں۔

یارب! شمع امید کو سر شام بجھا نہ دینا کہ ابھی رات لمبی ہے! ابھی بات لمبی ہے!

حضرت ڈاکٹر صاحب
کے شیوخ رح

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ

حضرت اقدس ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتھم کے بیعت کا پہلا تعلق مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور تبلیغی جماعت کے عالمی امیر حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کے ساتھ رہا۔ حضرت جی انعام الحسن رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے روحانی اور علمی پائے کے شخصیت تھے۔ ۱۹۶۵ء کو مولانا یوسف کاندھلویؒ کے وفات کے بعد آپؒ تبلیغی جماعت کے امیر قرار پائے۔ بستی نظام الدین میں کئی سال تک بخاری شریف پڑھائی۔

خلافت:

مولانا الیاسؒ سے بیعت ہونے کے بعد آپؒ نے انکی نگرانی میں سلوک کے منازل طے کئے اور حضرت دہلویؒ نے زندگی کے آخری دن ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو مشائخ کی موجودگی میں آپؒ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ اپنی ’’آپ بیتی‘‘ میں فرماتے ہیں کہ چچا جان (مولانا الیاس) نوراللہ مرقدہ نے اپنے سے مایوسی کی حالت میں وصال سے دو تین دن قبل اس سیاہ کار سے کہا کہ میرے آدمیوں (مریدوں) میں چند لوگ صاحب نسبت ہیں۔ مولانا یوسف کاندھلوی صاحبؒ، قاری داؤد صاحبؒ، سید رضا بھوپالیؒ صاحبؒ، مولانا احتشام الحسنؒ، حافظ مقبول حسنؒ اور مولانا انعام الحسنؒ۔ میرے بعد ان میں سے کسی ایک کو مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے مشورے سے بیعت کیلئے تجویز کر دو۔

ذکر وعبادت میں انہماک:

آپ کے ابتدائی دور کے معمولات میں ذکر اسم ذات جس کی ابتداء بارہ ہزار سے ہوئی تھی آہستہ آہستہ بڑھا کر ستر ہزار کی مقدار تک پہنچا دیا۔ مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ (مکہ مکرمہ) (راقم الحروف جن دنوں یہ سطور تحریر کر رہا تھا تو ان دنوں حضرت مولانا عبدالحفیظ مکیؒ حیات تھے، ۱۶ فروری ۲۰۱۷ء مکہ مکرمہ سے جنوبی افریقہ کے سفر پر جا رہے تھے، ہوائی جہاز ہی میں دورہ قلب پڑنے کی وجہ سے انکا وصال ہوا، ۱۹ فروری کو مدینہ منورہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائیں) راوی ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ جماعت میں مرکز نظام الدین آیا تو ایک دن مجھے ہمایون کے مقبرہ میں لے گئے اور ایک بڑے پتھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے اس پر سات سات گھنٹے بیٹھ کر اپنے معمولات پورے کئے ہیں۔ طویل نشست میں ذکر لسانی پاس انفاس (ہر سانس کے ذریعے اللہ کا ذکر) پر پوری توجہ فرماتے درس وتدریس، پوری دنیا کے تبلیغی کام کی نگرانی اور ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ذکر وعبادت کا یہ عالم تھا کہ روزانہ آٹھ گھنٹے ذکر وعبادت، تلاوت اور دعا میں مصروف

رہتے، پندرہ سولہ پارے روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کا معمول تھا۔

ہم تو لکیر کے فقیر ہیں:

مولانا یوسف کاندھلویؒ کی وفات کے بعد جب آپؒ امیر ہوئے تو آپ نے کوئی الگ امتیازی رنگ پیدا کرنے کی بجائے اپنے اسلاف کے قدیم طرز پر برقرار رہتے ہوئے اس نہج پر محنت کو جاری رکھا اور رکھوایا۔ ایک موقع پر فرمایا ہم تو لکیر کے فقیر ہیں۔ مولانا الیاسؒ صاحب کے اصولوں پر جم کر کام کریں گے اور کروائیں گے۔

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرو:

ایک نامور اہل قلم بغرض ملاقات آئے آپؒ نے ان کا استقبال کیا اور چند منٹ کی گفتگو کے بعد ہی فرمایا آپؒ کا مطالعہ قرآن پاک پر تو کافی ہے لیکن ضرورت ہے کہ سیرت النبی ﷺ کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

گاڑی میں اذان:

مولانا الیاس پھرالوی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ گاڑی میں ہم سفر کر رہے تھے سفر میں مغرب کی اذان حضرت نے خود ہی شروع فرما دی۔ اذان سے فارغ ہونے پر حضرت منشی بشیر احمد صاحب نے عرض کیا، حضرت آپ فرما دیتے ہم خدام میں سے کوئی بھی ساتھی اذان کہہ دیتا۔ تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ منشی جی مجھے ایک حدیث یاد آ گئی تھی کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان زمین کے جس خطہ پر جو عمل کرتا ہے وہ خطہ ارض انسان کے اس عمل کی قیامت کے روز گواہی دیگا۔ تو میں نے خیال کیا کہ جتنی دیر میں اذان پوری ہو گی اتنی دیر میں

ریل کافی سفر طے کر لے گی تو یہ ساری زمین آخرت میں میری اذان کی گواہ ہو جائے گی۔

بمبئی کے گورنر سے کہا ضروریات پوری کرو اور فضولیات بند کرو:

حضرت نے بمبئی کے ایک گورنر کی دعوت کا اپنا ایک قصہ سنایا کہ بھائی ہمارا بمبئی میں ایک بیان ہوا وہاں کا بمبئی کا ایک گورنر بھی تھا اس نے بیان کے بعد میرے سے کہا کہ میرے یہاں آپ ناشتہ فرمالیں۔ ساتھیوں نے قبول کرلیا ہم جب وہاں پہنچے تو بھائی ایسا مکان تو میں دیکھ کر حیرت میں رہ گیا خیر مجھے پیاس لگی میں نے پانی کو کہا تو ایسے کٹورے میں پانی لایا گیا کہ میں نے ایسا کٹورا نہیں دیکھا تھا۔ میں نے کہا بھائی ایسے پیالے میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسے میں بھی تو لایا جا سکتا تھا جو دو پیسے کے تین آتے ہیں اس پر گورنر صاحب نے کہا حضرت اگر کسی کے پاس دو پیسے بھی نہ ہو تو، جس کے وہ تین پیالے لا سکے تو پھر کیا کریں میں نے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں کی اوکھ بنائی اور کہا یہ رہا قدرتی پیالہ اس سے پی لیا جائے تو وہ چپ ہو گئے پھر انہوں نے کہا کہ حضرت رات آپ کی باتوں سے بڑا سکون ملا مگر آپ کے پاس معیشت کا کوئی حل بھی ہے؟ ہم لوگ اس میں بڑے پریشان ہیں حضرت جیؒ نے فرمایا ہاں بھئی ہے وہ تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور کہا کہ بتلائیے، فرمایا حل یہ ہے کہ ضروریات پوری کرا اور فضولیات بند کرو۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔

مرکز میں ٹیوب لائٹ لگانے کا عجیب واقعہ:

جناب بھائی خالد سیف اللہ صاحب (دہلی) اپنے ساتھ گزرا ہوا یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں ایک زمانہ میں مرکز نظام الدین میں ہر جگہ بلب لگے ہوئے تھے ٹیوب لائٹ نہیں تھی حضرت جیؒ کسی سفر میں تھے تو مرکز کے ذمہ داروں نے بلب اتروا کر ٹیوب

لگوادی حضرت جیؒ جب سفر سے واپس آئے اور بندہ ملاقات کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ تمام ٹیوب لائٹ اتری ہوئی ہیں میں نے منشی بشیر احمد صاحب مرحوم سے اس کی وجہ دریافت کی تو کہا کہ بالکل خاموش رہو حضرت جلال میں ہیں اور مجھے کچھ پتہ نہیں پھر میں مولانا عبید اللہ صاحب کے پاس پہنچا وہاں بھی وہی سوال جواب ہوا اس پر میں نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات نہیں بتلاتے تو میں براہ راست حضرت جیؒ سے جا کر پوچھتا ہوں۔ مولانا عبید اللہ صاحب نے فرمایا اس وقت حضرت کے پاس ہرگز نہ جانا بہت جلال میں ہیں۔ لیکن اللہ مجھے معاف فرمائے میں حضرت جیؒ کے پاس پہنچ گیا اور سلام ودعا کے بعد یہی سوال کر بیٹھا بس سنتے ہی چہرہ جلال سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ پہلے یہ بتلاؤ کہ تمہیں میرے پاس کس نے بھیجا؟ میں نے عرض کیا کہ خود ہی آیا ہوں۔ فرمانے لگے میرے سامنے جھوٹ مت بولنا سچ بتلاؤ کہ تمھیں میرے پاس کس نے بھیجا ہے؟ میں نے پوری بات صاف صاف بتلا دی فرمایا کہ اب آپ کیا کہنے آئے ہیں کہ میں دوبارہ یہ ٹیوب لگوادوں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر ٹیوب لگانا جائز نہیں، یا جائز تو ہے لیکن دعوت کی مصلحت کے خلاف ہے تو میں نے بھی گھر میں لگا رکھی ہے میں بھی وہاں سے اتروادوں اس پر حضرت جی کا جلال ٹھنڈا ہوگیا اور فرمایا کہ نہ تو ناجائز ہے اور نہ تبلیغی مصلحت کے خلاف ہے بلکہ دنیا کا یہ ملعون شوق ہے کہ جو نئی چیز ہے وہ میرے گھر میں آئے، میرے مسجد اور میری مرکز میں آئے اور عادت یہ ہے کہ جب میرے سامنے کوئی بات رکھی جاتی ہے تو میں ضرورت دیکھتا ہوں، واقعی ضرورت ہوتی ہے تو انکار نہیں کرتا لیکن صرف شوق کی وجہ سے کوئی کام کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں سمجھتا۔ اب بہت دنوں سے لوگ اصرار کر رہے تھے کہ ٹیوب لائٹ لگے اور ضرورت یہ بتلاتے ہیں کہ کمزور نگاہ والوں کو بعد مغرب یٰسین شریف پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور نظر نہیں آتا پھر فرمایا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بڑے حضرت جی (مولانا

الیاسؒ) سے یہی کہہ کر بجلی لگوائی گئی تھی اور جب بلب لگ گئے تو کمزورنظر والوں کونظر آنے لگا اب یہ ٹیوب نئی چیز آئی ہے تو اس کے بغیر کمزورنظر والوں کونظر نہیں آتا اور کل کوئی اور چیز بن جائیگی تو پھر ٹیوب لائٹ سے بھی نظر نہیں آئے گا۔ یہ صرف شوق ہے ضرورت نہیں بہت دنوں سے میرے پاس لوگوں کو بھیجا جا رہا ہے کہ ٹیوب لائٹ کے سلسلے میں میری تشکیل کریں۔ میں یہ سمجھا کہ شاید تمھیں بھی میری تشکیل کیلئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت مولانا یوسفؒ جب ان لوگوں کی بات نہیں مانتے تھے تو ان کے کسی بیرونی سفر کے دوران وہ کام کرتے تھے تعمیرات میں بھی اضافہ کرلیا کرتے تھے۔ اور جب وہ آکر ناراض ہوتے تھے تو ان کو منا لیا کرتے تھے یا حضرت شیخؒ سے سفارش کرلیا کرتے تھے اب میرے سامنے یہ بات پہلی مرتبہ ہورہی ہے میں اس کو ہرگز نہیں چلنے دونگا میں نام پوچھ رہا ہوں یہ ٹیوب لائٹ کس نے لگائی ہے تو اس کا نام نہیں بتلاتے میں اس کو سزا دے کر جرمانہ کرنا چاہتا ہوں بندہ نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ کام اجازت کے بغیر ہوا ہے تو ضرور تنبیہ فرمالیں پھر بندہ اس کے بعد کچھ عرض کریگا، فرمایا کہ ابھی کہہ جو کہنا ہے میں نے عرض کیا کہ آپ کے خدام میں بہت سے انجینئر ہیں کیا آپ نے کبھی کسی سے رائے لی ہے؟ تو فرمایا رائے تو نہیں لی ہے بندہ نے عرض کیا کہ جس کی لائن کی چیز ہے اس سے رائے لینی چاہیئے اس پر حضرت جیؒ کھل اٹھے اور گاؤ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا، کہ فرمایئے انجینئر صاحب! آپ کی کیا رائے ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ اگر کسی جگہ سوواٹ کے دو بلب لگائیں گے تو گویا دوسو واٹ بجلی خرچ ہوگی اور روشنی بھی کم ہوگی۔ اس کے مقابلے میں ٹیوب لائٹ چالیس واٹ بجلی لیتی ہے اور روشنی بہت زیادہ دیتی ہے اس لئے کفایت شعاری کے اعتبار سے ٹیوب لائٹ مناسب ہے۔ اس پر فرمایا بلب سستا ہوتا ہے ٹیوب لائٹ مہنگی ہوتی ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ یہ تو صحیح ہے لیکن انجینئرنگ کا قاعدہ یہ ہے اگر چھ چھ ماہ دونوں چیزیں استعمال

ہوں تو جتنے کا بل آتا ہے اس میں اس کی قیمت بھی جمع کر لی جائے تو پھر بھی ٹیوب کا استعمال بلب کے مقابلے میں سستا ہوگا۔ میری یہ بات سن کر فرمایا کہ دوبارہ پھر سمجھاؤ چنانچہ بندہ نے قلم کاغذ لے کر چھ ماہ کا خرچ بلب اور ٹیوب لائٹ کا الگ الگ نکال کر خدمت میں پیش کیا تو اس کو بہت غور سے پڑھا اور جب بات سمجھ میں آ گئی تو بہت غمگین ہو کر فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا تھا مجھے انجینئر سے رائے لینی چاہیے تھی اور پھر خوفزدہ ہو کر فرمایا کہ اگر اللہ جل شانہ نے مجھ سے سوال کیا کہ جب مرکز کا کام کم پیسوں میں چل سکتا تھا تو زائد کیوں خرچ کیے تو میں کیا جواب دونگا اس کے بعد فرمایا کہ جاؤ اور جہاں جہاں مناسب سمجھو بلب اتار کر ٹیوب لگا دو۔

غیبت کی ظلمت:

ایک مرتبہ سفر سے واپس تشریف لائے، مرکز کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی فرمایا ارے بھائی غیبت کی ظلمت محسوس ہو رہی ہے۔

ظلم کی نحوست:

اسی طرح ایک اسلامی مملکت کی سرحد میں داخل ہوتے ہی ارشاد فرمایا او ہو، ظلم کی نحوست چھائی ہوئی ہے اور مخلوق کو ستایا جا رہا ہے۔

معصیت کا اثر:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ کبھی تو جی چاہتا ہے کہ آپ کے پاس رہوں اور کبھی آنے کو جی نہیں چاہتا اس پر فرمایا کہ اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہ تمھارے معاصی کا اثر ہے۔

جی تو چاہتا ہے کہ حضرت جیؒ کے واقعات لکھتا جاؤں لیکن طوالت سے بچنے کی خاطر صرف اس آخری واقعے پر اکتفا کرتا ہوں۔

اپنی بیوی کی صفت:

ایک مرتبہ آپ نے تراویح کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص اپنی بیوی کی کوئی خصوصی صفت بیان کریں کہ اس میں کیا خوبی ہے؟ حاضرین مجلس میں نمبر وار اپنی اپنی بیویوں کے اوصاف بیان کرنے لگے کسی نے کہا کہ پانچ وقت کی نماز کی پابند ہے۔ کسی نے کہا خدمت میں بہت آگے ہے کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ، جب حضرت کا نمبر آیا تو فرمایا بھائی مجھے بھی بیان کرنا پڑے گا پھر سب کے عرض کرنے پر فرمایا کہ میری بیوی کے اندر یہ صفت ہے کہ جب وہ چاہتی ہے نبی کریم ﷺ کی زیارت کرلیتی ہے۔

(ماخوذ دعوت وتبلیغ کے حضرت جیؒ ثالث)

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

آپؒ ۱۹۲۵ء کو پشاور میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد اکبر خان صاحب ایک باشرع اور ذاکر شاغل بزرگ تھے اور ان کی پشاور، دہلی، شملہ اور دارجیلنگ میں قالینوں کی دوکانیں تھیں۔ آپ کی والدہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سے بیعت تھیں ان کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ سے بیعت ہوئیں۔

آپؒ نے بخاری شریف تک دینی تعلیم قاضی نورالاعظم باجوڑیؒ سے حاصل کی تھیں۔ آپ کے بیعت کا تعلق سید سلیمان ندویؒ سے تھا۔ آپ نے سید صاحبؒ کی تربیت میں رہ کر حضرت تھانویؒ کی ترتیب کے مطابق جم کر کام کر کے راہ سلوک طے کی۔ آپؒ سید

صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر کئی کئی دن قیام فرماتے اور خطوط کے ذریعے رہنمائی لیتے۔

سید صاحبؒ کے زندگی کے آخری ایام میں تبلیغی اکابر کا رجوع ان کی طرف ہوا۔ مولانا یوسف کاندھلویؒ اہل اللہ کی تشریف آوری کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے سید صاحبؒ تبلیغی اجتماعات میں تشریف لے جا کر بیانات فرمانے لگے شیخ کا اثر مرید پر ہوتا ہے حضرت مولاناؒ کی توجہ بھی تبلیغ کی طرف مبذول ہوئی آپ نے اندرون ملک و بیرون ملک لمبے لمبے سفر کئے۔فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بیس بیس میل پیدل چلا ہوں۔معذوری سے پہلے فلسطین، ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا اور جرمنی کے بیرونی سفر بھی کئے۔

شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ سے بیعت اور خلافت:

سید سلیمان ندویؒ کے وفات کے بعد آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ شاہ یٰسین نگینویؒ کے خلیفہ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ سے بیعت کر لی اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ بعد میں انہوں نے چاروں سلسلوں میں خلافت سے نوازا۔ خلافت ملنے کے بعد تبلیغی کام اور سلوک و طریقت دونوں کی گاڑی کھینچنے کا دور شروع ہوا۔ ذاتی اعمال تہجد، نوافل ، ذکر اور تلاوت میں انہماک حد سے بڑھ گیا اور زیادہ وقت عبادت الٰہی میں گذرتا۔

قطب وقت:

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت کی مجلس سے فارغ ہو کر گھر کی طرف آرہا تھا راستے میں بلا سوچ و تفکر کے قلب پر یہ بات وارد ہوئی کہ حضرت مولاناؒ قطب ہو گئے ہیں بندہ (حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب) نے سوچا کہ حضرت ہمارے شیخ ہیں لہٰذا کچھ بھی ہو ہمارے لئے تو قطب یہی ہیں اس کے چند دن بعد حضرت نے کتب خانے

کی صفائی کا حکم دے دیا اس کیلئے ساری کتابیں اور یکارڈ الماریوں سے اتارا گیا، کام کرنے والے حضرات کام کر رہے تھے کہ بندہ (حضرت ڈاکٹر صاحب) کی نظر ایک تحریر پر پڑی یہ تحریر غازی مرجان صاحب مدظلہ کی تھی موصوف حضرت مولانا محمد اشرفؒ کے خلیفہ ہیں اور تبلیغی جماعت کے ساتھ زندگی وقف کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں اشراق اور ظہر کے درمیانی وقت کے علاوہ پورا دن مسجد نبوی میں گزارتے ہیں تحریر میں انہوں نے لکھا تھا کہ روضہ شریف پر صلوٰۃ سلام پڑھ کر وہیں بیٹھا ہوا تھا کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوگئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اشرف کی طرف سے سلام پڑھتے ہو؟ غازی مرجان نے جواب دیا؟ جی حضور اس پر حضور ﷺ نے فرمایا وہ قطب ہیں۔ میں نے عرض کیا اس بات کی اس کو اطلاع کر دوں اس پر فرمایا حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ میرے شہر میں تو آئیں پھر انہیں کہہ دینا چنانچہ غازی مرجان صاحب نے آپ کو یہ خوشخبری سنائی آپ کے اخفاء کا کمال تھا کہ کسی کے سامنے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

حضور پاک ﷺ کی طرف سے عطر کا ہدیہ:

مرد درویش میں حضرت ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ عطر کی شیشی مولانا اشرف کو دے دو آپ جو بیدار ہوئے تو وہ شیشی ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے یہ شیشی حضرت ندویؒ نے آپؒ کے حوالے کی۔

حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے:

آخری حج ۱۹۹۵ء میں پروفیسر نعمان صاحب اور تیسیر جان صاحب ساتھ تھے پہیوں والی کرسی جس پر بیٹھ کر آپ چلتے پھرتے تھے کی مواجہہ شریف جانے کی اجازت نہیں

تھی اس لئے باہر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہوتا، ایک دن آپ کے خلیفہ غازی مرجان مقیم مدینہ منورہ نے نعمان صاحب سے کہا کہ حضرت کی کرسی آگے لے جاؤ نعمان صاحب نے کہا کہ اس کی تو اجازت نہیں غازی مرجان صاحب نے بتایا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا ہے چنانچہ وہ کرسی آگے لے گئے اور کسی نے نہیں روکا۔

میری امت کے لئے دعا کرو:

ایک دفعہ غازی مرجان صاحب (خلیفہ حضرت مولانا صاحب) نے پیغام بھیجا کہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مولانا صاحبؒ سے کہو کہ میری امت کیلئے دعا کیا کرو۔

فیصلہ:

مرد درویش میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں ایک مرتبہ بندہ (ڈاکٹر فدا محمد صاحب) نے ایک ساتھی سے موٹر کار خریدی۔ موٹر کار ناقص نکلی بہت افسوس ہوا چونکہ قیمت قسطوں میں سے ادا کرنی تھی اس لئے قسطیں ادا کرنے کو دل بالکل نہیں چاہتا تھا اور گاڑی واپس کرنے کا خیال ہوا اس ساتھی نے حضرت کے پاس مقدمہ دائر کر دیا چونکہ ابتدائی فقہ کے کتابیں پڑھا ہوا تھا اور اس کا علماء کے پاس اٹھنا بیٹھنا تھا اس لئے دو دلائل دیئے ایک تو یہ کہ اس نے بیچتے وقت یہ واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ گاڑی مستری اور کسی سمجھدار آدمی کو دکھا کر اپنی تسلی کر لیں، دوسرے یہ کہ واپسی کی تین دن کی مہلت بھی گذر چکی ہے اس کا قیمت لینے کا حق ہے اس پر حضرت نے بندہ (حضرت ڈاکٹر صاحب) سے فرمایا کہ فقہی رو سے تم پیسے ادا کرنے کے پابند ہو چنانچہ بندہ نے پوری قیمت ادا کی لیکن حضرت نے حق کے خلاف بندہ کی کوئی حمایت نہیں کی۔

دلہن کی اصلاح:

مرد درویش میں حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد اشرف خانؒ کے اہلیہ نے بندہ کی اہلیہ کو بتایا کہ ایک مرتبہ ایک ڈاکٹر صاحب کی نو بیاہتا دولہن بغیر دوپٹہ اوڑھے جدید لباس میں حضرت کے پاس آئی بعض خاندانوں میں پردے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے اچھے ذہن کی نیک عورتیں بھی اس بات کو عیب نہیں سمجھتی موصوفہ جو سامنے ہوئیں تو حضرت کی زبان سے بے ساختہ نکلا یا اللہ حضور ﷺ کی امت کو ہدایت نصیب فرما۔ اس کی زندگی میں ایسی تبدیلی آئی کہ ساری عمر کی لئے ایسی باپردہ ہوگئی جس کی مثال کم ملتی ہیں۔

حضور ﷺ کا پیغام لایا ہوں:

حسن خان صاحب مدظلہ (خلیفہ مولانا اشرف صاحبؒ) سے یہ واقعہ سنا ہے حضرت کے آخری حج میں ایک دن غازی مرجان صاحب تشریف لائے آپ کے خادم تیسیر جان صاحب سے حضرت کا پوچھا انھوں نے کہا سوئے ہوئے ہیں غازی مرجان صاحب نے کہا کہ جگائیں ایک ضروری پیغام دینا ہے جاگنے کے بعد غازی مرجان صاحب نے کہا کہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا: **اَللّٰہُ فِی قَلبِی و اَشرَف فِی عَینِی** میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اس کا مطلب نہیں سمجھا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ سمجھ جائیگا اس کی غالباً آپ نے یہ تعبیر لی کہ وقت وصال قریب ہے چنانچہ حج سے واپسی پر آپ نے بات چیت کرنے سے کافی حد تک پرہیز شروع کردی یہاں تک آپ کی وفات ہوئی۔

دو رکعت میں پورا قرآن:

مرد درویش میں حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں حضرت مولانا نے ایک شب

میں صرف دو رکعت میں پورا قرآن سنا حضرت کے خاص حافظ ڈاکٹر حسین علی شاہ صاحب نے دو رکعت میں اس طرح سے پڑھا کہ بیس پارے ایک رکعت میں اور دس پارے دوسری رکعت میں خود بندہ (حضرت ڈاکٹر صاحب) نے کھڑے ہو کر سنا مولانا نے یہ سارا قرآن معذور ٹانگوں کے ساتھ دو زانوں بیٹھے ہوئے سنا آگے لکھتے ہیں کہ اس رمضان سے پہلے سال کے رمضان میں پہلی رکعت میں ساڑھے اکتیس پارے اور دوسری رکعت میں تھوڑا سا پڑھ کر دو رکعت مکمل کیں۔

تکوینی امور:

''مرد درویش'' میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ زندگی کے آخری سالوں میں اس طرح پتہ چلتا ہے کہ حکومتوں کے آنے جانے میں حضرت کی دعاؤں کا خاص اثر ہوتا تھا۔ چھ مجذوب فقراء بھی کبھی نظر آتے تھے ایک بار بندہ (حضرت ڈاکٹر صاحب) بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مجذوب بار بار دلائل دے رہے تھے کہ بھٹو کو دوبارہ حکومت ملنی چاہیے کیونکہ عالمی سیاست کے فہم والا ہے اور جرأت والا ہے لیکن حضرت رد فرما رہے تھے کہ اس کی وجہ سے بے دینی عام ہو رہی ہے چنانچہ تھوڑا عرصہ بعد پھانسی ہو گیا۔ ایک بار بندہ (حضرت ڈاکٹر صاحب) مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی نے آ کر اطلاع دی کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے جو سود کے خلاف فیصلہ دیا اس کے خلاف نواز شریف نے سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ مجلس کے فقراء میں ایک فوراً بولا اب وہ لڑکی نواز شریف کی گردن پر چڑھ جائے گی چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد نواز شریف کی اسمبلی اور وزارت عظمیٰ ختم ہو گئی نئے انتخابات ہو گئے اور عورت وزیر اعظم بن گئی۔

ایک دفعہ بندہ (حضرت ڈاکٹر صاحب) موجود تھا کہ مجلس میں ایک انتہائی خستہ حال فقیر نے دوسرے سے پوچھا کہ عورت کی حکومت کیوں ختم نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے

نے کہا کہ اس کا وزیر داخلہ افغانستان گیا ہوا ہے اور طالبان کی منصوبہ بندی کر رہا ہے اور جب کام مکمل کر لے تو خاتمہ ہو جائیگا چنانچہ ابھی وہ وہی پر تھا کہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا ایک بار بندہ (حضرت ڈاکٹر صاحب) حاضر تھا کہ کچھ فقراء بحث کر رہے تھے کہ صوبہ سرحد میں اے این پی اور مسلم لیگ کی مخلوط حکومت سے لوگ تنگ آ چکے ہیں۔اس پر ایک فقیر نے فرمایا کہ ہمارے سب کے ووٹ ہو چکے ہیں حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کا ووٹ باقی ہے چنانچہ چند دنوں بعد حکومت ختم ہو گئی۔

درود شریف ادھر سے بھی سنتا ہوں:

ایک دو واقعات اور بھی سامنے آ گئے اُنکا لکھنا بھی مفید ہوگا۔مدینہ منورہ میں عصر تا عشاء اور فجر تا اشراق دو اوقات خاص طور سے حضور ﷺ کے قدمین مبارک کی طرف گزارتے تھے یہ پورا وقت کسی سے بات چیت نہیں فرماتے اور مسلسل درود شریف اور مراقبہ میں مصروف رہتے حضور ﷺ کی بار بار زیارت ہوتی رہتی تھی ایک بار فرمایا مسجد نبوی میں حاضری ہوئی تو جگہ بہت دور ملی حسرت محسوس ہو رہی تھی اور دل میں خیال آیا کہ قریب سے آپ ﷺ کا درود شریف خود سننے کی بشارت ہے آج تو دور جگہ ملی، قریب کی اس بشارت سے محرومی رہی تو حضور ﷺ سامنے جلوہ فرما نظر آنے لگے اور فرمایا وہاں سے بھی سنتا ہوں خواب میں اور بیداری میں زیارت سے مشرف ہوتے رہتے۔

جب سب اولیاء بے بس ہو گئے:

حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۵ء کے حج میں حضرت مولاناؒ کے ہمراہ تھا کہ منیٰ میں آگ لگ گئی حضرت پر خوف کا غلبہ رہا تھا چنانچہ انہوں نے ساتھیوں سے فرمایا مجھے جلدی باہر نکالو ایسے مواقع پر ان کو یہ فکر لاحق رہتی تھی کہ یہ سب میرے گناہوں کی

وجہ سے ہورہا ہے۔ بندہ نے ساتھیوں سے کہا کوئی فکر نہ کریں ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ اس پر ساتھیوں کو غصہ تو آیا ہوگا کہ حضرت باہر نکلنے کا فرمارہے ہیں اور یہ رکنے کا کہہ رہے ہیں دراصل بندہ کو اس بات کی تسلی تھی کہ حضرت جیسی مقبول ہستی کہ ہوتے ہوئے ہمیں آگ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ چنانچہ آگ کا رخ ہم سے مخالف سمت کی طرف مڑ گیا۔ بعد میں فقراء نے بتایا کہ یہ کہ ایرانی روافض کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے صورت عذاب تھی حضرت کے تعلق والے فقراء میں سے ہی کسی نے بتایا کہ اس موقعہ پر حج میں موجود خاص اولیاء اللہ نے خاص دعائیں مانگیں لیکن عذاب ٹل نہیں رہا تھا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب (خلیفہ حضرت اشرف علی تھانویؒ) نے دعا مانگی انہیں پیچھے سے گردن پر مکا لگا اور آواز ائی کہ ان کیلئے دعا مانگ رہے ہو مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے فرمایا کہ جب سب اولیاء اللہ بے بس ہو گئے تو روحانیت والوں نے دیکھا کہ خود حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اور آپ کی برکت سے مصیبت ٹلی۔

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور مولانا عبدالرحمان اشرفی صاحب پر توجہ:

ایک دفعہ مولانا رفیع عثمانی صاحب اور مولانا عبدالرحمان اشرفی صاحب حاضرین مجلس تھے حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں حضرت مولانا اشرف خانؒ نے ان پر توجہ فرمائی تو میں نے محسوس کیا کہ ایک تپش پہنچ کر حضرت سے اٹھی جو ہر دو حضرات پر گری اور ان سے بندہ پر آئی اور یوں محسوس ہوا کہ کمرہ کی دیوار تک پہنچ رہی ہے اور اس سے ایک رقت وسوز گداز کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اس پر مولانا عبدالرحمٰن اشرفی نے یہ شعر پڑھا:

ساقی تیرا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ مئے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

مولانا فقیر محمد صاحبؒ

مولانا فقیر محمد صاحبؒ ۱۹۱۱ء کو مہمند ایجنسی میں پیدا ہوئے ،آپ کے والد کا نام خان محمد صاحب تھا اور آپکے دادا خائستہ خان بہت بڑے عالم اور باعمل بزرگ تھے ،آپ نے ابتدائی تعلیم چارسدہ میں حاصل کی پھر مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ کے مدرسہ میں داخلہ لے لیا اور دس سال تک امرتسر میں رہ کر تعلیم حاصل کی ،حضرت مفتی صاحبؒ آپ پر بے حد شفقت فرماتے اور آپ کا بہت خیال رکھتے ،اس دوران حضرت مفتی صاحب آپ کو اپنے ساتھ تھانہ بھون لے گئے اور حضرت تھانویؒ سے بیعت ہو گئے ۔حضرت تھانویؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے ،حضرت تھانویؒ سے تعلق کے بعد آپ پر گریہ طاری ہونے لگا، باطنی اصلاح و تکمیل کے بعد حضرت تھانویؒ نے آپ کو بیعت و خلافت سے نوازا۔آپ کی خانقاہ پشاور میں تھی جہاں سے ہزاروں افراد سیراب ہوئے ،آپ کے خلفاء میں مولانا اشرف خان سلیمانیؒ ، ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ،مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ ،مفتی احمد الرحمٰنؒ،مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ شامل ہیں۔آپ نے ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ میں رحلت فرمائی۔

حاجی خیال محمد صاحبؒ

حضرت اقدس ڈاکٹر فدا محمد صاحب کے تیسرے شیخ ایک گوشہ نشین اور گمنام روحانی شخصیت حاجی خیال محمدؒ تھے ابتدا میں میران شاہ (وزیرستان) میں سرکاری ملازم تھے دوران ملازمت ان کو دل کی تکلیف ہوگئی علاج کیلئے پریشانی تھی خواب میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زیارت ہوئی انھوں نے فرمایا کہ آپ کے قریب ہرمز گاؤں

میں میرا خلیفہ مولانا عبدالحمید ہرمزیؒ ہے آپ کو ان کے حوالے کرتا ہوں بروز قیامت وہ آپ کے تربیت کے ذمہ دار ہونگے حضرت فرماتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا پہنچتے ہی انہوں نے چاول اور دہی کا کھانا کھلایا دیا مجھے محسوس ہوا کہ افاقہ ہورہا ہے ان کا دامن مستقل پکڑ لیا خدمت میں باقاعدگی سے حاضری شروع کردی۔

حضرت مولانا عبدالحمید ہرمزیؒ ہرمز میر علی (وزیرستان) میں پیدا ہوئے تھے دیوبند سے دورہ حدیث کیا ہوا تھا حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے تھے ان کے کہنے پر چھ ماہ تھانہ بھون خانقاہ میں گذار کر وطن واپس آگئے یہاں پر شادی کی اور دو سال گھر پر رہ کر پھر تھانہ بھون آستانہ اشرفیہ چلے گئے اور ایک عرصہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر خرقہ خلافت سے نوازے گئے۔ زندگی اصلاح وتبلیغ اور درس وتدریس میں گزری ذریعہ معاش میں جب تک جسم میں جان رہی کاشتکاری رہا۔ سات حضرات کو اجازت بیعت سے نوازا جس میں ایک حاجی خیال محمدؒ تھے۔ حضرت ہرمزیؒ کے وفات کے بعد مولانا رسول خان ہزارویؒ جو حضرت شیخ الہند کے بھی خلیفہ تھے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھی خلیفہ تھے پہلے دیوبند میں مدرس تھے وہ جگہ چھوڑنے کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث رہے، کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت تھانویؒ کے تیسرے خلیفہ قاضی عبدالسلام نوشہرویؒ کے خدمت میں رہے قاضی عبدالسلام نوشہرہ میں پیدا ہوئے دیوبند، مدرسہ رحمیہ دہلی، مدرسہ احمدیہ بھوپال میں سبق پڑھنے کے بعد مولانا عبدالعلیؒ تلمیذ، مولانا قاسم نانوتویؒ سے مدرسہ عبدالرب میں دورہ حدیث پڑھنے کے بعد سندالفراغ حاصل کی۔

عبدالمعبود باباجیؒ سے بیعت اور خلافت:

ان کے وفات کے بعد بابا عبدالمعبود صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی

باباعبدالمعبود صاحبؒ کی پیدائش ۱۸۲۳ء کی تھی ۔حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے براہ راست مرید اور خلیفہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حاجی صاحبؒ کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف لڑے ہوئے تھے۔ جنگ کے بعد مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک منتقل ہوئے وہاں پر بھی ارض روم کی جہاد میں شریک ہوئے ۔خلافت عثمانیہ نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں اپنے دربار میں خاص اعزاز دیا۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستان منتقل ہوکر اپنے وطن کوہستان میں قیام کرلیا۔ ہر سال حج کے لئے جاتے تھے باباعبدالمعبود صاحبؒ ۱۶۱ سال کی عمر پاکر ۱۹۸۴ء میں وفات ہوئے ایک دفعہ باباعبدالمعبود صاحبؒ حج سے واپس آرہے تھے جہاز کی فلائٹ میں تاخیر ہوگئی اس لئے ہوائی اڈے پر انتظار کرنا پڑا بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی پاس بینچ پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا بابا جی آپ یہاں لیٹ جائیں اور خود زمین پر لیٹ گیا بابا جی نے کہا آپ کون ہیں اس نے کہا میں میجر ضیاء الحق ہوں بابا جی نے فوراً کہا اللہ تجھے بادشاہ بنادے ۔جب ضیاء الحق پاکستان کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا اور بعد میں صدر ہوگیا تو اسے وہ واقعہ یاد آیا اس نے باباعبدالمعبود صاحبؒ کو ڈھونڈ کر کوہستان سے نکالا اور اسلام آباد میں ایک بنگلہ دے کر یہاں آباد کیا۔

قطب تکوین:

اس دور کے فقراء کو معلوم تھا کہ بابا صاحب قطب التکوین تھے ساری دنیا کے فیصلے قطب التکوین کی دعا سے ہی ملاءِ اعلیٰ سے نافذ ہوتے ہیں ۔ضیاء الحق اپنے دور میں انہی کے مشورے سے چلتا رہا۔ وہ تاریخ میں پہلے حکمران تھے جنہوں نے جنرل اسمبلی میں اپنی تقریر کا آغاز تلاوت سے کیا۔ ملک میں شراب جیسی ام الخبائث کا آزادانہ استعمال کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، سب سے پہلے مفتی محمودؒ نے اپنے دور میں صوبہ سرحد کے اندر شراب

کی ممانعت کا قانون نافذ کیا، پھر بھٹو نے آخری دور میں ملک میں شراب نوشی کا قانون نافذ کیا لیکن یہ ممانعت کا قانون صرف مسلمانوں کے لئے تھی، غیر مسلم اس ممانعت سے مستثنیٰ تھے، لوگ اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کر کے شراب حاصل کرتے تھے، صدر مرحوم نے ۱۹۷۹ء میں ممانعت کا جو آرڈیننس جاری کیا اس میں غیر مسلموں کے لئے بھی شراب کی ممانعت تھی، پی آئی اے کی بین الاقوامی پروازوں میں شراب نوشی کی ممانعت کا اعلان کر دیا، ملک میں سرکاری دفاتر اور اداروں میں نماز باجماعت کا مؤثر انتظام ہوا، تمام سرکاری ملازمین کو قومی لباس پہننے کا پابند کیا، باباجی کی وجہ انھیں دوسرے بزرگوں کی صحبت اور ان کی دعائیں لینے کا ذوق حاصل ہو چکا تھا، صدارت کے زمانے میں پہلی صاحبزادی کا نکاح ہوا تو مولانا ظفر احمد انصاریؒ کو کہا کہ میرا نکاح مفتی حسن صاحبؒ نے پڑھایا تھا، غالباً اعجاز الحق کے بارے خواہش ظاہر کی کہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) انکا نکاح پڑھائیں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اس شرط پر منظور فرمایا کہ اخباروں کے ذریعے اس نکاح کی تشہیر نہیں ہوگی دوم تصویر سازی نہیں ہوگی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب جب تشریف لائیں تو انھیں گھٹنوں کی تکلیف تھی، جرنل ضیاء نے کافی دیر تک ان کے گھٹنوں کی مالش کر دی، صدر ایک عام آدمی کی طرح ان کے سامنے باادب بیٹھے تھے، اور حضرت ڈاکٹر صاحب اپنی عادت کے مطابق نصیحتیں فرماتے رہے، مولانا مسیح اللہؒ، حاجی محمد شریفؒ (خلفاء حضرت تھانویؒ) کی زیارت و ملاقات کو اپنی سعادت سمجھتے، انھیں کہا گیا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے احسانات پاکستان پر اتنے ہیں کہ ہم عمر بھر ان سے عہدہ برنہیں ہو سکتے اس کے باوجود سرکاری سطح پر ان شخصیتوں کی ناقدری کا حال یہ ہے کہ ان کے مزارات تک کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں جب سے ان مزارات پر اسلامیہ کالج تعمیر ہوا ہے، مزار پر حاضری انتہائی مشکل ہے مزاروں کے آس پاس گندگی بھی بہت ہے اور مزار تک پہنچنے کا کوئی

راستہ نہیں، صدر صاحب نے اس پر بہت افسوس کا اظہار کیا، اگلے دن اخبارات میں خبر آئی کہ صدر صاحب کراچی ائیر فورٹ سے سیدھے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مزارات پر حاضر ہوئے، مزارات کے آس پاس سے گندگی اور ملبہ صاف کر کے مزار کے لئے مستقل راستہ بنانے کے احکامات جاری کئے۔

بابا عبدالمعبودؒ کی وفات کے بعد خیال محمدؒ ہی تکوینی امور میں صاحب دعا شخصیت تھے ایوب خان کے بارے میں بتایا کہ میں اس کے پاس گیا اور اسے خوشخبری سنا دی کہ تم سربراہ مملکت بننے والے ہو وہ بڑا خوش ہوا جب بھی آمد و رفت ہوتی تھی بہت اکرام کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں گیا تو بڑا خوش ہوا اس نے اپنے بیٹے گوہر ایوب سے کہا کہ بابا صاحب کیلئے دنبہ ذبح کرو میں نے کہا اس دفعہ میں دنبے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں اس بات کیلئے آیا ہوں کہ آپ ملک میں شریعت نافذ کردیں اس بات کو ماننے کی ہمت ایوب خان نہ کر سکا کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ خربوزے کی پہلی پھانک آپ کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی دی تو وہ بڑی میٹھی تھی پھر صدر کی دی وہ بڑی میٹھی تھی پھر آپکو شریعت کی دی وہ آپ کو پھیکی لگی یہ کہہ کر میں ناراض ہو کر آ گیا پھر ایوب خان کی حالات ڈانوں ڈول ہو گئے۔

اس ملک میں اتاترک کا نظام لانا ناممکن ہے :

ایک دفعہ ایک سربراہ ملک کو سیکولر طریقے سے موڑنا چاہتے تھے اور اتاترک کے نظام کو لانا چاہتے تھے خیال محمدؒ نے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کو بتایا کہ اس وقت کے قطب تکوین ارشاد احمد صاحب اردن سے آئے تھے، مجھے ساتھ لیا اور دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر سربراہ مملکت کے کمرے کے آگے لے جا کر کھڑا کر دیا اس نے دیکھا تو سخت حیرت اور خوف میں مبتلا ہو گیا کہ یہ آدمی اتنی سکیورٹی کے ہوتے ہوئے بغیر کسی اطلاع کے کیسے پہنچ

گیا کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا:

Do not be afraid of me. I`m neither jinn nor an angel. Im a Khayal Muhammad . This is my address that you can conform afterwards. What you may want to do in this country, you won`t be able to do that if you do not obey you will be death with ruthlessly, you have told the riwand people to stop ijtima apologies for this .

''آپ مجھ سے ڈریں نہیں میں کوئی جن یا فرشتہ نہیں، میرا نام خیال محمد ہے یہ میرا پتہ ہے بعد میں آپ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں جو آپ اس ملک میں کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں کر پائیں گے۔ اگر آپ نے یہ بات نہیں مانی تو آپ کے ساتھ بہت سختی کا رویہ ہوگا۔ آپ نے رائیونڈ والوں سے اجتماع نہ کرنے کو کہا ہے اس کی معافی مانگ لیں''۔

میرے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب ہوں گے:

وفات سے پہلے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے بارے میں فرمایا تھا کہ میرے بعد میری جگہ پر یہی ہوگا۔

سید مسرت حسین شاہ صاحبؒ

سید مسرت حسین شاہ صاحبؒ ڈاکٹر محمد امیر صاحب نقشبندیؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وفات کے بعد شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے بیعت ہو گئے شیخ الحدیثؒ اور مولانا محمد اشرف خان صاحبؒ دونوں حضرات کے سلسلے میں صاحب خلافت ہوئے۔ گورنمنٹ کالج جیسے ماڈرن ادارے میں رہ کر بھی بالغ ہونے کے بعد باشرع زندگی گزارتے رہے۔ فرماتے تھے میں نے کبھی داڑھی نہیں منڈوائی۔ مسرت حسین شاہ صاحب اعلیٰ تعلیم کیلئے

انگلینڈ جانا چاہتے تھے فرماتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر سید محمد نقشبندیؒ) کی چاہت نہیں تھی کہ میں انگلینڈ چلا جاؤں خیر انگلینڈ جاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے حسرت سے رخصت کیا اور آخری وصیت کے طور پر کہا کہ وہاں تبلیغ والے حضرات کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات ہوگئی لیکن ان کی چاہت یوں پوری ہوئی کہ شاہ صاحب تبلیغی جماعت کے ساتھ ہوکر ڈاکٹر صاحب کے محبوب دوست حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے دامن میں پہنچ گئے۔

پشاور یونیوسٹی میں مسرت حسین شاہ صاحب نے یونیورسٹی کے ایک فعال طالب علم کے طور پر کام شروع کیا تبلیغی تحریک سے تو انگلینڈ سے وابستہ تھے یہاں یہ وابستگی اور بھی گہری ہوگئی چونکہ مولانا زکریاؒ کا حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ خاص تعلق تھا اس لئے شعبہ انگریزی کی تعلیم اور تبلیغی کاموں کے علاوہ حضرت مولانا اشرف صاحب کی خدمت میں رہنے لگے چند دنوں میں پوری یونیورسٹی پر چھا گئے اور طلبا اور اساتذہ کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ بیماری کے دوران حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتھم سے فرمایا کہ مولانا اشرف خاںؒ کی طرف سے آپ کو اجازت ہیں میرا دل بھی یہ چاہتا ہے کہ حضرت الحدیث مولانا زکریاؒ کے سلسلے میں آپ کو اجازت دوں۔

حضرت جی انعام الحسنؒ، مولانا اشرف خان سلیمانیؒ اور خیال محمدؒ وہ اکابرین تھے جن کے ساتھ حضرت اقدس ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتھم کی بیعت کا تعلق تھا اور ان کی صحبتیں پائیں اب ان حضرات کے مشائخ کا تذکرہ بھی ضروری ہے تاکہ ان مبارک ہستیوں کی ایک جھلک بھی سامنے آجائے۔

مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت

حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کے شیخ حضرت مولانا محمد الیاسؒ تبلیغی جماعت کے بانی تھے وہ بچپن میں ہی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔ حالانکہ حضرت گنگوہیؒ اکثر بچوں کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ حضرت مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے بہت بوجھ محسوس ہوتا تھا حضرت گنگوہیؒ سے کہا تو وہ تھرا گئے (لرز گئے) اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسمؒ نے بھی یہی شکایت حاجی امداد اللہؒ سے فرمائی تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا اللہ پاک آپ سے کوئی کام لے گا۔ مولانا گنگوہیؒ کے انتقال کے وقت مولانا الیاسؒ سرہانے موجود تھے اور سورۃ یٰسین پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد شیخ الہندؒ سے دورہ حدیث کرنے کے بعد اپنے بھائی مولانا یحییٰؒ سے پھر دورہ حدیث کیا۔ حضرت گنگوہیؒ کے وفات کے بعد آپ نے مولانا محمود حسنؒ سے درخواست کی تو انھوں نے مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے رجوع کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ نے سہارنپوریؒ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لیا اور بیعت ہونے کے بعد آپ کی نگرانی اور رہنمائی میں منازل سلوک طے کئے۔

گنگوہ کے قیام کے دوران میں مولانا رشید احمد صاحبؒ کی وفات کے بعد زیادہ سکوت اور مراقبہ طاری رہتا تھا شاید سارا دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں۔ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے روضے کے پیچھے ایک بوریے پر بالکل خاموش دوزانوں بیٹھے رہتے تھے۔

میوات میں مولانا کے قیام کے دوران میں میواتی بکثرت بیعت میں داخل ہوئے۔ حضرت مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے تھے ایک دعوت میں میں بھی تھا اور حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا صاحب دعوت بہت دیر تک کسی انگریز افسر کی خوش اخلاقی کا تذکرہ کر رہے تھے اور ان کے حسن اخلاق کی تعریف بڑے ذوق ومحویت کے ساتھ کر رہے تھے۔ مولانا نے بہت دیر تک صبر وضبط کے ساتھ سنا مگر طبیعت پر بہت گراں گزری مجھ سے آہستہ سے فرمایا کہ کافر کے بھی

اخلاق ہوتے ہیں؟

تبلیغ کے ساٹھ نمبر:

مولانا عبید اللہ بلیاویؒ فرماتے ہیں جب شروع میں مولانا الیاسؒ نے اس مبارک کام کو شروع کیا تو اس وقت تبلیغی نمبر تیس اور ساٹھ تک پہنچ گئے میں نے خود وہ کاغذ دیکھا جس میں مولانا الیاسؒ نے میوات کے چوہدریوں کو جمع کر کے ساٹھ نمبر لکھوائے تھے لیکن مولاناؒ تبلیغ کے ان ساٹھ نمبروں کو کم کرتے کرتے بات چھ نمبروں پر لے آئے کہ ساٹھ زندہ کرنے میں دیر لگی گی اور ان چھ باتوں پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

قنوت نازلہ:

ایک جمعہ کو فجر کی نماز مولانا یوسف صاحبؒ نے پڑھائی اور قنوت نازلہ پڑھی نماز کے بعد ایک میواتی خادم نے آواز دی کہ حضرت یاد فرماتے ہیں۔ مولانا نے ارشاد فرمایا قنوت نازلہ میں دوسرے کفار کے ساتھ ان غیر مسلم فقراء اور اہل ریاضت کی نیت بھی کرنی چاہیے جو اپنی قلبی قوت کو اسلام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔

حضرت جی مولانا الیاسؒ کا جہری ذکر کا اہتمام:

حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اکابر میں مولانا شاہ عبد القادرؒ رائے پوری کو شدید بیماری سے کچھ پہلے تک اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور اپنے چچا جان مولانا محمد الیاسؒ کو دیکھا کہ بہت اہتمام سے ذکر **بالجہر** کرتے رہے۔ اور مشائخ سلوک کا یہ تو مقولہ مشہور ہے کہ جس چیز کی برکت سے یہاں پہنچے ہیں اب اس کو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (آپ بیتی ص ۱۶۳)۔ مرض الوفات

تک آپ کا (مولانا الیاسؒ) معمول **ذکر بالجہر** کا نہیں چھوٹا۔ تمام سال تہجد کے بعد ذکر کیا کرتے تھے۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن جلد اول صفحہ ۶۴، ۶۵)

حضرت جی مولانا الیاسؒ کا اپنے سے وابستہ تبلیغی حضرات کی نگرانی:

حضرت مولانا الیاسؒ نے اپنے سے وابستہ تبلیغی حضرات کی نگرانی کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک کو اُنکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ کارکنان میوات کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ''میرے دوستوں اور عزیزوں تمہارے ایک سال دینے کی خبر سے جو ابھی سے مسرت ہو رہی ہے وہ تحریر سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور توفیق مزید عطا فرمائے میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱) اپنے اپنے حلقے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ صاحب کو لکھے کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

۲) دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتلایا جاتا ہے ان کو نباہ رہے ہیں یا نہیں۔

۳) ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہو۔

۴) تم خود بھی ذکر و تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں تو بہت جلد اپنے غفلت پر نادم ہو کر شروع کرو۔

۵) جن کو بارہ تسبیحات (چشتیہ صابریہ کا مشہور مروجہ ذکر) بتائی گئی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کیا ہے۔ ہر ہر شخص سے دریافت کر کے نمبر وار تفصیل سے لکھو۔

۶) جو ذکر بارہ تسبیحات کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور (خانقاہ

مولانا عبدالقادر رائے پوری) جا کر گزارے۔(مکاتیب مولانا محمد الیاسؒ ۱۳۶،۱۳۸)

ایک مرید کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں ’’ذکر کی مقدار تم نے بہت غلط لکھی ہے وہ اس طرح ہے **لا الہ الا اللہ** دو تسبیح (دوسو بار) **الا اللہ** چار تسبیح (چارسو بار) پھر **اللہ اللہ** چھ تسبیح (چھ سو بار) سب میں قوت وہمت اور تعظیم وحلاوت ملحوظ خاطر رہنی ضروری ہے ہمیشہ مواظبت رہے ترک نہ ہو‘‘۔

اپنے بیٹے مولانا یوسف کو بیعت کرنا:

ان کے بارے میں لکھا ہے۔ ۱۹۳۵ء ۱۳۵۴ھ میں مولانا محمد یوسف اپنے والد مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت ہوئے۔حضرت شیخ کے توجہ دلانے پر یہ مبارک عمل وجود میں آیا۔ بیعت کے بعد حضرت مولانا الیاسؒ نے آپ کو ’’پاس انفاس‘‘ (ہر سانس کے ذریعے اللہ اللہ کرنا) کی تعلیم دی اور روزانہ تین ہزار مرتبہ اسم ذات تلقین فرمایا...... یہاں تک کہ مولانا محمد الیاسؒ نے ایک موقع پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سے فرمایا کہ یہاں جتنے لوگ ہیں اُن سب میں یوسف کی استعداد اعلیٰ ہے۔

حضرت مولانا الیاسؒ حضرت تھانوی کے تعلیمات کو عام کرنا چاہتے تھے:

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو حضرت تھانویؒ کے ساتھ ایک خاص قلبی تعلق تھا اور وہ حضرت تھانویؒ کے تعلیمات کو عام کرنا چاہتے تھے فرمایا۔

’’حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے بس میرا دل چاہتا ہے کہ تعلیمات تو اُن کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس سے اُن کی تعلیمات عام ہو جائے۔(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ صفحہ ۵۸)

حضرت مولانا الیاسؒ کا میوات کے تبلیغی کارکنوں کو حضرت مولانا تھانویؒ کی کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت:

حضرت مولانا الیاسؒ نے کارکنان میوات کو ایک خط میں چند ہدایات دیں۔ حضرت تھانویؒ کے لئے ایصال ثواب کا بہت اہتمام کیا جائے، ہر طرح کی خیر سے اُن کو ثواب پہنچایا جائے، کثرت سے قرآن شریف کے ختم کرائے جائیں، یہ ضروری نہیں کہ سب اکٹھے ہو کر پڑھیں بلکہ ہر ہر شخص کا تنہائی میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے، تبلیغ میں نکلنے کا ثواب زیادہ ہے اس صورت میں زیادہ پہنچاؤ۔ حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کی محبت ہو، ان کی آدمیوں (خلفاء) سے محبت ہو اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جائے۔ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آئے گا اور ان کے آدمیوں (خلفاء) سے عمل۔ (مکاتیب مولانا الیاسؒ صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸)

مولانا سید سلیمان ندویؒ

حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتھم کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ ان کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو ضلع پٹنہ بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان مدتوں سے دینداری اور تقویٰ میں ممتاز چلا آ رہا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء میں

داخل ہوئے یہاں سات سال رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ طالب علمی کے زمانے میں متانت و سنجیدگی، تہذیب وشائستگی اور خلق مروت میں ممتاز تھے۔ ۱۹۰۷ء میں ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کا پہلا جلسہ تھا اس جلسہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں جدید اور قدیم علوم کے ماہرین دارالعلوم ندوۃ کے بلند و بانگ دعوؤں کا امتحان کرنا چاہتے تھے اس سلسلہ میں سید صاحبؒ نے علوم جدید وقدیم کے موازنہ پر اردو میں تقریر کی۔ تقریر کے دوران میں کسی نے اٹھ کر کہا کہ اگر یہ عربی میں تقریر کریں تو ندوۃ کے تعلیمی کرامات پر ہم یقین کرلیں۔ سید صاحبؒ نے کھڑے کھڑے عربی میں ایسی تقریر کی کہ لوگ حیرت میں آگئے۔ مولانا شبلی نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ تقریر پہلے سے تیار کر کے لائے ہیں اگر کوئی صاحب چاہے تو اسی وقت موضوع مقرر کردیں یہ تقریر کریں گے۔ حاضرین میں سے خواجہ غلام الثقلین نے یہ موضوع دیا کہ ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیونکہ کرہو'' سید صاحب نے بغیر کسی دِقت کے فصیح وبلیغ عربی میں تقریر شروع کردی یہ دیکھ کر پورا جلسہ محو حیرت ہوگیا اور ہر طرف سے نعرہ ہائے آفرین بلند ہونے لگے۔ مولانا شبلیؒ نے غایت خوشی میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر اپنے شاگرد کے سر پر باندھ دیا یہ ہندوستان کی عربی تعلیم کی تاریخ میں نیا واقعہ تھا اس لئے اس کا غلغلہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔

جو تحریر و تقریر حمد و ثناء سے شروع نہ کی جائے وہ ناقص ہے:

سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۹ء سے میرا دارالعلوم ندوۃ العلماء سے باقاعدہ استفادہ شروع ہوا اور طالب علمی کا تعلق قائم ہوا۔ اس وقت سید صاحبؒ دارالعلوم کے معتمد تعلیم تھے۔ وہ ندوہ کے جلسۂ انتظامی کے علاوہ بھی تشریف لاتے تھے اور کئی کئی دن قیام بھی کرتے، کبھی کبھی طلباء کے جلسوں میں بھی تشریف لے آتے۔ ایک مرتبہ طلباء کا عربی

کا جلسہ ہو رہا تھا جب میری تقریر کی باری آئی تو میں نے اپنی عادت کے مطابق حاضرین جلسہ کو مخاطب کر کے بلا کسی خطبہ مسنونہ کی تقریر شروع کر دی سید صاحبؒ نے ٹوکا اور وہ حدیث یاد دلائی جس میں فرمایا گیا ہے جو تحریر و تقریر حمد و ثناء سے شروع نہ کی جائے وہ ناقص اور عیب دار ہیں میرے لئے بڑی دشواری پیش آئی کہ اس وقت حمد و ثنا کی مناسب الفاظ اور موضوع کی رعایت سے پڑھوں جس کے لئے میں نے تیاری نہیں کی تھی میں کچھ دیر خاموش رہا اور پھر تقریر شروع کر دی سید صاحب نے پھر ٹوکا میں نے کہا میں نے آہستہ پڑھ لیا ہے اس پر سید صاحب مسکرائے۔

اللہ کے ایک ولی سے دشمنی کا انجام:

سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ دارالعلوم میں طلباء نے بعض انتظامی امور کی وجہ سے اسٹرائیک شروع کر دی اس سٹرائیک کی قیادت ہمارے بعض عزیز شاگرد کر رہے تھے۔ان میں سے ایک ہمارے عزیز ترین شاگرد علی احمد کیانی تھے۔ بہت ہی ذہین لڑکا تھا دوسرے اور تیسرے درجے میں یہ حال تھا کہ صرف ونحو کی غلطی اس سے ہونی بہت مشکل تھی میرے استاذ خلیل عرب صاحب نے ایک مرتبہ ان کی امتحان کی کاپی دیکھ کر جب وہ درجہ دوم سوم میں پڑھتے تھے، یہ کہا کہ کاپیاں مجھے دے دو اور جتنا کہو میں ندوہ کیلئے چندہ لے آؤں چوتھے اور پانچویں درجہ، میں پہنچ کر وہ برجستہ تقریر کرنے لگے۔حافظہ اس بلا کا تھا کہ ہزاروں شعر اقبال و اکبر وظفر علی خان نوک زبان پر تھے۔ میرے بعض مضامین کا عربی ترجمہ بھی کیا۔ وہ اسٹریک کے بعد کراچی گئے تو اپنی نوعمری کے باوجود کراچی کے علمی مجلسوں میں علامہ کیانی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ چونکہ اسٹرائیک اور طلباء کے نمائندہ بھی تھے ان کے سب استاذوں کو بالخصوص ان کے اس ہنگامے میں نہ صرف شریک ہونے بلکہ

قائد بننے سے سخت قلق تھا زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس اسٹرائیک کی زد سید صاحب کی شخصیت اوران کی معتمدی پر پڑتی تھی بلکہ وہ ندوۃ کے مربی اور حقیقی سرپرست تھے اوراس کے لئے سینہ سپر تھے۔سید صاحب کے دل کو بھی اس ہنگامہ سے بڑی چوٹ لگی ان کے دل میں ندوۃ کی خدمت اور طلباء کی تربیت کے لئے بہت بڑی بڑی امنگیں تھیں ان کو اس سے اپنے تمناؤں کا خون اور اپنی کوششوں کی ناکامی کا منظر نظر آیا اور بہت دل شکستہ اور افسردہ ہوگئے۔انہی دنوں میں علی احمد پر جنون کا دورہ پڑا حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے گھر والوں نے رسیوں سے باندھ دیا ان کے بھائی میرے برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کو ان کو دکھانے کے لئے گھر لے گئے میں بھی خصوصی تعلق کی بناء پر ساتھ ہوگیا۔مرحوم کو جب رسیوں سے باندھ کر دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ یہ نوجوان اپنی جوانی میں ذکاوت اور صحیح الدماغی میں اپنے ساتھیوں کے لئے قابل رشک تھا،اس حالت میں ہے۔ بھائی صاحب نے نسخہ لکھا اور تشریف لے آئے سید صاحب اس زمانہ میں اتنے دل برداشتہ تھے کہ دارالعلوم میں قیام بھی نہیں فرمایا ہمارے ہی گھر میں مقیم تھے میں نے ایک دن تنہائی میں موقع پا کر عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ علی احمد کی زبان سے آپ کی شان میں کوئی لفظ نکل گیا ہے اس طوفان بدتمیزی میں کچھ بعید نہیں کہ ان پر جذباتیت غالب آ گئی ہو اور ناگفتنی کا ارتکاب کیا ہو حدیث شریف میں آیا ہے " مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیّاً فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ" (بالحدیث) اور آپ تو ان کے محسن اور مربی تھے سید صاحب نے اس کے جواب میں تواضع اور فروتنی کے الفاظ فرما دیئے اور فرمایا میں کیا چیز ہوں میں نے دوبارہ عرض کیا اور دعا کی درخواست کی سید صاحب نے اس پر سکوت فرمایا۔دوسرے یا تیسرے دن مجھ سے فرمایا کہ مولوی علی صاحب میں نے آپ کی حکم کی تعمیل کر دی اب اس واقعہ کو سید صاحب کی کرامت سمجھا جائے یا اس کو کسی اور بات پر محمول کیا جائے کہ عزیز موصوف بالکل اچھے

ہو گئے اور جہاں تک مجھے علم ہے دورہ بھی پھر کبھی نہیں پڑا۔ افسوس ہے کہ یہ شعلۂ مستعجل بالکل نوعمری میں گل ہو گیا۔

علمی لحاظ سے تو مولاناؒ کا شمار دنیا کے چند گنے چنے علماء میں ہوتا تھا لیکن فقیر راقم الحروف حضرت سید صاحب کی زندگی کے صرف چند روحانی جھلکیوں کو قارئین کے سامنے پیش کرے گا۔

شیخ کی تلاش:

حضرت سید صاحب کو شیخ کی تلاش برابر جاری رہی اور اس جستجو میں برابر دس سال گذر چکے تھے چونکہ حضرت کو اصل کشش حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے تھی اس لئے ساری مدت میں ہر طرف پھر کر نظر خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) پر ہی پڑتی تھی۔ حضرت سید صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ کامل دس برس چپکے چپکے ہندوستان سے عرب تک نظر دوڑاتا رہا لیکن کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آتی تھی جو میرے درد کی درمانی کرے بعض بزرگ ملے بھی تو طبیعت کو ان سے مناسبت نہیں ہوئی بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کاش حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ حیات ہوتے برسوں سے سینے میں آگ سلگ رہی تھی جب ۱۹۲۹ء میں انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو عالم رؤیا میں دیکھا تو سید صاحب نے ان کے سینے کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس کو ایسا کر دیجئے۔ حضرت حاجی صاحب نے مسکرا کر فرمایا اب تو اس میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ہندوستان میں اس وقت حضرت حاجیؒ کے خلیفہ ارشد تنہا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ اور انہی کی ذات بابرکت سے خانقاہ تھانہ بھون کو وہ مرجعت حاصل تھی جو گیارہویں صدی میں مجدد الف ثانیؒ کو حاصل تھی اس لئے سید صاحب کا برسوں کا یہ سفر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے آستانے پر آ کر

تمام ہوا اسی دوران ایک خواب دیکھا کہ ایک پلنگ پر حضرت تھانویؒ تشریف فرما ہیں اسی کے ساتھ دوسرے پلنگ پر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ خود حضرت سید صاحب بیٹھے ہوئے ہیں یکا یک مولانا مدنیؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت والا کا ہاتھ پکڑ کر مرشد تھانویؒ کی خدمت پیش کرتے ہوئے فرمایا ان کو میری طرف سے قبول کرلو۔ حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۸ء میں مولانا عبدالباری ندویؒ تھانہ بھون میں مقیم تھے اور اصرار کے ساتھ خط لکھا کہ میری اس حاضری کے زمانے میں ہمت فرما کر آہی جائیں۔ حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کہ اصرار کی وجہ یہ تھی کہ حضرت تھانویؒ کا سلسلہ علالت (بیماری) طول پکڑتا جا رہا تھا کہ یہ آفتاب رشد و ہدایت و تربیت لب بام نہ ہو۔ چنانچہ سید صاحبؒ تھانہ بھون پہنچ گئے لیکن حضرت حکیم الامتؒ اپنے علاج کی غرض سے لکھنو گئے ہوئے تھے۔ تھانہ بھون میں مرشد تھانویؒ کو نہ پاکر حضرت والا لکھنو پہنچے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں ایک مجذوب نے آپ کے ایک مرید سے پوچھا تمہارا پیر کہاں گئے ہوئے ہیں انہوں نے کہا کہ علاج کی سلسلے میں لکھنو تشریف لے گئے ہیں اس مجذوب نے قہقہہ لگایا اور کہا علاج ولاج تو ایک بہانہ ہے ایک شہباز کے شکار کو گئے ہیں اور شکار کر کے لائیں گے۔

بیعت:

حضرت تھانویؒ کے بیماری کے سبب عام ملاقات کا سلسلہ تو بند تھا البتہ مخصوص خدام جیسے خواجہ عزیز الحسنؒ وغیرہ کے لئے حاضری پر پابندی نہیں تھی حضرت سیدؒ کے بغرض رجوع کرنے کی اطلاع جب حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچی تو فوراً بلا لیا گیا اور بیعت فرمایا اس طرح دس سالہ تلاش اگست ۱۹۳۸ء میں بار آور ہوئی بیعت ہونے کے بعد حضرت سیدؒ

نے حضرت تھانوی کے مواعظ ورسائل کا مطالعہ شروع کر دیا اور دوران مطالعہ احوال وکیفیات میں ان سے نئی نئی گر ہیں کھلتی رہی فرماتے ہیں کہ افسوس کہ اتنے دنوں غافل کیوں رہا اور مزید فرماتے ہیں کہ دس بارہ برس سے جو چیز نظری طور پر سمجھ نہ آئی تھی وہ عملاً سمجھ میں آ گئی ہے۔اب تلافی مافات میں مصروف ہوں۔

مزید فرماتے ہیں کہ ''واہ واہ کا مزہ بہت اٹھا چکا ہوں اور اب یہ رنگ دل سے اتر چکا ہے اب تو آہ آہ کا دور ہے اور اپنی پچھلی تباہی کا ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے''۔ یہ آہ آہ یعنی کثرت استغفار وذکر اس درجہ بڑھا کہ دارالمصنفین کے ایک رکن نے بتایا کہ دارالمصنفین کے درودیوار پر اس کا اثر چھا گیا تھا۔

سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب رفیق دارالمصنفین کا بیان ہے کہ اس تعلق کے ساتھ سید صاحبؒ کے لیل ونہار ہی بدل گئے اگر چہ ان کی پوری زندگی دینداری اور پرہیزگاری میں گزرتی رہی لیکن بادہ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد ان کی دینداری میں تقویٰ کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہو گیا عبادت وریاضت بڑھ گئی ذکر خفی کے ساتھ ذکر جلی بھی کرنے لگے تقریر وخطابت نے وعظ وپند کی شکل اختیار کر لی زیادہ وقت علمی مذاکروں کی بجائے رشد وہدایت میں صرف ہونے لگا۔ (سلیمان نمبر معارف)

تبتل:

حضرت سیدؒ کے داماد جناب سید حسین صاحب فرماتے ہیں کہ ''پہلے دارالمصنفین کے کاموں سے خالی اوقات کا کافی حصہ اہل وعیال کے ساتھ گزارتے اب اوقات کا بڑا حصہ خلوت میں گزرتا۔خواہ مسجد میں ہو یا اپنے مسکونہ کمرہ میں اب پہلے عصر کے بعد چائے

رفقائے دارالمصنفین کے ساتھ نوش فرماتے اور مغرب تک ان سے مختلف مسائل پر گفتگو فرماتے یہ مجلس بھی ختم ہوگئی کبھی کبھی عزیز و رشتہ دار اہلیہ محترمہ سے اشتیاق ظاہر کرتے کہ قبلہ سے کچھ باتیں سنوا دیجئے عرصہ ہوا ان کی محبت میسر نہیں آئی اہل وعیال واحباء کی درخواست آپ کم مسترد فرماتے تھے۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصور جاناں کیئے ہوئے

اس لئے ان کی دلجوئی کیلئے برآمدہ یا آنگن میں تشریف رکھتے مگر دل کہیں اور ہوتا سب کی خیر وعافیت دریافت فرماتے اور جلد ہی کہیں اٹھ کر جانا چاہتے اگر کوئی اصرار کرتا تو تھوڑی دیر کیلئے رک بھی جاتے لیکن سب کو یہ محسوس ہوتا کہ

چسکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح شام کا
اب میں تمھارے کام کا ہم نفسو نہیں رہا

(مجذوب)

یہ سب چیزیں گویا فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَرْغَبْ کی طرف اشارہ تھا۔

خلعت کو کیڑے کھا گئے:

خورد نوش اور لباس وغیرہ میں بھی بڑی تبدیلی آگئی پہلے کے لباس فاخرہ صندوقوں میں ہی بند رہ گئے۔ بادشاہ کی عطا کردہ خلعت (جب آپ افغانستان کے دورے پر گئے تھے اس وقت شاہ افغان نادر شاہ نے آپ کو خلعت عطا فرمایا تھا) کو کیڑوں نے چاٹ لیا بہت سے لوگ جنہیں آپ کے ساتھ بے تکلفی تھی کبھی عرض کرتے کہ حضرت تصوف کہ یہ معنیٰ تو نہیں کہ انسان کو کپڑا بدلنے کی خبر نہ رہے تو مسکرا کر فرماتے اب بوڑھا ہوگیا ہوں یاد نہیں رہتا آپ یاد دلایا کریں۔ (سلیمان نمبر معارف)

خلافت:

برسوں کی منزلیں دنوں میں طے ہوتی چلی گئیں۔ایک مرتبہ حکیم الامتؒ کی طرف سے ایک خط وصول ہوا جس کا عنوان تھا استشارہ بعداز استخارہ اوراس میں لکھا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دوں اس سلسلہ میں، میں نے استخارہ بھی کرلیا ہے اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟ حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا چونکہ قریب ہی تھانہ بھون کی حاضری کا قصد تھااس لئے میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ جب حاضر خدمت بھی ہوا تو خاموش ہی رہا آخرایک دن حضرت والا کی طرف سے ایک پرچہ ملا کہ" آپ نے میرے استشارہ کا جواب نہیں دیا"اس اصرار پر میں نے جواب لکھا کہ حضرت والا کا سب مکتوب گرامی پڑھ کر قدموں تلے سے زمین نکل گئی کہاں میں اور کہاں یہ ذمہ داری بس یہ جواب پانا تھا کہ شیخ الشیوخ کے قلب میں **الحمد للہ** کی ایک صدا اٹھی اور سید صاحب کو خلافت سے سرفراز فرمایا حضرت سید صاحب کو خلافت عطافرما کر حضرت والا اس قدر مطمئن تھے کہ بار بار فرمایا کہ **الحمد للہ** اب مجھے کوئی فکر نہیں میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید سلیمان ندویؒ،مولانا فقیر محمدؒ،مولانا عبدالحمید ہرمزیؒ،مولانا رسول خان ہزارویؒ،مولانا یوسف بنوریؒ اور شاہ ابرارالحقؒ کے ذریعے شیخ المشائخ، قطب الاقطاب،

مجددالملت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (چشتی، نقشبندی، سہروردی، قادری، حنفی) کا فیض ہمارے سلسلہ (اشرفیہ عزیزیہ) کو پہنچا۔ حضرت مجدد تھانویؒ کے مجددانہ کارناموں میں جماعت سازی کے اس دور میں انبیائی طریق پر افراد سازی کا کارنامہ اور 100 سے اوپر خلفاء ومجازین وہزاروں تربیت یافتہ وخدارسیدہ افراد ورجال کار انہی کے ذریعے برصغیر پاک وہند کے چپے چپے پر اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی وسرفرازی، شرک وبدعت کے خاتمے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو عام کرنے کے لئے تیار ہوئے۔

جس طرح دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم (سہارنپور)، ندوۃ العلماء، مدرسہ شاہی مرادآباد کی نسبتیں حضرت حاجی صاحبؒ سے جڑی ہوئی ہیں اسی طرح دارالعلوم کراچی ہو یا جامعہ فاروقیہ (کراچی) دارالعلوم بنوری ٹاؤن ہو یا اشرف المدارس (کراچی) یا جامعۃ الرشید ہو یا جامعہ اشرفیہ لاہور یا امدادالعلوم (پشاور) ہو یا اس کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں چھوٹے بڑے دیگر مدارس، ان سب کی نسبتیں حضرت مجدد تھانویؒ سے جڑی ہوئی ہیں۔

آپ کے حلقہ ارادت میں شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ، سید الملت سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ (جامعہ اشرفیہ لاہور) حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ (دیوبند) استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ (خیر المدارس ملتان) مخدوم العلماء مولانا اطہر سلہٹیؒ، شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلویؒ، مناظر الاسلام مولانا مرتضیٰ چاندپوریؒ، محدث کبیر مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ شیخ الوقت مولانا شاہ عبدالغنیؒ پھولپوری، مولانا فقیر محمد پشاوریؒ، محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ، عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ جیسے اساطین علم وفضل شامل ہیں۔

تجدید دین:

تجدید دین ایک اہم شعبہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر صدی میں ایک اہم شخصیت اس ذمہ دار منصب کے لئے پیدا کی جاتی رہے گی۔ چاروں خلفاء راشدین ، چاروں فقہا، عمر بن عبدالعزیزؒ، سلسلہ تصوف کے مستند مکاتب فکر کے چاروں سرخیل، ہندوستان میں مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اشرف علی تھانویؒ اس مقدس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مجدد:

مجدد کا درجہ قطب الارشاد، قطب التکوین اور قطب الاقطاب سب سے اوپر ہوتا ہے۔ اور کتاب وسنت کی تعلیم کا مظہر اتم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے کتاب وسنت کا عملی نمونہ بنا کر امت مسلمہ کی اصلاح کرنے اور ان کو خدا اور رسول کے راستہ پر لانے کے لئے لایا جاتا ہے۔ چونکہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔ اس لئے کار نبوت کو جاری رکھنے کے لئے اور اس کے راستے سے مفاسد و بدعات کو ہٹانے کے لئے حق تعالیٰ نے ہر صدی کے بعد مجدد بھیجنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ غرض یہ کہ مجدد کا درجہ ولایت میں سب سے بڑا درجہ ہوتا ہے۔

تائید بزرگان

بے شک وہ مجدد تھے:

ایک صاحب کے سوال پر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ارشاد فرمایا بے شک وہ

(حضرت تھانویؒ) مجدد تھے انھوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو اس کی بہت احتیاج تھی۔ (جواہرات مدنی، تالیفات اشرفیہ)

مولانا یحییٰ کاندھلویؒ:

مولانا گنگوہیؒ کے خاص خادم، رازدان اور مزاج آشنا مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ اب تک میرا گمان یہ تھا کہ اس صدی کے مجدد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے لیکن اب میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے مولاناؒ کا فیض تو خاص تھا اور زیادہ تر آپ سے علماء فیض یاب ہوئے۔ لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کو اس وقت عام نفع مولانا تھانویؒ سے بہت پہنچ رہا ہے۔ اس لئے مجددیت کی شان ان میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت تھانویؒ کا درجہ مجددیت سے بھی عالی ہو۔

حضرت مولانا روشن خان مرادآبادیؒ خلیفہ مجاز مولانا گنگوہیؒ:

حضرت مولانا روشن خانؒ، حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ مجاز اور بڑے صاحب سوز وگداز بزرگ تھے۔ ان کے مرض وفات میں حضرت تھانویؒ اور خواجہ عزیز الحسنؒ (خلیفہ حضرت تھانوی صاحب اشرف السوانح) ان کے پاس بغرض عیادت تشریف لے گئے۔ انھوں نے حالت مرض بیان کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ سے نہایت جوش کے ساتھ آبدیدہ ہو کر متغیر لہجہ میں فرمایا خیر یہ تو مرض کے حالات ہیں اب آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس صدی کا مجدد بنایا ہے۔ حضرت تھانویؒ گردن جھکائے ہوئے اور نہایت عجز وانکساری کے ساتھ سنتے رہے اور پھر ہاتھ اٹھا کر عفو وعافیت کی دعا مانگی۔ مولانا روشن خان مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ثقہ مرید نے

عزیز الحسن مجذوبؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) سے ذکر کیا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت تھانوی کے مجدد ہونے کا پورا وثوق تھا یہاں تک کہ مجھ کو خاص طور پر مولانا تھانوی کی خدمت میں یہ ارشاد فرما کر بھیجا تھا کہ ان کے پاس ضرور حاضر ہو وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔

مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوری کے فرزند مولانا انوار الحسن کا خواب:

میں نے سفر حج میں بمقام مدینہ طیبہ حضرت مولانا تھانویؒ کے متعلق ایک خواب دیکھا حالانکہ اس زمانہ میں مجھ کو حضرت مولاناؒ سے کوئی عقیدت بھی نہ تھی۔ البتہ ایک بڑا عالم سمجھتا تھا۔ اور میرا خاندان بھی علماء حق کا کچھ زیادہ معتقد نہ تھا۔ عرض حضرت مولانا کا مجھ کو مدینہ طیبہ میں کوئی بعید سے بعید خیال بھی نہ آیا تھا۔ کہ ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم چارپائی پر بیمار لیٹے ہوئے تھے۔ اور حضرت مولانا تھانویؒ تیمار داری فرما رہے تھے اور ایک بزرگ دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے تھے جن کے متعلق خواب ہی میں معلوم ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔ آنکھ کھلنے پر فوراً میرے ذہن میں تعبیر آئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بیمار ہے۔ اور حضرت مولانا تھانویؒ اس کی تیمار داری بھی اور اصلاح بھی فرما رہے ہیں۔ لیکن وہ بزرگ طبیب جو دور بیٹھے نظر آئے تھے۔ وہ سمجھ میں نہ آئے کون تھے۔ واپسی ہندوستان پر میں نے حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں یہ خواب لکھ کر بھیجا اور جتنی تعبیر میری سمجھ میں آئی وہ بھی لکھ دی۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ وہ بزرگ طبیب کون تھے وہ میری سمجھ میں نہ آئے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے تحریر فرمایا وہ حضرت امام مہدی علیہ رضوان تھے اور وہ چونکہ زمانہ بعید میں ہیں اس لئے خواب میں مکاناً بعید دکھائی دیئے۔ (اس خواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی اور امام مہدی علیہ رضوان کے درمیان اور کوئی مجدد پیدا نہ ہوگا۔)

بعض لوگوں کو حضرت تھانویؒ سے ان کے مجدد ہونے کے بارے میں استفسار:

ایک مولوی صاحب نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت آپ مجدد وقت ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ احتمال تو مجھ کو بھی ہے۔ مگر ظن سے زائد نہیں۔ ایک دوسرے مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں اس سے بھی واضح جواب دیا کہ ''چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کا احتمال مجھے بھی ہے''۔

علامات مجدد:

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ فرماتے ہیں ''ایک بار احقر نے عرض کیا کہ کسی کا مجدد ہونا رائے سے معلوم ہوتا ہے''۔ فرمایا رائے سے معلوم ہوتا ہے، اس کی علامات ہیں۔

۱) مجدد صدی کے شروع میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ فیض اتم اس کا صدی کے شروع میں ظاہر ہوگا۔ گو وہ پہلی صدی میں پیدا ہو۔

۲) اس کے کلام میں اثر ہوتا ہے۔

۳) وہ ہر جزوِ دین میں اصلاح کے لئے دخل دیتا ہے۔

۴) ان کو وہ بات سوجھتی ہے جو اس کے بڑے بڑوں کو نہیں سوجھی۔

۵) جو اس سے بد اعتقاد ہوگا وہ برکات باطنی سے محروم رہتا ہے۔

واقعاتی تائید:

جب ہم حضرت تھانویؒ کی زندگی پر نظر دوڑاتے ہیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ

حضرت تھانوی چودھویں صدی کے شروع میں یعنی ۱۳۰۱ھ میں علوم ظاہری سے فارغ ہوئے۔ چودھویں صدی کے آغاز میں کانپور میں بیٹھ کر درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کے ذریعے فیض رسانی خلق میں مصروف رہے۔ اسی دوران حاجی صاحب سے خلافت ملنے کے بعد افادۂ خلق میں مشغول ہوئے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں اصلاح امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر ان کی نظر تھی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، فاسقوں سے لے کر صوفیوں تک، درویشوں سے لے کر زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک، استادوں اور مدرسوں تک ہر صنف امت اور ہر جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی۔ پیدائش شادی بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا۔ اور رسوم وبدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹایا۔ تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، معاملات، اخلاقیات، عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی زندگی کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق بھی پورا سامان کر دیا۔ (جامع المجد دین)

آپ کا لقب حکیم الامت:

آپ کا لقب مولانا مرزا محمد بیگ مالک مطبع محبوب المطابع دہلی کو القاء ہوا۔ جنہوں نے اسے بعینہ اسی طرح حضرت کے پتہ پر تحریر کیا۔ جس طرح مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے نام کے ساتھ ''مجدد الف ثانی'' لکھ دیا جو خود بخود زبان خلق پر نقارہ خدا ہو کر رواج پا گیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جب کسی تحریر میں حضرت کے نام کے ساتھ حکیم الامت لکھا ہوا نہ پاتے تو بہت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جب قلوب رجال اللہ میں ان کے لئے ایک لقب ڈال دیا ہے۔ تو اس کو چھوڑنا نہ چاہیے اس میں حضرت حق کے ساتھ سوءِ ادب ہے۔

پیدائش، لڑکپن:

آپ کی پیدائش ۵ جمادی الثانی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی آپ کو لڑکپن ہی سے تہجد کی عادت پڑ گئی تھی۔ ابھی آپ بارہ برس ہی کے تھے کہ آپ کی تائی صاحبہ جن کو آپ سے بہت محبت تھی نصف شب کو نوافل و وظائف میں آپ کو مشغول دیکھ کر بہت کڑھتیں اس خیال سے کہ بچہ ہے کہیں ڈر نہ جائے ان کے تہجد کے وقت اٹھ بیٹھتیں۔

ذہانت وذکاوت:

حصول علم کے دوران آپ دوسرے ہم سبقوں سے زیادہ ممتاز تھے۔ جب مولانا گنگوہیؒ طلباء کا امتحان لینے اور دستار بندی کے لئے تشریف لائے تو شیخ الہندؒ نے حضرت والا کی ذہانت اور ذکاوت کی خاص تعریف فرمائی۔

گھر سے تبلیغ:

ایک بار آپ کے والد ماجد نے کسی کی اراضی رہن رکھ لی جبکہ آپ ابھی زیر تعلیم تھے جب اس کی خبر آپ تک پہنچی تو آپ نے فرض تبلیغ کی ادائیگی کے لئے انھیں لکھ دیا کہ یہ ناجائز ہے۔ اس پر آپ کے والد ماجد نے اپنے ایک ملنے والے ہندو سے شکوہ کیا۔ ہم نے ایک لڑکے کو عربی پڑھوائی ہے۔ وہ ہمیں ہر بات پر ٹوکتا ہے کہ یہ بات خلاف شرع

ہے، یہ بات ناجائز ہے، ہمیں رائے دیتا ہے کہ رہن رکھنا چھوڑ دو۔ یہ سن کر اس ہندو نے کہا کہ منشی جی یہ تو بڑے خوش ہونے کی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا لڑکا بڑا لائق ہے۔ آپ کا بڑا خیر خواہ ہے۔ اگر آپ اسے قانون پڑھاتے تو آپ کو قانون بتاتا، طب پڑھاتے تو نافع ومضر چیزیں بتاتا۔ آپ نے اس کو دین پڑھایا ہے۔ تو لامحالہ دین ہی کی باتیں بتائے گا۔

دستار بندی:

۱۳۰۱ھ میں جب دیوبند میں شاندار جلسہ ہونا قرار پایا۔ جس میں آپ کی دستار بندی ہونے والی تھی تو آپ دستار بندی کی خبر سن کر اپنے چند ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا حضرت سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی۔ اور سند فراغ دی جائے گی۔ حالانکہ ہم لوگ ہرگز اس قابل نہیں اس تجویز کو منسوخ فرمایا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسے کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی۔ یہ سن کر حضرت مولانا کو جوش آگیا اور فرمایا تمہارا یہ خیال غلط ہے یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیے باہر جاؤ گے تو اپنی قدر معلوم ہوگی جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہوں گے۔ باقی سارا میدان صاف۔

حضرت شیخ محمد تھانویؒ:

حضرت شیخ محمد تھانویؒ حضرت میاں جی نور محمدؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے اور

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے۔ جب آپ کو مکتب جاتے دیکھتے تو فرماتے میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

مولانا یعقوب نانوتویؒ:

یہ حضرت تھانویؒ کے خاص الخاص اور سب اساتذہ سے زیادہ محبوب اور محترم استاد تھے۔ دار العلوم دیوبند کے مدرس اول تھے۔ فن درس وتدریس اور علوم ظاہر میں یگانہ روزگار اور بڑے صاحب باطن اور صاحب کشف وکرامات تھے اور اولیائے کاملین میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء عظام میں شمار ہوتے تھے اور قطب التکوین کا درجہ رکھتے تھے۔

مولانا رفیع الدینؒ دیوبند کے پہلے مہتمم کا حضرت تھانویؒ کو بشارت:

حضرت مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ (مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتویؒ کے استاد حدیث) کے خلیفہ تھے۔ جن دِنوں حضرت تھانوی دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے ان دنوں یہ اس کے مہتمم تھے وہ گو عالم نہ تھے۔ مگر بصیرت باطن سے بہرہ ور اور اونچے درجے کے منتظم تھے۔ ان کی حضرت پر خاص نظر عنایت تھی۔ ایک دفعہ حضرت تھانویؒ انہیں ملنے گئے تو وہ چارپائی پہ کچھ اس انداز سے بیٹھے تھے۔ کہ پائنتی کی طرف جگہ بالکل کم بچی ہوئی تھی۔ آپ غائت ادب کی وجہ سے پائنتی کی طرف بیٹھنے لگے تو مولانا نے ہاتھ پکڑ کر سرہانے کی طرف بٹھانا چاہا۔ حضرت عذر کرنے لگے تو فرمایا کہ اپنے بڑوں کا کہنا ماننا چاہیے۔ جہاں بٹھائیں وہیں بیٹھنا ادب ہے۔ اس پر حضرت طوعاً وکرہاً سرہانے بیٹھ گئے اس موقع پر مولانا نے حضرت اقدس کو دارا شکوہ اور عالمگیر کی اس بزرگ سے ملاقات کا قصہ سنایا جس کے پاس دونوں باری باری حصول تخت وتاج کی دعا کرنے گئے تھے۔ دارا شکوہ تو اس بزرگ کے اصرار کے باوجود ان کی مسند پر نہ

بیٹھا اور غائت ادب کی وجہ سے نیچے بیٹھ گیا اور جب دعا کی درخواست تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں تخت پر بٹھانا چاہا تھا تم خود نہیں بیٹھے جس کا اسے از حد افسوس ہوا اور اس نے عالمگیر سے یہ واقعہ چھپایا۔لیکن جب عالمگیر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بزرگ نے انھیں اپنی مسند پر بیٹھنے کو فرمایا تو فی الفور اس پر بہ تعمیل حکم بیٹھ گئے اور جب انھوں نے تخت وتاج کی درخواست کی تو اس بزرگ نے فرمایا کہ تخت پر تو میں نے بٹھایا، رہا تاج تو وہ میرے اختیار میں نہیں وہ تمہارے فلاں خادم (جو کہ اونچے درجے کے اولیاء کرام میں سے تھے اور اورنگ زیب کو اس کا پتہ نہ تھا) کے اختیار میں ہے۔گویا اس باریک پیرایہ میں مہتمم صاحب نے حضرت کو اعزاز دینی کی بشارت دی جو اس دور میں سوائے حضرت کے اور کسی کو نصیب نہ ہوا کیوں کہ اس صاحب فراست بزرگ نے تاڑ لیا تھا کہ یہ طالب علم تو پیدائشی صالح تھے اس لئے وہ بسا اوقات آپ کو سفر میں بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ بلکہ اکثر آپ کو امام بنا کر خود پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

پڑھانے کے دوران اللہ پاک کی مدد:

پڑھنے پڑھانے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے ایسے استاد کے لیے جسے قبل از معلّمی کی تربیت حاصل نہ ہو اسے متعلمی سے فوراً معلّمی پر بٹھا دیا جائے اور اسکے پڑھانے کیلئے بڑی بڑی کتابیں رکھ دی جائیں۔تو اس کا گھبرا جانا لازمی امر ہے۔ چنانچہ شروع شروع میں حضرت تھانویؒ بھی اسی کام سے بہت گھبرائے کہ یا اللہ میں ان کتابوں کو کیونکر پڑھا سکوں گا۔

۱) حضرت تھانویؒ ’’الصدق الرویا‘‘ میں فرماتے ہیں کہ احقر نے جب حدیث کا درس شروع کیا تو استاذی حضرت مولنا محمد یعقوب نانوتویؒ کی زیارت سے اس طرح

مشرف ہوا کہ میرے روبرو ایک جماعت صحیح بخاری پڑھنے والوں کی موجود ہے اور ایک نسخہ بخاری کا میرے سامنے ہے جس کو دیکھ کر میں درس دیتا ہوں اور میرے برابر حضرت استاذی تشریف رکھتے ہیں۔ اور غالباً آپ کے پاس بھی بخاری شریف کا ایک نسخہ ہے اور میں جو بھی بیان کرتا ہوں مولانا اسے تقریر فرماتے ہیں۔

۲) دوسری جگہ فرماتے ہے کہ ایک مقام ہے جیسے کانپور میں جناب عبدالرحمٰن صاحب بانی مدرسہ جامع العلوم کانپور کا چھوٹا مطبع۔ وہاں کنوئیں کے پاس حضرت ابن عباسؓ کھڑے ہیں اور میں قریب ہوں اس کے بعد مجھ کو مناسب تفسیر کا ظن غالب ہوگیا۔

بیعت:

اللہ پاک نے آپ کی باطنی تکمیل ایک ایسے بزرگ کے سپرد کر رکھی تھی جو تھانہ بھون سے ہزاروں میل دور اور سمندر پار خود بیت اللہ میں بیٹھ کر فراست کی دوربین سے حضرت تھانویؒ کی نقل و حرکت کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ یہ شیخ العرب والعجم جامع شریعت وطریقت مرجع العلماء والمشائخ، امام طریقت، نمونہ سلف جنید زماں اور شبلی دوراں حضرت حاجی امداداللہ تھانویؒ چشتی صابری مہاجر مکیؒ تھے۔ حضرت تھانویؒ ابھی مدرسہ میں تعلیم پا رہے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے باشارہ غیبی از خود حضرت تھانویؒ کے والد ماجد کو کہلا بھیجا کہ جب تم حج کو آؤ تو اپنے بڑے بیٹے کو ساتھ لے آؤ حالانکہ حضرت حاجی صاحبؒ حضرت تھانویؒ کی ولادت سے بھی پہلے ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظّمہ تشریف لے جا چکے تھے اور نہ ہی اسی وقت بظاہر کوئی ایسے حالات پیدا ہوئے تھے جس کی بنا پر حضرت کی شہرت مکہ معظّمہ تک پہنچی جب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دیوبند تشریف لائے تو حضرت تھانویؒ نے اُن سے بیعت کی درخواست کی مگر خود گنگوہیؒ صاحب نے انکار کر فرما دیا۔ ۱۲۹۹ھ میں جب حضرت گنگوہیؒ تیسرے حج کیلئے تشریف جانے لگے تو حضرت تھانویؒ نے ایک عریضہ

حاجی صاحبؒ کے نام لکھ کر ان کے ہاتھ اِس مضمون کے ساتھ بھیجا کہ آپ مولانا گنگوہی صاحبؒ سے مجھے بیعت کرنے کے لئے سفارش فرمادیں۔

غائبانہ بیعت:

حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا گنگوہیؒ سے اِس خط کے بارے میں کچھ راز و نیاز کی باتیں کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ کو وہیں بیٹھے بیٹھے غائبانہ طور پر خود بیعت فرمادیا اُس وقت آپ کی عمر 19 برس کی تھی۔

سفر حج اور ادب مکہ:

حضرت تھانویؒ کے والد صاحب حج کے لیے ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ سرزمین مکہ پر قدم رکھتے ہی اِس ارض پاک اور حرم مکہ کے ادب وعظمت کا اِس قدر غلبہ ہوا کہ وہاں تھوکنے پر بھی تامل ہونے لگا۔اور جس وقت بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑی تو ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ حضرت اقدس فرماتے تھے کہ ایسی کیفیت میرے اوپر کبھی عمر بھر طاری نہیں ہوئی۔

دست بدست بیعت:

حضرت تھانویؒ کی آمد سے حضرت حاجی صاحبؒ کو دلی مسرت ہوئی اگرچہ دو سال پہلے حاجی صاحبؒ نے آپ کو غائبانہ بیعت سے مشرف فرمایا تھا۔مگر اب دست بدست بیعت کا شرف بھی بخشا حاجی صاحبؒ نے حضرت اقدسؒ سے فرمایا کہ تم میرے پاس کچھ ماہ کے لیے رہ جاؤ۔ حضرت اقدسؒ نے اس کی اجازت اپنے والد صاحب سے چاہی لیکن اُنھوں بوجہ شفقت پدری اس مفارقت کی اجازت اُس وقت نہ دی۔ گو حضرت تھانویؒ تو ۱۲۹۹ھ ہی سے چشتیہ طریقے کے ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے تھے۔مگر حضرت حاجی صاحبؒ

سے واپس آنے کے بعد سوز و گداز اور آتش عشق الٰہی نے زور پکڑا جس نے حضرت کا بالکل رنگ بدل دیا اور سارے تعلقات دنیوی خواہشات کو خاکستر بنا دیا۔

سفر حج ثانی:

آپ نے چھ ماہ حضرت حاجی صاحبؒ کے خدمت میں گزارنے کے ارادہ سے اپنے آپ کو درس و تدریس کے مشاغل سے فارغ کر دیا اور پورے دس سال بعد مکہ معظّمہ کو روانہ ہو گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پہنچتے ہی وہ سارا اضطراب سکون اطمینان قلب میں تبدیل ہو گیا۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ کو آپ کے آنے کی مسرت بالکل اِسی طرح ہوئی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے ملنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حاصل ہوئی تھی۔

حضرت کی حاجی صاحبؒ کی خاص توجہات اور حضرت تھانویؒ کی محبت:

وہاں پہنچتے ہی حضرت حاجی صاحبؒ کی خاص توجہات کا مرکز بن گئے۔ حضرت تھانویؒ بیٹھے بیٹھے اشتیاق زیارت سے مجبور ہو کر حضرت حاجی صاحبؒ کے اوقات خلوت میں ہی حاضر خدمت ہو جاتے اور معذرت کرنے لگتے کہ میں اِس وقت خلوت میں مخل ہوا۔ حضرت حاجی صاحبؒ بوجہ شفقت فرماتے ' خلوت از اغیار نہ از یار' حضرت تھانویؒ مزارات کی زیارت کو نکل جاتے تو حاجی صاحبؒ انتظار کی گھڑیاں گنتے رہتے اور آتے ہی حضرت سے تاخیر کا سبب پوچھتے۔

تربیت:

حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ دلی خواہش تھی کہ حضرت تھانویؒ ہر لحاظ سے آپ کی

مشابہ ہو جائیں اس لیے حاجی صاحبؒ نے حضرت کی تربیت بالکل اس انداز سے شروع فرمائی جیسے باپ بچے کو بغرض تربیت ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور بچہ بھی ہر حالت میں باپ کی انگلی پکڑے اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوتا ہے اس لیے حاجی صاحبؒ نے آپ کے لیے جلوت وخلوت کا امتیاز ہی اُڑا دیا تھا۔

تعلیم:

حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت تھانویؒ کو بر بنائے محبت، میاں اشرف علی سے خطاب فرما کر فرمایا، میاں اشرف علی پانی جب پینا، ٹھنڈا پینا تا کہ روئیں روئیں سے الحمدللہ نکلے ورنہ زبان تو الحمدللہ کہے گی۔ لیکن دل الحمدللہ میں شریک نہ ہوگا۔

حضرت اقدسؒ کے بارے میں حاجی صاحب کے تاثرات:

تھوڑے ہی دنوں میں باہم اس درجہ کی مناسبت ہوگئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ بے ساختہ یہ فرمانے لگے کہ بس تم پورے میرے طریق پر ہو۔ اور جب کبھی حضرت والا کی کوئی تحریر یا تقریر دیکھنے یا سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش فرماتے کہ جزاک اللہ تم نے تو بس سینہ کی شرح کر دی اور اگر دوران علوم ومعارف میں کوئی سوال کرتا تو بجائے خود جواب دینے کے حضرت والا کی طرف اشارہ فرما دیتے کہ ان سے پوچھو۔

سپردگی کتب:

حضرت تھانویؒ چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کے منظور نظر تھے اس لیے حاجی صاحبؒ نے نہایت خصوصیت کی وجہ سے اپنا کُتب خانہ حضرت تھانویؒ کے سپرد کرنا چاہا مگر آپ نے عرض کیا۔ حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے ان کو لیکر میں کیا کرونگا اپنے سینہ مبارک

سے کچھ دولت عطا فرمائیے۔

وطن واپسی:

حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت اقدسؒ کو نہ صرف خلافت سے نوازا بلکہ اپنا جانشین بنا کر ہندوستان روانہ کیا حضرت تھانویؒ کو حاجی صاحبؒ کے واپسی سے قبل دو وصیتیں فرمائیں۔

۱) میاں اشرف علی ہندوستان پہنچ کر ایک حالت پیش آئے گی اس وقت عجلت مت کرنا۔

۲) جب بھی کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہوتو پھر کسی دوسری جگہ تعلق نہ کرنا۔ بلکہ توکل بخدا کر کے تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کو اپنا خلیفہ وجانشین بنانے، منصب ارشادو تلقین پر متمکن فرمانے کے واقعہ پر حضرت خواجہ عزیز الحسن اشرف السوانح میں لکھتے ہیں کہ ’’اللہ اللہ‘‘ وہ کیسی مسعود ومبارک ساعت تھی جس میں ایک قطب الارشاد حکیم الامت، مجدد دین وملت ایک شیخ العرب والعجم کے دست مقدس ومبارک سے دنیائے اِسلام سے رسوم و بدعات کو مٹانے اور اسلام کو اس کی اصلی صورت میں دکھانے مسلمانوں کو افراط و تفریط سے ہٹانے اور صراط مستقیم پر لانے علوم ومعارف کے دریا بہانے عوام وخواص سب کو مستفید فرمانے ، فیوض وبرکات ظاہری وباطنی کو شرقاً وغربا پھیلانے، بڑے بڑے عقدلاینحل (وہ مشکل مسئلہ جوحل نہ ہو سکے) اور پیچیدہ پیچیدہ مسائل علمیہ وعملیہ کی گتھیاں سلجھانے (مسئلہ حل کرنا) بندگاں خدا کو صحیح آداب عبودیت واصول معاشرت سکھانے اور مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان اور انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنانے تعلیم وتہذیب اِسلامی کی خوبی ومتانت کو عالم میں آشکارا کرنے اور تعلیم جدید وتہذیب نو کی ملمع کاری ونظرو

فریب چادر زرنگار کو پارہ پارہ کر کے اس کی دھجیاں اڑانے اور نئی روشنی کی منفی ظلمات کھلی آنکھوں دکھلانے، اہل دُنیا کے قلوب میں واہل دین، علم دین، اہل علم کی وقعت بڑھانے اور بڑے بڑے سرکشوں کے سر جھکانے، شبہات جدید کو اصول منطق و فلسفہ ہی کی بنا پر باطل ٹھہرانے اور بڑے بڑے مدعیان منطق و فلسفہ سے بھی کتاب و سنت کے احکام واجبات وعقائد حق منوانے، اعلاء السنن میں احادیث تائید یہ جمع کرا کر فقہ حنفی کو چار چاند لگانے، ہزاروں بے نمازیوں سے نماز پڑھوانے، سود خوروں سے سود اور دیگر ناجائز آمدنی والوں سے ناجائز آمدنیاں ترک کرانے، اہل حقوق کے حقوق دلوانے ہزاروں گناہ گاروں سے گناہ ظاہرہ و باطنہ چھڑوانے بڑے بڑے مہلک امراض روحانی کے نہایت سہل سہل اور تیر بہدف معالجات اور نادر نادر طریق اصلاح بتانے نہایت باریک مکائد نفس (نفس کے فریب) سمجھانے بڑے بڑے مہلکات طریق کی طرف توجہ دلانے اور ہلاکت باطنی سے بچانے، تصوف کو بجائے اس کے موجودہ مصنوعی عبا وقبا کے اس کا صدیوں کا اترا ہوا اور اصلی حرقہ دیرینہ پہنانے اور سالکین کو سلف صالحین کے برگزیدہ اور بالکل مطابق کتاب وسنت طریق پر جو مدت دراز سے متروک تھا پر چلانے ترغیب و ترہیب کے پر اثر مضامین سے روتوں کو ہنسانے اور ہنستوں کو رلانے بالخصوص آیات بشارات رحمت سنانے، ہزارہا مایوسین کی ڈھارس بندھانے (امید دلانا) با مرادوں کی مرادیں بھرلانے، صدہا طالبین کو جن میں ہر اعلیٰ و ادنیٰ طبقہ اور پیشہ کے افراد شامل ہیں۔ محبوب حقیقی تک بہ اقرب طرق پہنچانے، غرضیکہ ہر شعبہ دینی خصوصاً تفسیر و تصوف کے تعلق پر ضروری خدمت بہ احسن وابلغ وجوہ بجا لانے کیلئے سریر آرائے منصب اِرشاد ہوا یہ کوئی معمولی واقع نہ تھا۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ دین محمدی ﷺ کی از سر نو تجدید اور رسوم قبیحہ وقدیمہ و بدعات سیئہ کی تردید آئندہ اِسی کی بدولت ہونی تھی۔ یہ واقع دنیا کے اہم ترین واقعات سے بھی زیادہ اہم تھا۔

دفعتہً سارے ہندوستان میں ایک روشنی سی پھیل گئی:

جس وقت حضرت تھانویؒ مکہ معظّمہ سے واپس ہونے لگے۔تو نذیر حسن مرحوم کانپوری جوایک دیندار صالح شخص تھے اُس نے خواب میں دیکھا حضرت والا مکہ معظّمہ سے ہندوستان تشریف لے آئے ہیں اور جس وقت جہاز سے اترے ہیں۔دفعتہً سارے ہندوستان میں ایک روشنی سی پھیل گئی۔اورتاریخ میں جواس سے قبل حالت خواب محسوس ہو رہی تھی یک بیک دور ہوگئی چنانچہ یہ خواب خود حضرت کی مجلس میں حاجی بشیر لکھنوی نے بروایت نذیر حسین کانپوری کے بیان کیا۔

حالت تمکین:

حضرت کا ایک تو وہ زمانہ تھا کہ وہ نہایت سرخ وسفید ہشاش بشاش خوبصورت اور چمکتے ہوئے پٹے دار بال،خوش لباس گویا ہر وقت دولہا بنے رہتے تھے اور جب حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں رہنے کے بعد واپس تشریف لائے تو وہ چہرہ بالکل زرد اور اداس، پژمردہ وژولیدہ حال نہ بالوں میں تیل کا اہتمام نہ کنگھی کا التزام نہ پیچک،نہ بیل بوٹے، صرف سادہ کرتہ اور پاجامہ عرض حضرت والا کو باطنی باغ وبہار نے ظاہری بناؤ سنگار سے بالکل بے پرواہ کردیا تھا لیکن اس خستہ حالی پر ہزاروں بناؤ سنگار قربان ہوتے تھے اور پہلے سے زیادہ کشش ہوتی تھی۔

راہ سلوک:

انسان کو جس طرح دنیوی اور دینی ترقی کے لیے مختلف مدارج سے گزرنا پڑتا اسی طرح

اسے اصلاح ظاہر اصلاح باطن کیلئے بھی مختلف منازل طے کرنی ہوتی ہے۔ اصلاح ظاہر وباطن کے سلسلہ میں وہ جن راستوں سے گزرتا ہے انہیں اصلاح صوفیہ میں راہ سلوک کہتے ہیں اور جن منازل پر پہنچتا ہے انہیں مقامات کہا جاتا ہے۔ اور ہر مقام، مقام ماسبق سے ارفع ہوتا ہے۔ مگران میں سے کوئی راہ یا مقام ایسا نہیں جسکی کتاب وسنت سے نشاندہی نہ ہوئی ہو۔

غلبہ شوق:

حضرت تھانویؒ جب اپنے شیخ کے پاس رہ کر فیوض ظاہری و باطنی سے اپنا دامن مراد بھر لائے تو اس نے شوق کو تیز کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ مدرسہ کا رنگ ہی بدل گیا۔ درسی کتابوں کا سبق ہو رہا ہے اور ادنیٰ مناسب سے تصوف کے مضامین کی دھواں دھار تقریر ہو رہی ہے۔ اور طالب علموں پر کیفیت طاری ہو رہی ہے بہت سے مدرسین اور طلبہ نے ذکر و شغل شروع کر دیا۔ مدرسہ خانقاہ میں تبدیل ہو گیا اس وقت کے جوش وخروش کے متعلق خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بس جی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو ذاکر وشاغل اور ولی کامل بنادوں۔

اثر توجہ:

بقول حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں حضرت کے قوی الحال اور باکمال خلیفہ لطف الرسولؒ کی یہ حالت تھی کہ اکثر کسی شعر یا کسی بات پر ایسی شدید کیفیت طاری ہوئی ہوتی کہ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے بے اختیار چیخنے چلانے لگتے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے۔

طالب علم ولی بن گیا:

چونکہ حضرتؒ کی توجہ سے اکثر طلباء ذاکر وشاغل ہو گئے اس لیے ان میں عام طور پر

ایسی کیفیات کا مشاہدہ ہوتا رہتا تھا۔ایک دن ایک طالبعلم جس نے حضرت کی دیکھا دیکھی انکے مشورہ کے بغیر ذکر و شغل شروع کر دیا تھا ایک مولوی صاحب سے بوستان کا سبق پڑھ رہا تھا۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے۔

نہ دوری دلیل صبوری بود

کہ بسیار دوری ضروری بود

تو اُس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ لا الہ الا اللّٰہ کہتے ہوئے بازار کو نکل گئے جو بھی ملتا خواہ مسلم خواہ غیر مسلم سب کو کہتا کہ پڑھو لا الہ الا اللّٰہ اِس کے اثر کا یہ حشر تھا کہ ہندو بھی بے اختیار ہو کر لا الـــہ الا اللّٰـــہ کہنے لگے۔اس حالت غیر دیکھ کر اس کے ماموں پریشان ہونے لگے۔حضرت نے فرمایا، میاں پریشان ہونے کی کیا بات ہے آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ آپ کا بھانجا ولی ہو گیا جب کسی طرح بھی اس کیفیت میں کمی واقع نہ ہوئی تو حضرت نے ایک صاحب تصرف درویش میاں خاکی شاہ کے پاس سلب کیفیت کے لیے بھیجا انھوں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ گولی تو ماری خود اور اب نکلوانے بیٹھے ہیں مجھ سے۔غرض یہ کہ انہوں نے اس پر توجہ کا عمل کر کے دوسرے روز پھر آنے کو کہا رات کو اس طالبعلم کو سرکار دو جہان حضرت محمد ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی جو فرما رہے تھے کہ اس فقیر سے کہہ دینا کہ کیا تیری کم بختی آئی ہے جو اس نعمت کو سلب کرتا ہے۔حضرت نے جب یہ خواب سنا تو اسے اس درویش کے پاس جانے سے روک دیا اور اس کے لیے سماع تجویز کر کے ایک صاحب سماع صوفی سے کہا کہ اسے ذرا اپنے ہاں لے جا کر سماع میں شریک کریں اگر چہ یہ ہمارے مسلک کے خلاف ہے لیکن بغرض دوا ایسا کیا جا رہا ہے۔مگر حضرت کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ آلات سے سماع سنتے ہیں اس لے جب وہ لڑکا وہاں پہنچا تو آلات سماع دیکھ کر بہت بگڑا کہ یہ کیا واہیات بات ہے مجھے کیوں معصیت میں گرفتار کیا جا

رہا ہے میں ان سب کو توڑ دونگا۔ گویا وہ دیوانہ بھی فرزانہ نکلا اور بھاگ کر حضرت کے پاس آ گیا۔ اس پر حضرت نے ایک خوش آواز بنگالی طالبعلم کے سپرد کیا جس کی آواز میں بڑا سوز و گداز تھا کہ اسے خلوت میں لے جا کر کچھ اشعار سنا دو۔ اس نے حضرت امیر خسرو کی یہ غزل سنانی شروع کی کہ:

رز ہجر تو کباب تا کہ

جاں ذر طلبت خراب تا کہ

در مصحف روئے او نظر کن

خسرو غزل و کتاب تا کہ

اس کے سنتے ہی وہ وجد میں آیا اور بڑے زور سے تا کہ، تا کہ کہتا رہا یہاں تک کہ دل کی ساری بھڑاس نکل گئی اور مکمل سکون نصیب ہو گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے پھر شرف زیارت بخشا اور فرمایا کہ تم کسی سے بیعت ہو جاؤ اس نے عرض کیا حضور کس سے فرمایا جس سے اعتقاد ہو چنانچہ اس نے حضرت سے یہ خواب بیان کیا۔ آپ نے بھی اس کی تعمیل کرنے کو فرمایا کہ جس سے اعتقاد ہو۔ بیعت ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ مجھے تو آپ سے اعتقاد ہے لہٰذا آپ بیعت فرمالیجئے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد تھا اس لیے آپ نے بیعت کے تمام ضابطوں کو بالائے طاق رکھ کر اسے فوراً بیعت فرمالیا۔ عرض یہ کہ حضرت کی توجہ بھی ایسی ہوئی تھی کہ دیوانے بھی فرزانے رہتے تھے۔ اور ولایت کے ایسے مقام رفیع پر پہنچ جاتے تھے کہ خود سرکار دو عالم ﷺ ان کی دستگیری فرماتے تھے۔

خوابوں کے ذریعے بشارتیں:

حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ سے فرمایا تھا کہ جب تک یہاں کانپور کا تعلق خدا کو

منظور ہے رکھیئے (کانپور میں آپ مدرس تھے) بعدازاں محض توکل بخدا، خدا کا نام لیکر تھانہ بھون بیٹھ جائیے آپ ہمارے مدرسے اور مسجد کو از سرنو آباد کریں آپ سے خلائق کثیرہ کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا۔ جب آپ کانپور سے تعلق قطع کر کے مستقل قیام کے ارادے سے تھانہ بھون آ گئے۔ تو حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا گنگوہیؒ نے بمسرت دعا یہ خواہش فرمائی کہ بھائی میرا تو جی تب خوش ہوگا۔ کہ جب تمھارے پاس کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی جمع ہو جائیں گے۔ حضرت گنگوہی نے اپنے مریدین کو اصلاح و تربیت کے لیے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بھیجنا شروع کر دیا ادھر اطلاع عام کیلئے صالحین واولیاء کرام کو عالم خواب میں بشارت دی جارہی تھیں کہ:

۱) حضرت تھانویؒ اپنے دور کے اخص علماء و صلحا میں سے ہیں۔

۲) ان کا مسلک عین سنت نبوی ﷺ ہے۔

۳) اس دور میں خرافات و بدعات کیلئے انہیں ہی مسند ارشاد پر فائز ہونا ہے۔

۴) احقر (حضرت تھانویؒ) کو خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ گفتگو فرما رہے ہیں اور بھی بہت سے علماء حاضر ہیں لیکن سب کی طرف سے (حضرت تھانویؒ) ہی سوال فرماتے ہیں اور جناب سرکار دو جہاں محمد ﷺ جواب ارشاد فرماتے ہیں اور سب سے اقرب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ہی کو دیکھا۔

۵) حضرت دیکھا کہ رسول کریم ﷺ ایک راستہ سے چلتے ہیں اور ان کے پیچھے حضرت تھانویؒ اور ان کے بعد بندہ عرضیکہ تینوں ایک ساتھ چلتے ہیں۔ (یکے از خدام)

۶) کل شب میں ایک خواب دیکھا کہ حضور پرنور سرکار دو عالم ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ حضور ﷺ جس وقت تشریف لائے ہم سب کھڑے ہونے لگے۔ حضور ﷺ نے ہم سب کو بیٹھنے کے لیے ارشاد فرمایا آپ اور جو جو تخت پر بیٹھے تھے

یا تو اُترنے لگے اور یا صدر کی جگہ سے ہٹنے لگے۔ حضور ﷺ نے آپ کو فرمایا کہ آپ یہی تشریف رکھیں اور حضور ﷺ بھی ایک طرف تخت پر تشریف فرما ہوئے۔

اللہ پاک کی دستگیری:

فرماتے ہیں ''بات یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی کام لینا ہوتا ہے اس کو اس کام کی سمجھ بھی عطا فرما دیتے ہیں اس میں میرا کوئی کمال نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام میرے سپرد فرما رکھا ہے اس لیے وہی میری دستگیری فرماتے ہیں ورنہ میں کیا چیز ہوں'' علاوہ ازیں حضرت کے ہاں اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ ذکر و شغل کی لذت میں پڑ کر کوئی تارک الدنیا نہ ہو جائے بلکہ پورے خلوص و تزکیہ قلب کے ساتھ امکان بھر حقوق اللہ ادا کریں۔ فرائض و واجبات میں حتی الوسع غفلت نہ برتے اللہ کے بندوں سے میل ملاپ رکھے، ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی بچوں، استاد شاگرد، ملازم آقا، دوست احباب اور ہمسائے کے حقوق پہچانے اور امکان بھر ادا کریں بلاوجہ کسی کی دل آزاری و دل شکنی نہ کریں اپنے احتساب و اصلاح کی فکر میں رہے۔

اصلاح کا طریقہ کار:

جب میں اپنے اندر کوئی امر قابل اصلاح محسوس کرتا ہوں تو اس کے متعلق بھی وعظ کہہ دیتا ہوں اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں بیان کے وقت جوش ہوتا ہے۔ جس سے قلب پر اثر پڑتا ہے نیز شرم بھی آتی ہے کہ جس بات کی نصیحت اوروں کو کر رہے ہو خود بھی اس کاربند ہونا چاہیے۔

سیر:

سیر کرنا آپ کی معمول میں داخل تھا۔ مگر پیدل، جب تک معذوری (جو آخیر عمر میں ہو گئی تھی) نہ ہوئی روزانہ صبح کو تین چار میل پیدل چلتے تھے اور فرماتے کہ فقط صحت کی مصلحت کسی مستحب کی تحصیل سے مقدم ہے مثلاً صبح کی ہوا خوری کے لیے جنگل کی طرف جانا مسجد میں اشراق کی نماز تا طلوع آفتاب بیٹھے رہنے سے افضل ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

استغنا:

استغنا بھی آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ خاص تھا۔ فرماتے تھے اہل علم کے لیے یہ بات بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ وہ امراء سے خلط کریں۔ فرماتے ہیں کہ جب میں حیدرآباد دکن میں ایک دوست کا مہمان تھا کہ نواب صاحب (دکن) کے وزیر کا ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ عرصہ سے مجھ کو زیارت کا اشتیاق تھا مگر بدقسمتی سے تھانہ بھون کی حاضری نصیب نہ ہوئی برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ فلاں فلاں وقت اپنے فرائض منصبی سے فرصت ملتی ہے۔ آپ نے لکھا بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کے دل میں دین اور اہل دین کی نسبت عظمت ہے مگر نیچے کی سطر پڑھ کر افسوس کی بھی کوئی حد نہ رہی کہ اِس میں فہم سے کام نہیں لیا گیا جس کے ملنے کو زیارت سے تعبیر کیا گیا اس کو تو اپنے اوقات فرصت بتلا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے یہ کونسی فہم و تہذیب کی بات ہے۔ اس پر اس وزیر صاحب نے اپنی بدفہمی کی معافی چاہی اور لکھا کہ حضرت والا ہی اپنی ملاقات کے اوقات تحریر فرمائیں۔ حضرت نے اس پر ایک اور سبق دے دیا کہ اب بھی پورے فہم سے کام نہیں لیا گیا مردہ بدست زندہ کی طرح مہمان میزبان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اِس لیے سفر میں اوقات کا ضبط ہونا غیر اختیاری ہے آپ ساتھ رہیں جس وقت مجھ کو فارغ دیکھیں ملاقات کر لیں۔

اس پر انھوں نے لکھا کہ بدفہمی ہوتی چلی جا رہی ہے میں نہ اب اپنے اوقات کو ظاہر

کرتا ہوں نہ حضرت سے معلوم کرتا ہوں جس وقت فرصت ہوگی حاضر خدمت ہوکر زیارت سے مشرف ہو جاؤ نگا اگر فرصت نہ ہوئی تو لوٹ آؤ نگا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ سبق کارگر ہوا ہے تو پھر انہیں دلجوئی کے طور پر لکھا۔ وہ اب پورے فہم سے کام لیا گیا جس سے اس قدر مسرت ہوئی کہ پہلے آپ کا میری زیارت کو جی چاہ رہا تھا۔ اب میرا آپ کی زیارت کو جی چاہنے لگا۔ اگر فرصت ہو آپ تشریف لائیں ورنہ مجھ کو اجازت فرمایئے خود حاضر ہو جاؤں گا۔

اس افہام وتفہیم کی غرض آپ نے اپنی مجلس میں یہ بیان فرمائی کہ میرا طرز عمل اس لئے تھا کہ یہ دنیا کے جس قدر بڑے لوگ ہیں اہل دین کو بے وقوف سمجھتے ہیں، آپ کو یہ دکھلانا تھا کہ اہل دین کی یہ شان ہے کہ پہلے تو تذلیل سے بچنا مقصود تھا مگر جب وہ اپنی کوتاہی تسلیم کر چکے تو اب کھنچنا تکبر تھا۔ اللہ کا شکر ہے دونوں سے محفوظ رکھا۔ غرض یہ کہ وہ صاحب خود آئے اہل مجلس میں بعضوں نے دور سے دیکھ کر کہا کہ فلاں صاحب آرہے ہیں۔ حضرت ڈاک لکھ رہے تھے برابر لکھتے رہے جس وقت انھوں نے پہنچ کر السلام علیکم کہا تب حضرت مخاطب ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے السلام علیکم کا جواب دیا اور کھڑے ہوکر مصافحہ کیا بیچارے بہت ہی مہذب تھے۔ دوزانوں ہوکر سامنے بیٹھ گئے میں نے اپنے برابر جگہ دے کر کہا کہ اس طرف آجایئے اس پر کہا کہ مجھ کو یہی آرام ملے گا کچھ دیر بعد میرے سوال پر نواب صاحب کی بیدار مغزی اور انتظام سلطنت کے واقعات بیان کرتے رہے، اس کے بعد کہا کہ اگر نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے تو بہت مناسب ہے میں نے پوچھا کہ خواہش آپ کی ہے یہ نواب صاحب کی کچھ سکوت کے بعد کہا میری خواہش ہے۔ میں نے سوال کیا کہ جس وقت آپ نے ملاقات کے مناسب ونامناسب ہونے پر غور فرمایا ہوگا اس پر بھی ضرور غور فرمایا ہوگا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے۔ کہا نواب صاحب کا میں

نے کہا کہ نفع نواب صاحب کا اور ملاقات کی ترغیب مجھ کو دی جارہی ہے طالب کو مطلوب اور مطلوب کو طالب بنایا جارہا ہے اس پر کوئی جواب نہ دیا۔ اب میں خود اسکے متعلق عرض کرتا ہوں کہ اس صورت میں خود ملاقات کو جاؤں مضرت ہی مضرت ہے نفع کچھ نہیں اگر ملاقات کو گیا تو وہ مطلوب اور میں طالب ہونگا تو اس صورت میں انکو مجھ سے کوئی نفع نہ ہوگا۔ ہاں ان سے مجھ کو نفع ہوسکتا ہے اس لیے کہ جو چیز انکے پاس ہے وہ مجھے ملے گی یعنی دنیا وہ بقدر ضرورت الحمدللہ میرے پاس بھی ہے اور جو میرے پاس ہے وہ بقدر ضرورت بھی ان کے پاس نہیں یعنی دین۔

تقویٰ:

تقویٰ کے لیے صرف زہد ورع ہی کافی نہیں بلکہ معاملات و معاشرت میں صحیح ہونا بھی ضروری ہے جو مقصد ہے معرفت کا، کہ دنیا کی دل میں قدر نہ ہو اس سے دل کو خالی رکھے اور بے ضرورت سامان جمع نہ کرے۔ اس لیے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔ ''دنیا کو آدمی جس قدر مختصر کرے اسی قدر راحت ہے''۔ حضرت تھانویؒ عرفی عبادات سے زیادہ معاملات و معاشرت میں متقی تھے جس کی نظیر تاریخ مشاہیر پیش نہیں کرسکتی آپ پر خوف محاسبہ اتنا طاری تھا کہ ۱۳۰۵ھ میں آپ نے والد ماجد کے انتقال کے بعد اور ترکہ وصول کرنے سے قبل حضرت مولنا رشید احمد گنگوہیؒ سے دریافت فرمایا کہ اگر جائیداد نہ رکھو تو کیسا ہے؟ مولنا نے لکھا ''اگر رکھو تو رخصت ہے نہ رکھو جب بھی حق تعالیٰ روزی سے تم کو پریشان نہ کرے گا''۔

اس پر آپ نے اپنے حصے کی متروکہ اراضی کی نقد قیمت لے لی جس سے مکان بنوایا اور حج ثانی کیا حالانکہ وہ جائیداد مستقل آمدنی کا ذریعہ تھی۔ مگر اس کو قبضہ میں رکھنے سے

بہت سے حقوق کی ادائیگی کا بوجھ بڑھ جاتا تھا ایک دن اس کا حساب دینا پڑتا تھا۔ اِسی لئے آپ کی نظر پیسہ پائی سے زیادہ پائی پائی کے حساب لینے والے پر رہتی تھی۔

دنیا کی مسلمانوں کی خیر خواہی:

ترکوں کی شکست کی خبر سن کر آپ کو از حد صدمہ ہوا فرماتے تھے ''اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہمیشہ راحت ہی راحت میں رکھا اس لیے میں نے کبھی یہ نہ جانا کہ غم کیسا ہوتا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ غم اِس کو کہتے ہیں کیونکہ ترکوں کی شکست اور مسلمانوں کی ذلت وخواری کا قلب پر اتنا شدید صدمہ ہوا کہ کھانا پینا بھی تلخ ہو رہا ہے''۔

اسی طرح بہار (ہندوستان) کے قیامت خیز زلزلوں کے حالات سن سن کر اس درجہ متاثر تھے کہ بے چین ہو جاتے تھے اور بار بار بے اختیار منہ سے ایسے پر درد دعائیہ الفاظ نکلتے تھے کہ پاس بیٹھنے والوں کے کلیجے بھی منہ کو آجاتے تھے۔ بسا اوقات تو اتنا تاثر ہوتا کہ فرماتے زیادہ دِل برا کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ ہمدردی نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کی حد تک نہ پہنچ جائے بڑا مشکل معاملہ ہے اگر دِل برا نہ ہو تو منفعت علی الخلق میں کمی آجاتی ہے اگر دِل برا کرتے ہیں تو شکایت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ واقعی حدود کے اندر رہنا پلِ صراط پر چلنا ہے بس اللہ تعالیٰ ہی عنایت فرماتے ہیں ورنہ حدود کے اندر رہنا بڑا دشوار معاملہ ہے''۔

دل جوئی:

حضرت تھانویؒ گو اصلاحی امور میں قدرے سختی سے کام لیتے تھے مگر طالبین وسالکین کی باطنی پریشانیوں کے دور میں اور عین یاس کی حالت میں ایسی تسلی اور دلجوئی فرماتے تھے کہ آپ کی تحریر پڑھتے ہی یا تقریر سنتے ہی وہ اپنے اندر بھی حالاً تسلی محسوس کرنے لگتے تھے اور ایسے مختصر موثر اور دل نشین پیرایہ میں تسلی دیتے تھے کہ الجھی ہوئی طبیعت فوراً سلجھ جاتی

تھی۔ جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہے۔

۱) ایک صاحب نے حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ حضرت جو کچھ صفائی باطن حضور کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوتی ہے وہ حضرت سے جدا ہونے کہ بعد مکروہات دنیا میں پھنس کر رفتہ رفتہ سب ختم ہوگئی ہے۔ یہ کیفیت سن کر آپ نے تسلی آمیز لہجے میں فرمایا کہ ''جی پھر مضائقہ ہی کیا ہے آپ اپنے کپڑے میلے کرڈالتے ہیں۔ دھوبی انکو دھو دیتا ہے آپ پھر میلے کرڈالتے ہیں دھوبی پھر دھودیتا ہے''۔

۲) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے قلب کی بڑی ڈانوں ڈول حالت ہے۔ فرمایا کہ ''اصلی قلب تو آپ ہی کا ہے کیونکہ قلب کے معنی ہی یہ ہے کہ جو ایک حالت پر نہ رہے۔ منقلب ہوتا رہے''۔

۳) ایک صاحب نے لکھا کہ اس دفعہ حاضر خدمت ہونے سے جو کیفیت پیدا ہوئی وہ پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ اب رفتہ رفتہ زائل ہوگئی ہے۔ آپؒ نے لکھا کہ ''کسی کیفیت کا طاری ہونا یا جاری رہنا یہ بھی بسا غنیمت ہے ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے باقی سب آمدورفت ہے۔''

عزم واستقامت کا ایک عجیب واقعہ:

حضرت تھانویؒ کو جہاں دوسروں کے لئے ہر قسم کی آسانیاں پیدا کرنے کی فکر رہتی تھی وہاں وہ خود ہر قسم کی دشواریاں برداشت کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ آپ کے عزم وارادہ اور اثبات واستقامت حوادث ارضی وسماوی کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی عمر کا تقاضہ یا طبعی کمزوری مانع ہوتی تھی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں برسات کا موسم ختم ہونے کے بعد سہارنپور ومظفرنگر کے اطراف میں ایسی شدید بارش ہوئی جیسے آسمان سے پانی کے دریا بہا

دیئے گئے ہوں۔ تھانہ بھون بھی اسی کی لپیٹ میں تھا۔ راستوں اور سڑکوں پر کثرت باران کی وجہ سے ڈیڑھ فٹ پانی چل رہا تھا۔ حضرت تھانویؒ کے مکان سے مسجد کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی مکان سے مسجد تک پہنچنے کا ایسا کوئی راستہ ہی نہ تھا جس پر گھٹنے گھٹنے پانی نہ ہو۔ خانقاہ میں بڑے بڑے عالم فاضل مرید مہمان موجود تھے مگر ان میں سے اکثر نے اپنی اپنی جگہ ہی مختصر جماعتیں کرالی کہ رات کے اندھیرے میں موسلا دار بارش کے اندر مسجد تک پہنچ جائے۔ اگر اس عالم میں مسجد تک جانے والا کوئی نکلا تو وہ صرف ۷۲ سالا بوڑھے جواں ہمت حضرت تھانویؒ تھے۔ عشاء کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھ کر اس موسلا دار بارش کے اندر پانی کو چیرتے ہوئے واپس گھر پہنچے اور جب صبح ہوئی تو بارش کی شدت اتنی بڑھی کہ لوگ الامان والحفیظ پکار رہے تھے خود خانقاہ والوں کے لئے سائباں کے سائے میں چند منٹ کے لئے چل کر مسجد کے دلان تک پہنچنا دشوار ہو رہا تھا۔ مگر یہ پیر مرد پھر لنگ چڑھائے ایک مضبوط ڈنڈا تھامے پانی کو چیرتے پھاڑتے مسجد میں پہنچ دیئے تھے۔ یہ نظارہ دیکھ کر مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی زبان قلم سے بے ساختہ نکلا کہ ''اہل طریق سچ کہتے ہیں کہ رسوخ فی الدین اگر حاصل کرنا ہے تو محض کتابیں کافی نہیں بزرگوں کی صحبت میں عرصہ تک رہ کر ان کے عملی نمونوں سے سبق حاصل کرنا ضروری ہے''۔

تربیت گاہ:

آجکل عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا کہ اِسلام صرف نماز، روزہ، حج، زکواۃ کی تعلیم اور حشر ونشر، جنت ودوزخ وغیرہ کے متعلق خبریں دیتا ہے۔ اس کا معاملات ومعاشرت سے کوئی تعلق ہی نہیں اِس لیے جو چاہو کرو جس طرح چاہو رہو ہر طرح کی آزادی ہے۔ اگر بعض کو بعض اصولوں کی پابندی کا خیال بھی آتا ہے تو وہ غیر قوموں کی تقلید کرنے لگتے ہیں اور اتنا معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اس معاملہ میں اِسلام کیا تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی ہمارے

ہاں سرکاری غیر سرکاری، مذہبی یا غیر مذہبی اداروں میں کہیں بھی اِسلامی اخلاق وآداب، معاملات ومعاشرت کی عملی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہے حالانکہ یہ نصوص صریحہ سے ثابت ہے کہ منجملہ اجزائے دین کی تصحیح معاملات بھی ہے بلکہ بعض اعتبار سے یہ اہم جزء ہے اور سب سے زیادہ کوتاہی اور بے التفاتی بھی اس سلسلہ میں برتی جاتی ہے۔ اِسی لیے حضرت کے ہاں اس کا زیادہ اہتمام تھا۔ جیسا کہ آپ کے ارشاد سے ظاہر ہے۔ ''مجھے علم پڑھانے لکھانے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے جس قدر تہذیب اخلاق ودیانت پر نظر ہے کیونکہ پڑھنے لکھنے کا تو ہر جگہ انتظام ہوتا ہے۔ لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال نہیں اس طرح میں اپنے متعلقین یعنی جو لوگ میرے ذریعہ سے داخل سلسلہ ہیں ان کے لیے اوراد واشغال کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتا جتنا اخلاق کی درستی کا اہتمام کرتا ہوں کیونکہ اخلاق کا سنوارنا زیادہ ضروری ہے کوئی ذکر وشغل کرتا ہے تو مجھے اس وقت تک اسکی قدر نہیں جب تک اسکے اعمال درست نہ ہوں''۔

یوں توں ہندوستان میں بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء کرام گزرے ہیں جو اپنے اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق اصلاح امت کے فریضہ میں مشغول رہے۔ مگر کسی نے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون جیسی کوئی تربیت گاہ قائم نہ کی جس میں کتاب وسنت کے مطابق صرف معاملات ومعاشرت کی بھی عملی تربیت دِی جاتی ہو۔

اہل خانہ سے معاملہ:

۱) سہواً کبھی خلاف ہوگیا ہوتو ہوگیا ہو لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی گھر میں کھانا کھا کر یہ کہا ہو کہ برتن اٹھالو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ برتن اٹھوالو گو وہ محکوم ہیں لیکن ان کی حاکمیت کا جوان کو گھر میں اپنے محکومین پر حاصل ہے لحاظ رکھتا ہوں کیونکہ محکومین کا بھی احترام چاہیئے پھر چاہے وہ خود اٹھالیں یا کسی اور سے اٹھوالیں۔ میں نوکرانی سے بھی

خود کسی کام کے لیے نہیں کہتا بلکہ میں تو گھر میں کہہ دیتا ہوں اور وہ نوکرانی سے کہتی ہیں۔ کیونکہ نوکرانی براہ راست انہی کی محکوم ہے اس میں ان کی حاکمیت کو محفوظ رکھتا ہوں۔ نیز اجنبی عورت سے بلا ضرورت خطاب بھی ایک درجہ میں خلاف حیا ہے۔

۲) گھر میں جو چیز اٹھاتا ہوں بعد فراغت اس کو جا کر رکھتا ہوں جہاں وہ رکھی تھی تا کہ جس نے رکھی ہے وہ پریشان نہ ہو اور اس کو ڈھونڈنا نہ پڑے۔

بیعت ہونے والے کے لیے کتابوں کا پڑھنا:

فرمایا جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے تو میں اوّل اُسے کتابیں دیکھنے کو لکھ دیتا ہوں بالخصوص مواعظ کے مطالعہ کے لیے اکثر لکھتا ہوا اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے جب کوئی کتابیں دیکھ لینے کی اطلاع دیتا ہے تو پھر اس سے دریافت کرتا ہوں کہ کتابیں دیکھنے کے بعد تم نے اپنی حالت میں کیا تغیر پایا......اُس سے وہ نفع ہوتا ہے جو برسوں کے مجاہدے سے بھی نہیں ہوتا کیونکہ اصل چیز فکر ہے جب انسان فکر میں پڑتا ہے تو اسے راستہ کی تلاش شروع ہوتی ہے اسی میں اوّل ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب (مرید) کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں جس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہوتی ہے۔ اور اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔ مگر لوگوں کو اس کی قدر نہیں۔

خوراک:

ایک بار ایک مسلمان رئیس میرے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ انکے ہاتھ سے بوٹی نیچے تختہ پر گر پڑی تو انہوں نے اسے بوٹ سے بینچ کے نیچے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں نے خواجہ (عزیز الحسن) صاحب سے کہا کہ ذرا اِس بوٹی کو اٹھا کر پانی سے دھو لیجئے وہ دھو کر کہنے لگے کہ اگر کوئی دوسرا شخص کھا لے تو اجازت ہے۔ میں

نے کہا ہاں اجازت ہے۔تو خواجہ صاحب نے وہ خود کھالی۔ وہ رئیس کہتے ہیں بعد میں اس عملی تنبیہ کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں کٹ گیا اور اس دن سے کبھی گرے ہوئے لقمہ کو زمین پر نہیں چھوڑا بلکہ صاف کر کے کھالیتا ہوں۔

حسن قراءت:

حضرت تھانویؒ کلام پاک کی تلاوت کے وقت لہجہ کی طرف قطعاً التفات نہ فرماتے تھے بلکہ مخارج کی صحت پر متوجہ رہتے تھے مگر اس کے باوجود لہجہ میں ایک ایسی کشش تھی کہ سننے والے بے حد متاثر اور محظوظ ہوتے۔ایک دفعہ لکھنو میں صبح کی نماز حضرت نے خود پڑھائی اتفاق سے اس جماعت میں لکھنو کے مشہور ومعروف مدرسہ قراءت کے بانی مولانا عین القضاۃ بھی کھڑے تھے۔صبح کی نماز میں حضرت خاص طور پر طویل قراءت کرتے تھے۔ جب مولانا نے نماز میں حضرت سے کلام پاک سنا۔تو بس قراءت کے عاشق ہوگئے اور بعد نماز حضرت سے خاص طور پر قرآن پاک سنانے کی درخواست کی۔حضرت ان کے ہاں تشریف لے گئے اور پورے تین رکوع سنا دیے تاکہ ان کا جی بھر جائے جی کیا بھرنا تھا شہید قراءت ہوگئے کہنے لگے آپ قرآن پاک کیا پڑھتے ہیں ذبح کرتے ہیں۔

تصنیف وتالیف:

کتابیں پڑھنا جس قدر آسان ہیں کتابیں لکھنا اِسی قدر مشکل۔محنت کرنے والا ہی بیچارہ جانتا ہے کہ اِس راہ میں ان کو کن کن مشکلات اور مشقتوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔تصنیف وتالیف کے لیے علاوہ دیگر امور کے کسی نہ کسی حد تک جمعیت خاطر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔مگر جو صبح شام اصلاح امت کے گونا گوافکار وہموم کے ہجوم میں گھرے ہوئے ہوں انہیں تصنیف وتالیف کیلئے فرصت وانشراح کی گھڑیاں میسر آنا اور سینکڑوں کی

تعداد میں کتابیں لکھ ڈالنا کسی حالت میں بھی کرامت سے کم نہیں۔

ان کی تصانیف کسی طبقے کیلئے محسوس نہیں علماء فضلاء ارباب شریعت اور اصحاب طریقت، مرد اور عورتیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معمولی اُردو خواں ہر ایک نے اُن سے استفادہ کیا اور کر سکتا ہے۔

آپ کی تصانیف کی دربار رسالت میں مقبولیت:

شریف گنج پوری ضلع کرنالی کو تو خواب میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: ''مولانا اشرف علی صاحب کی کتابوں پر عمل کرتے رہنا اور دوسروں کے کہنے سے مت رکنا''۔

عزیز الرحمٰن صاحب ضلع میرٹھ کو عالم خواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم مناجات مقبول جو اشرف علی صاحب نے لکھی ہے پڑھا کرو۔

اُردو زبان کے محسن اعظم:

اردو ادب میں سینکڑوں بے نظیر، دلپذیر اور کثیر اسلامی کتابوں کا اضافہ کیا۔

معرفت:

فرماتے ہیں کے معرفت اس کا نام نہیں کہ دنیا کی قدر دل میں نہ ہو اور اس سے دل کو خالی رکھو یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھ کو بھی خالی رکھو۔

مقام کی وضاحت:

اصطلاح صوفیہ میں جس کو مقام کہتے ہیں اور جس کا مجھے انتہائی درجہ بیان کرنا ہے وہ یہ نہیں ہے بلکہ نیک کام اختیار کرنے کو مقام کہتے ہیں۔اور اتنی ہی تخصیص اور ہے کہ نیک کام سے مراد بھی عمل باطنی ہے۔عمل ظاہری کو مقام نہیں کہتے مثلاً نماز پڑھنے کا کوئی عادی ہو گیا اور اچھی طرح اس کی تکمیل کر لی تو اُن کی اصطلاح میں اس کو مقام نماز طے کرنے والا نہ کہیں گے بلکہ اعمال باطنہ کا نام مقام ہے۔جیسے تواضع یعنی اپنے آپ کو کم تر سمجھنا یا اخلاص یعنی عمل کو بلا کسی غرض کے کرنا یا جیسے صبر و شکر، رضا، توحید وغیرہ جن کی تفصیل کتب فن میں موجود ہے ان کے حاصل کرنے کو سلوک مقامات کہتے ہیں۔تو جب کہیں کہ فلاح شخص نے مقام تواضع طے کر لیا تو معنی یہ ہوں گے کہ اِس ملکہ کی تکمیل کر لی۔

اہل اللہ کے حالات:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ بارش ہوئی تو انھوں نے کہا آج کیا موقع پر بارش ہوئی ہے الہام ہوا کہ او بے ادب......اور بے موقع کب ہوئی؟ بس ہوش ہی تو اُڑ گئے، کیا تھا شکر......اور ہو گئی گستاخی اور جواب طلب ہے۔

ایک بزرگ کے وقت میں بن (جنگل) میں بارش ہوئی تو انھوں نے کہا یہ بارش بستی میں ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔بس اِس لفظ پر اپنے رتبے سے گرا دیئے گئے مگر ان کو خبر نہ ہوئی

یہاں سے یہ بات نکلی کہ ہر واقعہ کی خبر اولیاء کو ہونا ضروری نہیں۔ دوسرے ایک بزرگ کو معلوم ہو گیا وہ ان سے ملنے آئے تھے۔ مگر اس سے اس کو ظاہر نہ کیا اور وہاں سے جانے کے بعد ایک اور شخص سے کہا ان پر عتاب ہے اُس کلمہ کی وجہ سے ...... انہوں نے اجازت چاہی کہ میں ظاہر کر دوں انھوں نے اجازت دے دی۔ انھوں نے ظاہر کر دیا ان کی حالت بری ہوگئی اور فرمائش کی کہ اس کی تدبیر میں میری مدد کرو اور وہ علاج یہ کیا کہ رسی باندھ کر مجھے گھسیٹو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اللہ اکبر! یہ ایک شیخ وقت کے حالات ہیں۔ یہ حالتیں اہل اللہ پر گزرتی ہیں۔

مقصود حال نہیں اعمال ہیں:

صاحبوں! حال پیدا کرو بدوں حال کے کام نہیں چل سکتا گو حال مقصود نہیں بلکہ مقصود اعمال ہیں۔ اگر بدوں حال کے بھی آدمی عمل پر جما رہے تو کامیاب ہو جائے گا مگر بدوں حال کے عمل پر استقامت دشوار ہے۔ اس کی اسی مثال ہے جیسے ریل کو آدمی ٹھیلتے ہوں آخر کہاں تک ٹھیلیں گے تھوڑی دور چل کر رہ جائیں گے پھر کچھ بھی حرکت نہ ہوگی اور حال کے ساتھ عمل کی ایسی مثال ہے جیسے انجن کی اسٹیم گرم ہوا اور وہ ریل کو لئے جارہا ہو اب بدوں روکے ہوئے تھوڑا ہی رکھے گا۔

مجذوب اور سالک:

مجذوبوں کی مثال ایسی ہے جیسے سپاہی اور کوتوال کہ ان کے سپرد شہر کا انتظام ہوتا ہے۔ شہر کے تمام حالات کی ان کو اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ اور سالک کی مثال ویسی ہے جیسے بادشاہ کا محبوب کہ اسے شہر کے حالات کی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں بادشاہ کا مزاج شناس اس درجہ ہوتا ہے کہ کوتوال کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

ادب کی تعلیم:

مقربین کو تو ذرا ذرا سی بات پر گوشمالی کی جاتی ہے ہمارا جہل ہمارے کام آ گیا کہ ہم سے ان باتوں پر گرفت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ کسی چیز کی نسبت ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ بہت لطیف ہے اس پر ان سے مواخذہ ہوا کہ او بے ادب لطیف ہمارا نام ہے دوسرے پر اس کو کیوں جاری کیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب سے یہ حکایت دیکھی تھی برسوں کسی چیز کو لطیف نہیں کہا۔

ذکرلسانی کے درجات اور بارہ تسبیحات:

چنانچہ ہمارے مشائخ چشتیہ تو ذکرلسانی میں بھی تدریج کرتے ہیں کہ بارہ تسبیحات میں اوّل لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ کی تعلیم ہے یہ مبتدی کیلئے مناسب ہے کیونکہ اِس کے دل میں ابھی اغیار بھرے ہوئے ہیں تو اس کو چاہیے کہ ان کو ذہن میں پیش کر کے لا سے نفی کرے۔ جب ان کی نفی ہوگئی اور دل اغیار سے خالی ہو گیا تو صرف اثبات اِلا اللّٰہ مناسب ہے۔ مگر اثبات میں بھی اغیار کو گونہ استحضار رہے۔ اِس لیے اس کے بعد اللّٰہُ اللّٰہ بتلاتے ہیں، جس میں محض ذات حق پر توجہ ہے۔ مگر اس میں بواسطہ اسم کے ہے۔ اس لیے بعض مشائخ اِس کے بعد ذکر ھو، ھو کی تعلیم کرتے ہیں جس میں ذات پر توجہ ہوتی ہے۔ اسم کا بھی واسطہ نہیں ہوتا...... اور جنید بغدادیؒ نے یہ فرمایا کہ اگر ہزار برس کی عمر بھی مجھ کو مل جائے تو بلا عذر شرعی ایک وقت کا وظیفہ بھی قضا نہ کروں۔

درجات ذکر:

اس اعتبار سے ذکر کے تین درجے ہوئے ایک تو وہ جس میں صرف زبان کو حرکت دِی جائے اور قلب متوجہ ہو۔ یہ درجہ سب سے کم ہے۔ دوسرا درجہ وہ جس میں زبان کو حرکت نہ

دی جائے صرف قلب سے ذکر کیا جائے یہ پچھلے درجے سے بڑھ کر ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان کو بھی حرکت دی جائے اور قلب کو متوجہ کیا جائے یہ سب سے بڑھ کر اور افضل ہے۔

کامل محبت کی نشانی:

کامل محبت کے دو اثرات ہیں۔ایک دوام ذکر اور دوسرے سہولت اطاعت ، یہی علامت کامل ایمان کی ہے اگر ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں تو ہم کو اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیے صاحبوں یہ تو بفضلہٖ تعالیٰ ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی محبت کاملہ کا دعویٰ بغیر ذکر دائم وسہولت اطاعت کے غلط ہے۔

معمولات اہل تصوف:

اہل سلوک کے لئے چند ضروری معمولات بیان کئے ہیں:

۱) قیام الیل یعنی تہجد ۲) تلاوت قرآن ۳) تبلیغ دین ۴) ذکر و تبتل

شہوت کے اقسام:

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شہوت صرف عورتوں اور لڑکوں ہی کے تعلق میں منحصر نہیں بلکہ لذیذ غذاؤں کے فکر میں رہنا بھی شہوت ہے۔عمدہ لباس کی دھن میں رہنا بھی شہوت ہے ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت بھی شہوت ہے ان سب شہوتوں سے نفس کو روکنا بھی یہ صبر عن الشہوت ہے میں داخل ہے۔آج کل لوگوں کو باتیں بنانے کا مرض ہے بس جہاں کام سے فارغ ہوئے مجلس آرائی کر کے فضول باتیں کرنے لگے۔ میں صرف عوام کی شکایت نہیں کرتا بلکہ میں علماء ومشائخ کو مجلس آرائی سے منع کرتا ہوں کیوں کہ یہ مرض ان میں بھی بہت ہے۔

کمال دین:

دین دار کامل تو وہ ہے کہ ظاہراً بھی دین دار ہو اور باطناً بھی کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں ظاہری، باطنی۔ ظاہری تو روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ ہیں اور ان کے مقابلے میں بداخلاقیاں، غضب، حسد، تکبر، بے صبری، حرص ہیں۔

ضرورت خلوت:

ہر سالک کے لئے ایک وقت خلوت کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا۔ آپ نے بھی اپنے لئے ایک وقت خلوت کا مقرر کر رکھا تھا چنانچہ آپ رات کو جب سب لوگ سو جاتے تھے اُٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے۔ حق تعالیٰ نے قیام الیل کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ دن میں مشاغل کثیرہ کی وجہ سے یکسوئی کا وقت نہیں مل سکتا اس لئے رات کو اٹھنا چاہیے۔

ارکان تربیت:

شیخ کے تو دو کام ہیں ایک اصلاح، ایک ذکر کی تعلیم اور ان میں بھی اصل کام اصلاح ہی ہے ذکر اس کی اعانت و برکت کے لئے ہے۔ باقی اصلاح کیا چیز ہے سو وہ نفس کو پاک کرنا ہے ذمائم سے یعنی تربیت باطنی کرنا مگر اس کی اعانت کے لئے شیخ ذکر اللہ کی تعلیم کرتا ہے یوں آدمی اصلاح کی خود بھی تدبیر کر سکتا ہے۔ مگر شیخ کی تعلیم میں غیبی برکت ہوتی ہے۔

حضرات نقشبندیہ سلاطین اور حضرات چشتیہ مساکین ہیں:

نقشبندیہ کے یہاں توجہ و تصرف بہت زیادہ ہے یہ حضرات سلاطین ہیں یہ دوسروں پر بھی تصرف کرتے ہیں اور چشتیہ مساکین ہیں ان کا سارا تصرف اپنی ہی ذات پر ہوتا ہے ضرب بھی اپنی ہی ذات پر ہے۔

عورتوں کے لئے صحبت اہل اللہ کا نعم البدل:

عورتیں چونکہ پردہ نشین ہیں اس لئے وہ اس کے بجائے اہل اللہ کی حکایات دیکھا کریں خاص کر بزرگ عورتوں کے واقعات، کہ ان سے بہت کچھ اثر ہوگا اور ہمت قوی ہوگی اس سے تمام گناہ چھوٹ جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف کامل توجہ ہو جائے۔

مولانا قاسم نانوتویؒ کا اپنے شیخ کا ادب:

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو علوم عالیہ عطا ہوئے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے ان میں کیا بات تھی کہ جس کی وجہ سے یہ علوم ان سے ظاہر ہوئے۔ مولانا نے اس کے چند اسباب بیان فرمائے منجملہ ان کے ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا کہ مولانا میں ادب بہت تھا واقعی مولانا بڑے مؤدب تھے۔ حضرت حاجی صاحب نے ایک مرتبہ ایک مضمون نقل کے واسطے مولانا کو دیا اس میں ایک جگہ املا کی غلطی تھی (جو حضرت سے غالباً سہواً لکھی گئی) تو مولانا کا ادب دیکھئے کہ نہ تو اس نقطہ کو غلط نقل کیا کہ یہ تو علم کے خلاف اور عمداً خطا تھی اور نہ اس کو صحیح نقل کیا کیوں کہ اس میں حاجی صاحب کے کلام میں اصلاح تھی۔ بلکہ اس لفظ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور حضرتؒ سے عرض کیا کہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا اس لئے جگہ خالی چھوڑی۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا یہ تو غلط لکھا گیا ہے پھر حضرت نے اس کو خود ہی درست کر دیا اسی طرح اہل اللہ سے بات چیت میں ادب کا بہت لحاظ فرماتے ہیں۔

اولیاء کی شان:

حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ اگر منصور میرے زمانہ میں ہوتا تو میں اس کو بچا لیتا۔ شیخ عبدالحق رودلویؒ ہمارے سلسلہ چشتیہ کے بزرگ ہیں فرماتے ہیں۔ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش و خروش میں آ گیا یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور

ڈکار تک نہیں لیتے۔ حالانکہ شیخ اس قدر مغلوب تھے کہ چالیس برس یا کم وبیش، ردولی کی مسجد میں پانچ وقت کی نماز پڑھی لیکن راستہ نہیں یاد ہوا۔ بختیار خادم آگے آگے حق حق کہتے جاتے تھے اس آواز پر چلتے تھے۔ رستہ کی خبر نہیں مگر باوجود اس کے اس قدر سنبھلے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش وخروش میں آگیا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے یعنی کبھی شریعت کے خلاف نہیں کیا۔

اشراف نفس (طمع) اور ادب شیخ کا ایک عجیب واقعہ:

حدیث میں آیا ہے کہ جو چیز بغیر انتظار نفس کے آئے اس کو قبول کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز انتظار کے بعد آئے اس کو نہ لینا چاہیے۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ اگر وہ ہمیشہ لے لیا کریں تو ناپسندیدہ چیز کھایا کریں گے۔

ایک بزرگ تھے ان کے یہاں فاقہ تھا۔ ان کے شاگرد اس روز سبق پڑھنے آئے تو شیخ کو بہت مضمحل (کمزور) دیکھا۔ قرائن سے سمجھ گئے کہ آج ان پر فاقہ ہے۔ اس حالت میں انہوں نے سبق پڑھنا نہ چاہا اور کسی بہانے سے سبق ٹالا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ اپنے گھر آئے اور کھانا تیار کر کے شیخ کی خدمت میں لے آئے۔ شیخ نے فرمایا واقعی کھانا ایسے وقت پر لائے کہ مجھ کو حاجت ہے مگر اس کے قبول کرنے سے ایک امر مانع ہے وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو چیز اشراف نفس (انتظار نفس) کے بعد آئے اسے قبول نہ کرنا چاہیے اور جب تم میرے پاس سے اٹھ گئے تو مجھے خطرہ ہوا کہ تم میرے واسطے کھانا لاؤ گے تو یہ کھانا انتظار کے بعد آیا ہے اس لئے میں قبول نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر تقویٰ اس کا نام ہے۔ واقعی ایسی حالت میں حدود شریعت پر مستقیم رہنا بڑی جوانمردی ہے۔ اور یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کشف کیا چیز ہے۔ کیوں کہ صاحب کشف کو مرید سے کچھ دینے سے پہلے ہی کشف کے ذریعے سے

معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ مجھے کچھ دے گا۔ اور اس علم کا خاصہ ہے کہ انتظار پیدا ہو گا۔ تو انتظار کے بعد قبول کرنا خلاف سنت ہو گا۔ تو بعض دفعہ یہ کشف بھی پریشان کر دیتا ہے۔ تو یہ تو شیخ کا ادب تھا کہ انہوں نے خلاف سنت ہونے کی وجہ سے قبول نہ کیا اور اب مرید کا ادب دیکھئے۔ کہ اس نے شیخ پر اصرار نہ کیا بلکہ یہ کہہ کر کھانا اٹھالیا کہ بہت بہتر ہے میں کھانا واپس لے جاتا ہوں۔ شاید آپ کہیں کہ اچھی خشکی تھی۔ بندہ خدا نے کچھ تو کہا ہوتا۔ صاحبو یہ خشکی نہ تھی اس نے تدبیر کی اور ایسی تدبیر کی کہ بڑے بڑے فلسفی کو نہ سوجھے، واللہ یہ عقل سلیم بدون صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہو سکتی نہ کسی عالم کو نہ کسی بی اے کو نہ کسی ایل ایل بی کو یہ دوسری بات ہے کہ دنیا والوں کو دنیا کا تجربہ زیادہ ہو۔ سو تجربہ دوسری چیز ہے۔ عقل دوسری چیز ہے۔ طالب علم کھانے کو باہر لے جا کر کچھ دیر بعد واپس آیا اور وہی کھانا استاد صاحب کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ حضرت اب تو کھا لیجئے اب تو اشراف نفس نہ رہا۔

اللہ کے سامنے رونا رحمت حق کو جوش میں لاتا ہے:

مولانا احمدؒ ایسے بزرگ تھے کہ وہ قرض لے کر لوگوں کھلایا کرتے تھے۔ ان کے ذمہ بہت قرض ہو گیا۔ آخر مرنے لگے تو لوگ آ کر جمع ہونے لگے۔ اور تقاضہ کر رہے تھے کہ آپ تو مر رہے ہیں اس وقت ہمارا روپیہ کہاں جائے گا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک حلوائی کا لڑکا حلوے کی سینی لئے ہوئے پکارتا ہوا گزرا۔ آپ نے اس کو بلوایا اور سب حلوہ اس سے خرید لیا اور لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھے ہیں تو بھی بیٹھ جا۔ اس نے رونا شروع کر دیا کہ میرا باپ مار ڈالے گا۔ لوگوں کو بہت ناگوار ہوا کہ ناحق اس کا دل دکھایا ہے۔ آپ خاموش پڑے تھے۔ کہ ایک رئیس کا نوکر بہت سا روپیہ لے کر حاضر ہوا جس سے سب قرض داروں کا قرض ادا ہو گیا۔ ایک خادم نے

عرض کیا کہ حضرت اس میں کیا حکمت تھی آپ نے اس قدر قرض کی حالت میں مرتے ہوئے بھی حلوائی کے لڑکے کا قرض اپنے ذمہ اور بڑھایا۔ فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا قرض ادا کریں ارشاد ہوا کہ ادا کرنا کیا مشکل ہے کوئی روئے تو دریائے رحمت جوش زن ہو۔ مگر تمہارے ان قرض خواہوں میں کوئی رونے والا نہیں سب خاموش ہی بیٹھے ہیں۔ اس لئے میں نے اس لڑکے سے حلوہ خریدا جب اس نے رونا شروع کیا تو رحمت حق کو جوش آیا بھائی اس واسطے یہ ترکیب کی تھی۔

ایک مراقبہ:

یہ وہ مراقبہ ہے کہ ہر وقت کام کے متعلق سوچ لیا جائے کہ یہ جو کام ہم کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید ہے؟ اس مراقبے کے لئے کوئی وقت معین نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس کا وقت ہے، چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہو، کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی اور رنج وغصہ میں بھی کوئی حرکت اور سکون اس مراقبے سے خالی نہ ہو۔ اس کے بعد آپ سے انشاءاللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار گناہگار ہوں گے کہ معصیت (گناہ) کو معصیت جانے گا غافل نہ ہوگا، دوسرا یہ کہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں نے کوئی گناہ کا کام بھی کیا ہے کہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معصیت کے ساتھ خشیت بھی ملی ہوئی ہوگی۔

مجالس میں ذکر اللہ:

ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں تم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر الرسول بھی کر لیا کرو۔ اس کی ضرورت حدیث سے ثابت ہے حدیث میں ہے۔ ترجمہ: یعنی مجلس میں لوگ باتیں

کرتے ہیں اوراس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکرنہیں کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور کچھ بھی نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کریں:

سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَالۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَo

یہ لفظ جامع ہے ذکراللہ اور ذکرالرسول دونوں کو۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ کفارہ مجلس ہے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ جو لایعنی باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں، اِس سے ان کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ کفارہ مجلس، حدیث میں ایک اور بھی آیا ہے۔ جو کتاب الادعیہ میں مذکور ہے:

سُبۡحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِکَ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُکَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡکَ. ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی اس کا التزام کرلے کہ ہر مجلس میں کفارہ مجلس کی دعا ضرور پڑھ لیا کرے یا کوئی ذکر ضرور کیا کریں تو نفس کے اوپر اس کی پابندی کا بار ہوگا۔ پھر گناہ کی بات تو کرے گا ہی نہیں بلکہ بولنا ہی کم کردے گا۔

تواضع کی اصل:

تواضع کی اصل، مجاہدہ نفس ہے۔ کیوں کہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے اپنے کو خاکسار، نیازمند، ذرہ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو واقعی ذرہ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو، اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ واقعی تو تو ایسا ہی ہے۔ پھر سہرا کیوں مانگتا ہے۔ اور اگر کسی کی برائی سے کوئی رنج واثر بھی نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے۔ کہ مدح (تعریف) وذم (تحقیر جاننا) برابر ہو جائے۔

بدنظری کی سزا دنیا میں:

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور یک چشم تھے اور کہتے جاتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ غَضَبِکَ، کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے۔ کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپت لگا اور آنکھ چھوٹ گئی۔ اس لئے ڈرتا ہوں پھر اس طرح دوبارہ نہ ہو جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ چلے جا رہے تھے ایک حسین نصرانی لڑکا سامنے آ رہا تھا ایک مرید نے پوچھا کہ کیا اللہ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہو گا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص قرآن بھول گیا۔

سلوک طریق کے اجزاء:

سلوک طریق کے دو جز ہیں ایک تحلیہ دوسرا تخلیہ۔ تحلیہ کے معنی لغت میں آراستہ کرنا اور اصطلاح صوفیا میں تحلیہ یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو اخلاق حمیدہ و تعلق مع اللہ سے آراستہ کر دے جس کا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونا ہے۔ اور تخلیہ کے معنی لغت میں خالی کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں سالک کا اپنے آپ کو اخلاق رزیلہ سے پاک کرنا اور غیر سے تعلق منقطع کرنا ہے۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک میں تحلیہ اور تخلیہ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تحلیہ کو مقدم کیا جاوے یا تخلیہ کو مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں۔

صبر کے معنی:

صبر کے معنی صرف یہ نہیں کہ مصائب میں جزع فزع کو ترک کر دے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ناگوار واقعات میں بھی اپنے معمولات پر مستقل رہنے اور منہیات سے بچا رہے۔

پس یہ کتنی بڑی غلطی تھی کہ لوگوں نے صبر کے مفہوم اصلی کو اس کی حقیقت سے خارج کر دیا اور بس جزع فزع نہ کرنے میں اس کو منحصر کر دیا۔ حالانکہ جس طرح مصیبت کا یہ حق ہے کہ اس وقت جزع فزع نہ کرے۔ یہ بھی ایک بڑا حق ہے کہ اعمال میں تعلیل اور اختلاط نہ ہونے پائے۔ اور جو شخص ایسے وقت میں اعمال میں کوتاہی کرنے لگے وہ صابر کہلانے کا ہر گز مستحق نہیں ہوسکتا۔

تکبر کا عملی علاج:

تکبر کا عملی علاج یہ ہے کہ غرباء کی تعظیم وتواضع کریں خوشی سے نہ ہو سکے تو بہ تکلف ہی کریں۔ ان سے خوش خلقی اور نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آئیں وہ جب ملنے آئیں تو کھڑے ہوجایا کریں ان کی دل جوئی کریں۔

صبر کا مفہوم:

صبر کے معنی ہیں کہ نفس کو ناگوار باتوں کا عادی بنایا جائے یعنی خواہش نفس کی مخالفت کی جائے۔ چونکہ خواہشات نفس کو ترک کرنے میں دشواری ہوتی ہے اور جو شخص مخالفت نفس کا عادی ہوجائے تو اس کے لئے نفسانی گناہ ترک کرنا آسان ہوجائیں گے۔ نظر بد کا ترک اسی لئے شاق ہے کہ نظر بد میں لذت ہے۔ ان سب کی دشواری رفع کرنے کے لئے صبر کی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ نفس کو ناگوار امور کا عادی بناؤ نفس کی مخالفت کرو۔ اس کی خواہش کو پورا نہ کرو۔

ترک عجب:

سائیں توکل شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھنا چاہئے۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی صاحبؒ نے اس کی توجیہہ میں فرمایا کہ کتے میں اندیشہ بے ایمانی کا نہیں اور مسلمان کو بے ایمانی کا اندیشہ ہے۔ اس لئے مسلمان کو چاہیے کہ اپنے کو کتے

سے بھی بدتر سمجھے حقیقت میں زندگی ختم ہونے تک انسان کو کچھ حق نہیں اپنے کو اچھا سمجھنے کا، رات دن تبدل وتغیر ہوتی رہتی ہے۔کوئی آج عابد وزاہد ہے اور کل کو شیطان ہو جاتا ہے۔کوئی آج کافر ہے اور کل کو مسلمان ہو جاتا ہے۔اس لئے زندگی میں اپنے کو کسی سے اچھا سمجھنے کا حق نہیں ہاں مرنے کے بعد اسلام پر خاتم ہو گیا تو جو کچھ چاہے سمجھ لینا۔توکل کے لئے ایک ضروری دستور العمل۔ جو کام کرو کم از کم ایک ہی مرتبہ ضرور سوچ لیا کرو کہ اے اللہ یہ کام آپ کے اختیار میں ہے اگر آپ چاہیں گے تو ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ یہ ایسی سہل اور آسان بات ہے کہ کچھ اس میں مشقت نہیں اور نفع اس کا کثیر ہے چند روز کر کے تو دیکھو کیا رنگ لاتی ہے۔

اخلاق حسنہ کا نام ونشان مسلمانوں میں مٹ رہا ہے:

اخلاق کی حالت یہ ہے کہ جو اچھے اخلاق تھے ان کا نام ونشان مسلمانوں میں مٹتا جا رہا ہے۔ اخلاص، شکر، صبر، توکل، حمیت وغیرت، تواضع، مروت، ہمدردی، رحم، ایفاء وعدہ یہ اخلاق حسنہ ہیں۔ ہمارے اندر ان کی بجائے ریا، فخر، تکبر، حسد، کینہ، بخل، خلاف وعدگی اور جھوٹ وغیبت رہ گئے ہیں۔تو دین کے پانچ اجزاء تھے۔ عقائد، عبادات، معاملات ومعاشرت واخلاق پانچوں کی یہ حالت ہے جو میں نے عرض کی۔ پھر ہم اپنے کو اللہ کی جماعت بتلاتے ہیں اور مستحق بننا چاہتے ہیں۔

علم صرف درسیات پر موقوف نہیں:

صحبت علماء سے بعض عوام جاہل نہیں رہتے خواص ہو جاتے ہیں گو اکثر اخص الخواص نہ ہو۔ پس جاہل وہ ہے جو خدا کا راستہ نہ جانتا ہو اور جو واقف ہو وہ عالم ہے گو لکھا پڑھا نہ ہو۔ گو ایسا شخص عالم لازم ہے عالم متعدی نہیں۔

حقوق اللہ دو قسم کے ہیں:

حقوق اللہ میں تفصیل یہ ہے کہ وہ دو قسم کے ہیں منہیات یعنی وہ امور جن سے منع کیا گیا ہے اور ماموراتجن کو طاعات کہتے ہیں یعنی وہ امور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

حق العبد کی اہمیت:

ہر شخص سے قیامت کے دن ہر دانگ کے بدلے (تین پیسے کا ہوتا ہے) سات سو قبول نمازیں چھین لی جائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ

شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ کے شیخ تھے۔ آپؒ حضرت شاہ یٰسین نگینویؒ کے خلیفہ تھے جن کو حضرت رشید احمد گنگوہیؒ سے خلافت حاصل تھی۔ تبلیغ میں پوری زندگی وقف کی تھی حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ فرماتے ہیں تین جھونپڑے ڈال کر رائے ونڈ کے مرکز کو بسایا تھا بعد میں وہ مرکز ساتھیوں کے حوالے کر کے ٹنڈو آدم میں مدرسہ اور تبلیغی مرکز آباد کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بہ ہمہ صفات موصوف شخصیت تھے، سخاوت اور مستجاب الدعوات ہونا ان کی خاص خصوصیات تھیں۔

حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے سنایا کہ وہ ایک دفعہ حضرت کے ہم سفر تھے، بھائی افضل بھی ساتھ تھے۔ کپڑے تبدیل کرنے کے دوران افضل صاحب کو ازار بند کی ضرورت پڑی۔ انھوں نے کہا: ''شاہ صاحب ازار بند مل سکتا ہے؟'' شاہ صاحب نے فوراً اپنا ازار بند شلوار سے نکال کر دے دیا اور شلوار کو ایسے ہی باندھ لیا یہاں تک کہ بعد میں اپنے لیے متبادل کپڑوں کا بندبست کیا۔

علاؤالدین صاحب انسٹرکٹر پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ سندھ سناتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک طالب علم شاہ صاحب سے ملنے آیا۔ وہ بہت اداس تھا۔ شاہ صاحب نے اداسی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ بی۔اے کا امتحان دیا تھا، پاس تو ہو گیا ہے لیکن نمبر 50% سے کم آئے ہیں اس لیے تھرڈ ڈویژن آئی ہے۔ شاہ صاحب نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تیری ڈویژن کو سیکنڈ کر دے۔ اسی سال قانون بدلا اور بجائے 50% کے 45% پر سیکنڈ ڈویژن شمار ہونا شروع ہو گئی، اس طرح اُس برخوردار کی تھرڈ ڈویژن سیکنڈ میں بدل گئی۔

نسیم صاحب گوجرانوالہ چاول کے تاجر ہیں، انھوں نے بتایا کہ فصل کے موقع پر

کاروبار کے لیے چاولوں کی خریداری کی۔اچانک ریٹ کم ہوکر قیمت خرید سے بھی نیچے گر گیا۔ غمگین واداس ہوکر سیدھے شاہ صاحب کے پاس چلے گئے، شاہ صاحب نے کچھ دن اپنے پاس ہی ٹھرالیا۔ چند دن بعد واپسی کی اجازت دی۔ کہتے ہیں: میں جب واپس آیا تو ریٹ بڑھ گیا تھا اور اللہ کے فضل سے نفع ہوا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں جب میری ٹنڈوآدم حاضری ہوئی۔ وہاں کے مقامی ساتھیوں نے بتایا کہ شاہ صاحب نے تبلیغی مرکز اور مدرسہ بنانے کے لیے ایک متروکہ اراضی خریدی۔ خریداری کے بعد کسی نے شاہ صاحب کو بتایا کہ اس اراضی کے انتقال میں خالی زمین کے ساتھ ایک مکان بھی ہے جس پر بلا اجازت قبضہ کر کے کوئی رہ رہا ہے۔ تفصیل معلوم کرنے پر بات درست ثابت ہوئی، مکان کا قبضہ واپس کر کے جب مکان کو بیچا گیا تو پلاٹ کی قیمت نکل آئی۔

شاہ یٰسین نگینویؒ

شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ نے سلوک و احسان کے سارے منازل شاہ یٰسین نگینویؒ کے زیرِ نگرانی طے کئے تھے۔ شاہ یٰسین نگینویؒ، رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کے کسر نفسی، مجاہدہ و محاسبہ اور کشف و کرامات کے لاکھوں خواص و عوام گرویدہ تھے۔ آپ بہت ہی کم گو، صاحب تصرفات اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے ان معدودے چند مشائخ اور آئمہ دین میں ہوتا تھا جن فیوض و برکات سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے فضائل قرآن و فضائل درود شریف حضرت شاہ صاحبؒ کے حکم سے لکھی، حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ وصال کے وقت اپنے مخلص خادم اور خلیفہ شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ کو یہ وصیت کی تھی کہ زکریا سے کہہ دیجیو کہ جس طرح تو نے فضائل قرآن لکھی ہے میرے کہنے سے فضائل درود بھی لکھ دے۔

آپ کی ولادت ربیع الاول ۱۲۸۵ھ میں ہوئی اور ۶۵ سال کی عمر میں ۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۹۴۱ء میں وفات ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ، پروفیسر کریم بخشؒ، اور مولانا عبدالغنی بارہ بنکویؒ مشہور ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

آپؒ صحابی رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے تھے اور نانی کی طرف سے گیارہویں پشت پر آپؒ کا نسبی سلسلہ قطب عالم شیخ المشائخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے جاملتا ہے۔ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے گنگوہ شریف کی خانقاہ کو آباد کیا تھا۔

علوم عقلیہ میں آپؒ کے استاد مولانا مملوک العلی اور مفتی صدرالدین تھے۔ البتہ حدیث میں آپ کے استاد شاہ عبدالغنیؒ تھے۔ شاہ عبدالغنی صاحبؒ بڑے پائے کے شخص تھے علم ظاہری وباطنی میں شہرہ آفاق تھے۔ آپؒ نے وصال سے چندسال قبل ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران ہندوستان سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو اپنا جائے قیام بنایا اکثر مسجد نبوی میں مستغرق ومراقب رہتے ایک مرتبہ روضہ رسول اطہر ﷺ سے فاصلے پر بیٹھے ہوئے زائرین کے شور مچانے پر یک دم کانپ اٹھے اور نہایت آہستہ آواز میں یوں فرمایا صاحبو شور نہ کرو دیکھو رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ مدینہ منورہ میں بھی درس حدیث دیتے تھے۔ ۱۲۹۵ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

سلوک وتحصیل طریقت:

تھانہ بھون کی خانقاہ میں تین قطب رہتے تھے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت ضامن شہیدؒ اور شیخ محمد تھانویؒ یہ تینوں حضرات میاں جی نور محمدؒ کے خلفاء تھے۔ حضرت شیخ محمد تھانویؒ نے ایک کتاب لکھی اور گنگوہیؒ کو اس پر کچھ علمی اشکالات تھے اس لئے شیخ محمد تھانویؒ سے اس پر بحث ومباحثہ کرنے کے لئے تھانہ بھون چلے گئے اس سفرِ مناظرہ میں یہ بھی دھیان تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی بھی زیارت ہوجائے گی اور موقع ملا تو غلامی کا شوق بھی ظاہر کردوں گا۔

غرض مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھانہ بھون چلے آئے، ظہر کی نماز ہو چکی تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ اپنی سہ دری میں بیٹھے ہوئے تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھے حضرت امام ربانیؒ حاضر خدمت ہوئے اور سلام کرنے کے بعد بیٹھ گئے حضرت حاجی صاحبؒ نہایت محبت سے ملے اور پوچھا کیسے آئے ہو؟ حضرت امام ربانیؒ نے مناظرے کا قصد ظاہر کیا تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ''ایسا نہ کرنا وہ ہمارے بڑے بزرگ ہیں''۔ بحث مباحثے کا تو اسی جگہ فیصلہ ہو گیا امام ربانی نے کہا ''حضرت آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں'' اور بعد میں باتوں کے دوران موقع پا کر مناسب الفاظ میں بیعت ہونے کی درخواست کی۔ مگر حضرت نے بطور امتحان انکار فرمادیا نتیجہ امتحان یہ تھا کہ جتنا ادھر سے انکار تھا اسی قدر ادھر سے اصرار اور جس قدر اس جانب سے استغناء کا برتاؤ تھا اتنا ہی اس طرف احتیاج کا اظہار، اسی دوران حافظ ضامن شہیدؒ نے آپ سے آنے کا سبب اور حال پوچھا تو آپؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہونے کا مدعا ظاہر کر دیا حافظ صاحبؒ نے کہا ''ابھی جلدی کیا ہے چند روز یہاں ٹھہرو یہاں کے حالات دیکھو'' آخر جب آپ کی پختگی ہر طرح سے ظاہر ہو گئی تو حافظ صاحب نے حضرت حاجی صاحبؒ کو آپ کی سفارش فرمائی اور اس کے دو تین روز بعد آپ کو سلاسل اربع میں حضرت حاجی صاحبؒ نے بیعت فرمایا۔

مرشد کی طرف سے ایک اور امتحان:

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ اور دوسرے پیالے میں معمولی سالن تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے مجھے (حضرت مولانا گنگوہیؒ) بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور تھا اتنے میں حافظ ضامنؒ تشریف لائے کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا دیکھ کر کہا حاجی صاحبؒ! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ

بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالے کو ادھر کیوں نہیں رکھ دیتے اعلیٰ حضرتؒ نے بے ساختہ جواب دیا اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا۔اس فقرہ پر حاجی صاحبؒ نے میرے چہرے پر نظر ڈالی کہیں کچھ تغیر تو نظر نہیں آیا مگر الحمد اللہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا۔اس کے بعد حضرت نے میرا کبھی امتحان نہ لیا۔

جہری ذکر:

حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو بارہ تسبیحات تلقین فرمائیں اور آپ کی چارپائی رات کو اپنے پلنگ کے پاس بچھوالی آخر شب میں جب حضرت حاجی صاحب حسب معمول اٹھے تو آپ بھی کچھ دیر بعد اٹھ گئے اور تہجد پڑھنے کے بعد ذکر میں مشغول ہو گئے حضرت گنگوہی صاحبؒ فرماتے ہیں'' کہ آخر میں نے **ذکر بالجہر** شروع کیا گلہ اچھا تھا بدن میں قوت تھی صبح کو جب خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو''۔اس دن سے ذکر بالجہر کے ساتھ محبت ہوگئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی۔

یہاں تک کہ آپ کو بیعت ہوئے اور ذکر بالجہر کرتے ایک ہفتہ گزرا تھا کہ آٹھویں دن حضرت حاجی صاحب شیخ العرب والعجمؒ نے فرمایا'' میاں مولوی رشید احمد جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے''۔

حضرت گنگوہیؒ تو بغرض مناظرہ یہاں آئے تھے آپ جن کپڑوں کو پہنے ہوئے تھے انہی میں تھانہ بھون چلے آئے تھے نہ دوسرا جوڑا ساتھ تھا نہ قیام کی نیت تھی۔آخر فیضانِ صحبت و مشغلہ ذکر میں چالیس دن پورے ہو گئے اسی دوران آپ بخار میں مبتلا ہو گئے،

علالت کے باعث حضرت پر تیمار داری و خدمت کا بار ڈالنا خلاف ادب سمجھا ادھر گھر والوں کی طرف سے واپسی کا تقاضا ہو رہا تھا اس لئے امام ربانی نے پورے بیالیس روز گزار کر حضرت حاجی صاحب سے واپسی کی اجازت چاہی واپسی کے وقت حضرت حاجی صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ باہر پیدل نکل آئے اور حضرت گنگوہی کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب علیحدہ لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے ''اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کر لینا'' حضرت امام ربانی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ''مجھ سے کون درخواست کرے گا؟'' حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ''تمہیں کیا جو کہتا ہوں وہ کرنا''

خدا کے دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

ذکر بالجہر کرتے تو مسجد کانپ رہی ہوتی:

حضرت کے ماموں زاد اور بچپن کے دوست مولانا ابوالنصر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون سے واپس آ کر حضرت اقدسؒ کا قیام میرے مکان پر تھا۔ نصف شب کو آپؒ جب اٹھتے اور سیدھے مسجد کی جانب رخ فرماتے تو پیچھے پیچھے میں بھی لگا ہوا چلا آتا جس وقت حضرت ذکر بالجہر شروع فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے خود پر جو حالت گزرتی ہوگی اس کی کسی کو کیا خبر؟

پہلی بیعت:

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ کوئی بیعت کرنا چاہے تو ضرور بیعت کر لینا جب آپؒ وطن واپس ہوئے تو چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک عفت مآب نیک دل عورت نے آپؒ سے بیعت ہونے کی درخواست کی اور عرض کیا کہ مجھے مرید کر لیجئے۔

خانقاہ امدادیہ میں حاضری کا سلسلہ:

حضرت مولانا گنگوہیؒ مجاز ہونے کے بعد جب گنگوہ واپس ہوئے تو تھانہ بھون کی آمدورفت اور دربارامدادیہ کی حاضری کا سلسلہ یوں قائم رکھا کہ آٹھ دن گنگوہ رہے تو دس دن کے لئے تھانہ بھون چلے گئے اور کبھی بارہ دن تھانہ بھون رہے تو پندرہ دن کے لئے گنگوہ قیام فرمایا۔

گنگوہ شریف کی خانقاہ:

لوگوں کے پاس بیٹھتے ہوئے اکتاتے، گھبراتے اور تنگ دل ہوا کرتے تھے۔ جنگل کے درختوں کی سنسناہٹ آپؒ کو پسند آئی اور ویران گھروں کے گوشوں سے آپ کو اُنس حاصل ہوتا۔ آخر آپ کے مکان مسکونہ کے متصل اس خراب اور ویران جگہ پر نظر ڈالی جو آپؒ کے روحانی جدامجد اور دینی ودنیاوی مورث اعلیٰ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا کسی زمانے میں سالہا سال تک خانقاہ وخلوت خانہ رہا اور اب انقلاب زمانہ کی وجہ سے گدھوں اور گھوڑوں کا اصطبل بنا ہوا تھا تو آپؒ بے چین ہو گئے حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے روضہ مبارک سے متصل اس خانقاہ کے گزشتہ سوانح اور گزرا ہوا نقشہ آپؒ کے نظر کے سامنے پھرا۔ آپؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ جہاں شیخ الشیوخ کے اپنے مالک کے سامنے ناک اور پیشانی رگڑی جاتی تھی آج کس درجہ کسمپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ یہاں کسی زمانے میں ھوحق کے نعرے اور ذکر کی دل آویز آوازوں سے یہاں کی درودیواریں گونجا کرتی تھیں جہاں شیخ کے مریدین اپنے بوریئے بچھا کر اللہ کا نام سیکھنے کو راتوں کو ذکر وشغل میں مشغول رہتے تھے آج وہ جگہ ویران پڑی ہے۔ یہی وہ میراث تھی جو آج تین سو سال بعد اس کے وارث کو حاصل ہونے والی تھی۔ حضرت نے ساری جگہ کو کوڑے اور غلاظت سے صاف کیا اور ذکرو اذکار اور عبادتوں سے دوبارہ اس خانقاہ کو آباد فرمایا۔ چند ہی سال میں اتنا شہرہ ہوا کہ تشنگان

علم اور طالبان طریقت کے پل ٹوٹ پڑے طلبا کی جوق در جوق جماعتیں آنے لگیں اور اتنا کثیر مجمع ہوا کہ طلبا کا ایک جگہ بیٹھنا مشکل ہوا اتفاق سے قاضی امانت علی کی لڑکی کا انتقال ہوا تو قاضی صاحب نے اپنی لڑکی کا زیور کسی کار خیر میں صرف کرنے کے لئے حضرت مولانا کی نذر کر دیا اور وہ روپیہ اس سہ دری پر خرچ ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ آپؒ اپنے کنبے میں ہمیشہ سے ہر دلعزیز رہے وطن سے باہر خصوصاً دین کی محبت رکھنے والے علم دوست مجمع نے ابتدا ہی میں آپ کو شیخ زمانہ سمجھ لیا تھا مگر جب بطحائی پیغمبر ﷺ کے وطن میں قدر نہیں ہوئی تو نائب رسول گنگوہیؒ کو تمام اہل گنگوہ کیوں کر عزیز سمجھ سکتے تھے۔ خصوصاً قدوسی خانقاہ کی طرف اپنے کو نسبت کرنے والے پیر زادے اول تو اس کو خداداد نعمت ہی سمجھتے، اور اگر سمجھتے بھی تو ’’گھر کی مرغی دال برابر‘‘ مفت میں ہاتھ آئے اس لعل کی قدر ہی کیا کرتے اور سب سے بڑا یہ کہ اپنی پیرزادگی کے عقائد فاسدہ کا مخالف پا کر اپنا دشمن سمجھے ہوئے تھے۔ موقع کی تلاش میں تھے آخر سہ دری کے قصے کو لے بیٹھے اور بات کا بتنگڑ بنا دیا بیٹھ کر مشورے کئے کہ ’’آج مولوی رشید احمد نے سہ دری بنائی کل کو کچھ اور عمارتیں بنوا کر اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں گے چلو اُن کو اس جگہ سے بے دخل کریں اور جو کچھ لاگت اس تعمیر میں لگی ہے وہ ان کو دے کر قبضہ چھڑائیں‘‘ چنانچہ پیرزادوں کا ایک مجمع آپ کے پاس آیا اور حرف مدعا زبان پر لایا بولے کہ مولوی صاحب ہمارا منشا یہ ہے کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جو لاگت خرچ ہوئی ہے وہ لے لیں‘‘ آپؒ نے نہایت سادگی سے جواب دیا بہت اچھا اتنی سی بات کے لئے مجمع لانے کی کیا ضرورت تھی کسی ادنیٰ آدمی سے بھی یہ پیغام کہلا بھیجتے تو بھی کافی تھا۔ اسی وقت طلبا سے فرمایا کہ بستر ے کپڑے اور لکھنے پڑھنے کا سامان سب نکال لو اور جگہ خالی کر دو۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ گدھے گھوڑے باندھنے کو دھوبیوں نے اس مقدس خانقاہ پر قبضہ

جمار کھا تھا اس وقت شیخ کی اولاد میں کسی پیرزادے کا بھی دل نہ دکھا اور آج جبکہ قال اللہ اور قال الرسول کا بازار گرم ہے تو ان کو بے دخل کرنے کی سوجھی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو ضرور بھرے۔ غم وفکر کی وجہ سے چہرے پر ضرور افسردگی چھا گئی مگر زبان سے اف نہ کی بعد میں عصا لے کر اسی وقت کھڑے ہو گئے ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں تسبیح اور مسجد کا راستہ لیا۔ آپ کے پاس طلبا کا بھرپور مجمع تھا جن میں ولایتی، کابلی، افغانی، اور ہندی سب ہی طلبا تھے اور طلبا بھی وہ جاں نثار طلبا جن کو استاد کے پسینہ کی جگہ خون گرانے میں فخر تھا مگر آپ نے اتنا بھی نہ چاہا کہ سالہا سال سے مسکونہ مکان خالی کرنے کے لئے ایک دن کی بھی مہلت دی جائے۔ آپ کے تمام رشتہ داروں اور جاں نثار شاگردوں میں کافی جوش وخروش پیدا ہوا مگر آپ نے کہا کہ جس نے کوئی لفظ زبان سے نکالا تو میرا دوست نہیں بلکہ دشمن ہے...... آپ مسجد میں تشریف فرما تھے بوریہ لپٹا ہوا بستر ا اور عصا کونہ میں رکھا ہوا تھا ہاتھ میں تسبیح اتنے میں قریب ہی قصبے کے باشندوں نے یہ خبر سنی اور ایک وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور کہا ان لوگوں نے آپ کی قدر نہ پہچانی آپ ہمارے ہاں تشریف لے چلیں اور ہمارے مکانوں میں جو مکان آپ کو پسند ہوں اس میں سکونت اختیار فرمالیں۔ حضرت نے ان لوگوں کا شکریہ ادا فرمایا اور کہا کہ میں یہاں راحت سے ہوں خدا کا بندہ خدا کے گھر میں پڑا رہے گا نہ کوئی نکالنے والا ہوگا اور نہ کوئی اٹھانے والا ان کو رخصت فرما دیا۔

ادھر پیرزادے خلاف توقع حجرہ اور سہ دری کے اس قدر جلد اور بے تعمل خالی ہو جانے پر گھائل ہو گئے۔ اور اپنی مکروہ اور ناشائستہ حرکت پر خود نادم ہو چکے تھے۔ ایک نے دوسرے پر الزام لگایا کہ تم نے یہ گستاخ حرکت ہم سے کرائی افسوس جدامجد کے آباد حجرے کو برباد اور ویران کر دیا چنانچہ نادم و پریشان ہو کر واپس امام ربانیؒ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اپنی گستاخی کا عذر کیا اور معافی چاہی اور حجرہ پھر سے آباد کرنے کی درخواست کی

حضرت کو مسجد میں قیام کئے ہوئے تین چار دن گزر چکے تھے آپ نے مسجد چھوڑ کر ادھر جانے سے انکار کر دیا مگر ان لوگوں کا اصرار بڑھ گیا اور ضعیف العمر اور سفید ریش بڑوں نے آپ سے تمنا کی تو آپ نے نیچے گردن جھکا لی اور بدستور سابق جگہ رونق افروز ہو گئے۔ الغرض امام ربانی کا درس اس سال تک جاری رہا جس سال میں آپ کی بصارت ضعیف ہوئی۔ اور نزول آب نے آپ کو ظاہری بینائی سے معذور بنا دیا۔ ۱۸۹۵ء آپ کی تدریس کا آخری سال تھا اسی سال مولانا یحییٰ کاندھلویؒ شریک درس تھے اس عرصہ میں تین سو سے کچھ اوپر کے طالب علم فیض یاب ہوئے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی سالکین کو تعلیم کردہ اذکار:

آپ عموماً متوسلین کو بیعت وقت یعنی بعد نماز عشاء تمام کاروبار سے فارغ ہو کر پڑھا جائے تو بہتر ہے۔ استغفار کوئی مخصوص نہ تھا جو الفاظ بھی ہوں پڑھے جائیں۔ بعض متوسلین کو آپ نے فرمایا کہ سوتے وقت کم سے کم دس مرتبہ اس طرح پڑھا کرو ''یا اللہ میری توبہ ہے'' نیز متوسلین کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم فرماتے تھے کہ کم سے کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے۔ اور اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہ ہونی چاہیے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے پھر آپ پر درود شریف میں بھی بخل ہو تو بڑی بے مروتی کی بات ہے۔ چونکہ متوسلین کی فراغت و مشغولیت کے حالات مختلف تھے، اس لئے مقدار کی کمی بیشی ان کے حسب حال آپ فرما دیا کرتے، دو امر جس پہ توجہ زیادہ تھی ایک یہ کہ گو تھوڑا کام کیا جائے مگر نباہ کر بالالتزام کیا جائے آپ نے بار بار فرمایا کہ ''وہ قلیل جس کا نباہ ہو بہتر ہے اس کثیر سے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو'' دوم یہ کہ جو وقت کسی ورد کا تجویز کیا جائے اس کی پابندی کی جائے اس میں یہ مصلحت ہے کہ انضباط وقت معمولات کے نباہ کا وسیلہ بن جاتا ہے اور وہ قضا نہیں ہونے پاتا۔

بارہ تسبیحات:

آپ سالک کو ۱۲ تسبیحات تعلیم فرماتے اور اتنا اہتمام کرایا کرتے تھے کہ اگر شب کو نہ ہوسکے تو دن کو پوری کی جائیں اور آج نہ ہوسکیں تو کل کو قضا کی جائیں۔ جہاں تک ممکن ہو اور جس طرح بھی ہوسکے ناغہ نہ کی جائیں اس کے بعد جب سالک کو ذکر اللہ کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی تو اسم ذات اللہ اللہ یا نفی اثبات لا الہ الا اللہ کی تعداد بڑھاتے اور ایک ہزار سے بارہ ہزار بلکہ ۲۴ ہزار تک ذکر بالجہر کی تعلیم فرماتے اس کے ساتھ پاس انفاس تلقین فرماتے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی آپ سے بیعت واستفادہ طریقت:

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ خاندان کے اسلاف اہل معرفت وطریقت تھے والد صاحب حضرت مولانا فضل الرحمٰن مراد آبادیؒ سے بیعت تھے جب بڑے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب نے ہم دونوں چھوٹے بھائیوں (سید احمد صاحب، حسین احمد صاحب) کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ میرا ارادہ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہونے کا تھا کیونکہ بچپن ہی سے ان کی خدمت میں رہنا ہوا تھا لیکن بھائی صاحب نے کہا کہ وہ بیعت نہیں کرتے میں نے بہت کوشش اپنے لئے بھی کی تھی لیکن وہ راضی نہیں ہوئے تھے بلآخر ہم دونوں حاضر ہوئے اس زمانہ میں مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی وہاں خانقاہ میں ہوتے تھے اور مشاغل سلوک کے انہماک کے ساتھ حضرت قطب عالم کی ڈاک کی خدمات بھی انجام دیتے تھے جب ہم دونوں وہاں گنگوہ شریف پہنچے تو مولانا صاحب نے ہم دونوں کو یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ مولوی صدیق احمد صاحب نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کو بیعت ہونے کے لئے بھیجا ہے حضرت گنگوہیؒ مولویوں کو بیعت کرنے میں بہت

زیادہ ردوقدح فرمایا کرتے تھے ان کے بے تکلف خادم حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ کس شخص کو مجھ سے قلبی مناسبت ہے اور کتنی ہے اگر مناسبت نہیں تو میں انکار کردیتا ہوں ورنہ بیعت کرلیتا ہوں بہرحال ہم دونوں حاضر ہوئے تو کچھ پس وپیش نہیں فرمایا اور حضرت نے ہم کو بیعت کرلیا بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے بیعت تو کرلیا ہے اب تم مکہ معظّمہ جارہے ہو وہاں قطب عالم حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ موجود ہیں ان سے عرض کرنا وہ تلقین فرمادیں گے۔

دیوبند سے مکہ معظّمہ رخصت ہوتے وقت حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ پیدل اسٹیشن تک ساتھ تشریف لائے اور یہ وصیت فرمائی کہ پڑھانا نہ چھوڑنا خواہ ایک ہی طالب علم پڑھنے والا ہو۔ جب مکہ معظّمہ حاضری ہوئی تو حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی حضرت نے بہت توجہ فرمائی ۔حضرت گنگوہیؒ کا سلام و پیام سن کر بہت خوش ہوئے اور دیر تک نہایت محبت سے تذکرہ فرماتے رہے فرمایا کہ تمنا ہے کہ ایک مرتبہ پھر زندگی میں اس سے ملاقات ہوجاتی ۔بلآخر ہم نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے ہم کو بیعت تو کرلیا تھا مگر فرمایا تھا کہ تلقین حضرت سے حاصل کرنا۔تو آپ نے پاس انفاس کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ روز صبح کو یہاں آکر بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو چنانچہ جب تک مکہ مکرمہ میں رہنا ہوا روز حاضر ہوتے رہے۔ خیر کچھ عرصہ بعد جب ہم دونوں بھائیوں کی ہندوستان واپسی ہوئی تو گنگوہ شریف حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے فرمایا حجرہ شریف کا غبار بھی لائے ہو یا نہیں ہم نے غبار مبارک ، کھجوریں اور زم زم حضرت کی خدمت میں پیش کیں اور ساتھ عرض کی کہ ہم دونوں خانقاہ میں آپ کی صحبت میں کچھ عرصہ گزارنے کے لئے آئے ہیں۔

خانقاہ قدوسیہ میں ہر ایک کو الگ الگ حجرہ مل گیا اور وہاں رہنے لگے حضرتؒ نے

غبار مبارک سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ اس سرمہ کو استعمال فرماتے رہیں مسجد نبوی ﷺ کی کھجوروں کے تین دانے پیش کیئے گئے ان کو ۲۰ حصے کر کے تقسیم فرمایا اور فرمایا گھٹلیاں پھینکی نہ جائیں ان کو پیس کر استعمال کرتے تھے۔

عصر کے بعد حجرہ شریف میں برآمدہ کے ستون کے پیچھے دو تین گز کے فاصلے پر مغرب کے وقت تک ہم مراقبہ و ذکر میں مشغول رہتے صبح کی نماز کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹہ دن چڑھنے کے بعد اوراد و اشغال سے فارغ ہوتے۔ چالیس دن گزرنے کے بعد حضرت نے بھائی صاحب سے فرمایا اپنے اپنے عمامے لے آؤ بھائی صاحب لے آئے۔ حضرت نے ہر ایک کے سر پر باندھ دیا۔ مجھ پر گریہ طاری تھا اپنی کم مائگی اور خجالت کا شدید احساس تھا اس کے بعد بھائی صاحب سے فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ کیسی دستار ہے۔ بھائی نے عرض کیا دستار فضلیت ہے فرمایا کہ ”نہیں دستار خلافت ہے میرے طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے“ کچھ عرصہ بعد میں نے عرض کیا کہ سلسلہ نقشبندیہ کا سلوک بھی طے کرنا چاہتا ہو تو فرمایا جو تعلیم میں نے دی ہے وہ سب کی بالکل آخری تعلیم ہے یہاں پر تمام سلاسل مل جاتے ہیں اسی کی مشق کرو اسی میں جدو جہد کر کے پیر مرید سے بڑھ جائے یا مرید پیر سے بڑھ جائے۔

دو ماہ سے دو چار دن زیادہ حاضر باشی کو ہو گئے تھے کہ یکبارگی بعد از اجازت یہ کیفیت پیش آئی کہ نماز میں بھی اور باہر بھی یہ تمام فضاء بین السموٰت والارض مجھ کو تنگ معلوم ہونے لگی اور نماز میں اس قدر اس کا اثر ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ نماز توڑ کر بھاگ جاؤ حضرت سے عرض کیا تو فرمایا کہ کلیر شریف وغیرہ ہو آؤ حضرت قطب عالم حاجی صاحب کو بھی قبض پیش آتا تو ایسے مقامات پر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ ہم دونوں کلیر شریف اور دیوبند وغیرہ مزارات پر گئے اور سفر میں یہ حالتیں جاتی رہی۔ واپسی کے بعد تقریباً پندرہ دن قیام رہا یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر باشی کا شرف تین مہینہ

کامل بھی نصیب نہ ہوا بد قسمتی نے چاروں طرف سے گھیرا اور ایسے اسباب وعوارض پیش آگئے جس کی وجہ سے مزید قیام نہ ہوسکا مدینہ منورہ سے والد صاحب کے بھی تقاضے آتے تھے اس لئے واپس مدینہ جانا ہوا۔

رمضان المبارک میں حضرت گنگوہیؒ کے معمولات:

ریاضت ومجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو ترس آجاتا تھا آپ ستر سال کی عمر سے متجاوز ہوگئے تھے کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر روزہ رکھتے۔ بعد مغرب چھ کی جگہ بیس رکعت صلوٰۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے جس میں ۲ پارہ قرآن مجید سے کم تلاوت نہیں ہوتی تھی پھر اس کے ساتھ رکوع وسجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والے کو سہو کا گمان ہوجاتا نماز سے فارغ ہوکر مکان تک جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھہرنے کی مدت میں کئی پارہ کلام مجید ختم کرتے تھے پھر تھوڑی دیر بعد نماز عشاء اور صلوٰۃ تراویح جس میں گھنٹے سوا گھنٹے سے کم خرچ نہ ہوئے تھے۔ تراویح سے فارغ ہوکر ساڑھے دس گیارہ بجے آرام فرماتے اور دو ڈھائی بجے ضرور اٹھ کھڑے ہوتے تھے بلکہ بعض دفعہ خدام نے ایک بجے آپ کو وضو کرتے پایا اس وقت اٹھ کر ڈھائی تین گھنٹے تک تہجد میں مشغولیت رہتی تھی بعض مرتبہ سحری کھلانے کے لئے کسی خادم کو پانچ بجے جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کو تحریمہ ہی باندھے پایا۔ صلوٰۃ فجر کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف واوراد اور مراقبہ میں مصروفیت رہتی اور چند ساعت استراحت فرماتے اتنے میں ڈاک آجاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاوٰی لکھواتے اور چاشت کے نماز سے فارغ ہوکر قیلولہ فرماتے۔ ظہر کے بعد حجرہ شریف بند ہوجاتا اور تا عصر کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف رہتے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شیخ ومرشد، سرپرستان وبانیان دیوبند کے مربی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا ظاہری علوم سے فراغت سے قبل علوم باطنیہ کی طرف کشش ہوئی۔ شیخ وقت نصیر الدین نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا ہاتھ حضور ﷺ کے ہاتھ میں:

حضرت حاجی صاحبؒ اپنا ایک خواب نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی حضرت کے جدامجد ملا باقی صاحبؒ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت حاجی صاحبؒ کا ہاتھ شیخ المشائخ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس وقت میاں جیؒ سے کسی قسم کا تعارف نہیں تھا اس لئے خواب کے بعد ایک سخت حیرت تھی کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کو کہاں تلاش کروں۔ اس لئے اس اضطراب میں کئی سال گزر گئے حضرت مولانا قلندر صاحبؒ جو حضرت کے استاد بھی تھے انہوں نے یہ اضطراب دیکھ کر کہا کہ تم قصبہ لوہاری میں جا کر حضرت میاں جیؒ کی خدمت میں حاضری دو شاید آپ کا اضطراب کچھ کم ہو۔ استاذ کی اس رہنمائی کے بعد حضرت نے سواری وغیرہ کے انتظار میں تاخیر گوارا نہ فرمائی اور فوراً ہی لوہاری کا راستہ اختیار فرمایا شوق وجذب اس زور سے لیجاتا تھا کہ پاؤں میں آبلے بھی پڑ گئے بلا آخر آستانہ پر حاضر ہوئے اور جیسی ہی نظر روحانی باپ پر پڑی تو وہ خوابی چہرہ جس کی ایک زمانہ سے تلاش وفکر تھی ملا۔ اوران امیدوں کی جن پر گویا مایوسی چھا گئی تھی پورا ہونے کا وقت آ گیا حضرت شیخ کی زیارت کرتے ہی فوراً قدموں پر گرے۔ حضرت میاں جیؒ نے فوراً قدموں سے سر اٹھایا

اور سینہ مبارک سے لگا کر فرمایا تمھیں اپنے خواب پر کامل وثوق ہے؟ یہ حضرت کی کرامت تھی جس نے حضرت حاجی صاحب کے قلب کو اور بھی زیادہ مائل کر دیا۔ حضرت کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے اشارہ غیبی پا کر حضرت حاجی صاحبؒ نے اخذ بیعت شروع فرمائی۔ فخر المحدثین مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور فخر المتکلمین مولانا قاسم نانوتویؒ کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کا رجوع شروع ہوا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی:

جب انگریز نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کی کوشش کی تو تھانہ بھون میں حضرت میاں جیؒ کے تینوں خلفاء حافظ ضامن شہیدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، شیخ محمد تھانویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خلفاء مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے انگریز کے خلاف جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو امام مقرر کیا گیا حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو سپہ سالار افواج مقرر کر دیا مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو قاضی بنا دیا گیا اور مولانا منیر صاحب نانوتویؒ کو اور حافظ ضامن شہیدؒ کو (میمنہ ومیسرہ) دائیں اور بائیں طرف کے افواج کا افسر مقرر کیا گیا۔ چونکہ اطراف وجوانب میں ان حضرات کے تقویٰ، علم، اخلاص اور للّٰہیت کا بہت ذیادہ شہرہ تھا ہمیشہ سے لوگ ان کی دینداری اور خداترسی دیکھتے رہتے تھے اس لئے ان پر بہت زیادہ اعتماد کیا کرتے تھے۔ اس لئے تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ خبر آئی کہ توپخانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا۔ شاملی اس زمانہ میں جہاد کا مرکزی مقام تھا۔ رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے مجاہدین سمیت ان پر حملہ کر دیا حملہ اتنا شدید تھا کہ انگریز توپخانہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شاملی میں پولیس اور فوج کی جو طاقت تھی وہ مغلوب ہوگئی۔ اسی دوران حضرت حافظ ضامنؒ صاحب

شہید ہوگئے ان کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ان کی شہادت سے پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں جگہ انگریز سے چھین لی گئی۔ آج فلاں مقام پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا مگر حافظ ضامن صاحبؒ کی شہادت کے بعد خبر آئی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس سے پہلے انگریز لوگ چھپتے پھرتے تھے ایک ایک ہندوستانی سپاہی گوروں کی جماعت کو بھگائے پھرتا تھا مگر بعد میں معاملہ بالکل برعکس ہوگیا۔ تحریک آزادی ناکام ہوگئی قصبہ تھانہ بھون اوراس کے اطراف وجوانب برباد کردیئے گئے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم ۱۹۸۰ء میں دیوبند کے صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں ہندوستان کے سفر پر تھے تو تھانہ بھون خانقاہ والوں نے ہم کو دروازوں اور دیواروں پر بندوق اورتوپ کے کالے کالے نشانات دکھائے اور کہا کہ یہ ہم نے بطور تاریخی یادداشت چھوڑ رکھے ہیں۔

بغاوت کا مقدمہ:

مخبروں کی ریشہ دوانیوں سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اوران کے دونوں خلفاء حضرت نانوتویؒ اور گنگوہیؒ کے متعلق بغاوت کا الزام لگایا گیا حضرت حاجی صاحب بقصد مکہ معظمہ روانہ ہوگئے حضرت قاسم نانوتویؒ وارنٹ کے بعد تین دن تک روپوش رہے اس کے بعد کبھی آبادی میں کبھی جنگل میں پھرتے رہے ہر جگہ دشمن بھی تھے اور دوست بھی ایک مرتبہ چھتہ مسجد دیوبند میں تھے کہ فوج آگئی آپؒ اپنی جگہ سے کچھ ہٹ گئے افسر مسجد میں داخل ہوا اور پوچھا کہ مولوی قاسمؒ کہاں ہیں آپ پہلی جگہ کی طرف اشارہ کرکے بولے ابھی تک تو یہاں تھے دیکھو مسجد میں ہی ہونگے وہ ڈھونڈنے دوسری طرف گیا اور آپ مسجد کے دوسرے دروازے کی طرف سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ اسی دوران رشید احمد گنگوہیؒ بالآخر گرفتار ہوئے سب کو یقین تھا کہ حضرت کو پھانسی ہوجائے گی۔ (نقش حیات صفحہ۴۷)

حاجی صاحب کو مسجد میں بٹھائیں گے اور مولوی رشید احمدؒ کے ہاتھ میں کتاب دیں گے:

حضرت حاجی صاحب سے نقل کیا گیا ہے کہ راؤ عبداللہ خانؒ (حضرت کے چچا پیر) مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اپنے بیٹے امیر علی خان کو پکارنے لگے امیر علی، امیر علی! میرے خاوند (حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ) نے آج مجھ کو دکھا دیا کہ میں نے (حاجی امداد اللہؒ) کو مسجد میں بند کر کے قفل لگا دیا ہے اور مولوی رشید احمدؒ کے ہاتھ میں کتاب دے کر درس کو کہہ دیا ہے یہ بات حاجی میاں کو کہہ دو کہ وہ اس کا مطلب سمجھ لیں گے میںوں (مجھے) کچھ خبر نہیں۔ اس کا کشف پورا نکلا مجھے تو مکہ مکرمہ کے اشرف المساجد ہے، میں مقید کر دیا ہند کا خواب وخیال بھی نہیں آیا اور مولوی رشید احمد صاحب کو کتاب دے کر مدرس بنا دیا ہمیشہ احادیث نبوی کا درس دیتے رہے۔

ہجرت سے قبل آپ سے مل کر جاؤں گا:

حضرت امام ربانی مولانا گنگوہیؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے تو آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اطمینان رکھو عرب روانہ ہوتے وقت تم سے مل کر جاؤں گا مگر آپ گرفتار وحوالات میں رہے آپکی رہائی سے قبل ہی اعلیٰ حضرت نے بیت اللہ کی طرف ہجرت فرمادی۔ گویا سائل کا مطلب یہ تھا کہ ملاقات کے خوش کن الفاظ محض تسلی کیلئے تھے جس کا وقوع نہیں ہوا تھا۔ حضرت نے بہت ہلکی آواز سے فرمایا اعلیٰ حضرت وعدہ خلاف نہ تھے چنانچہ دوسرے طرق سے معلوم ہوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے اعلیٰ حضرت نے جیل خانہ کے اندر قدم رکھا اور کئی گھنٹہ باتیں کر کے شب ہی میں واپس ہوئے اور عرب روانہ ہوئے۔

حاجی صاحبؒ نظرگوں سے مستور ہو گئے:

مولوی ولایت حسین صاحبؒ کی روایت ہے کہ حکیم صاحب جو اعلیٰ حضرت حاجیؒ کے مرید تھے۔ انبالہ کے رہنے والے تھے۔ بندہ کے ساتھ سفر حج میں شریک تھے۔ فرمایا جس زمانہ میں مولانا گنگوہیؒ جیل خانہ میں تھے اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ فرمانے لگے کہ میاں کچھ سُنا، کیا مولوی رشید احمد کو پھانسی کا حکم ہو گیا؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت کچھ پتہ نہیں ابھی تک تو خبر نہیں آئی فرمایا ہاں حکم ہو گیا چلو۔ یہ فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے حکیم صاحب کا بیان ہے کہ برسات کا زمانہ تھا مغرب کے بعد اعلیٰ حضرت غالباً میں اور مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ غرض تین آدمی چلے۔ شہر سے باہر نکل کر تھوڑی دور جا کر اعلیٰ حضرتؒ گھاس کے قدرتی سبز مخملی فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرما کر گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا چلو مولوی رشید احمد کو کوئی پھانسی نہیں دے سکتا خدائے تعالیٰ کو ابھی ان سے بہت کام لینا ہے۔ چنانچہ کئی روز کے بعد اس کا ظہور ہو گیا۔ یہ سب باطنی تصرفات تھے ورنہ ظاہری حیثیت سے کسی صاحب کی ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ مگر قدرت کو ان سے کام لینا تھا۔ مقدمہ چلا اور تھوڑے عرصہ بعد حضرت گنگوہیؒ جیل سے چھوٹ گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ جب ہندوستان سے بقصد مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے راستہ میں مختلف مقامات پر جہاں پہلے سے تعلقات تھے ٹھہرے جاتے تھے مگر جاسوس پیچھے لگے ہوئے تھے راستہ میں مختلف عبرتناک واقعات پیش آئے۔

پنجلاسہ پنجاب میں مقیم تھے کسی نے حکومت کے یہاں مخبری کر دی اس زمانہ میں باغیوں کی تفتیش اور جاسوسی بہت سختی سے ہو رہی تھی کہ حضرت حاجی صاحبؒ فلاں شخص کے اصطبل میں مقیم ہیں۔ کلکٹر ضلع جو کہ انگریز تھا خود سوار ہو کر آدھی رات کے قریب اصطبل کے

دروازہ پر پہنچ گیا کواڑ کھلوانے چاہے بڑے بھائی جو مالک مکان تھے، نے انگریز سے کہا کہ آپ نے اس وقت کیوں تکلیف فرمائی کلکٹر نے کہا کہ گھوڑے دیکھنے آیا ہوں۔ چنانچہ کواڑ کھولے گئے دیکھا تو بستر لگا ہوا ہے اور سب سامان لیٹنے کا درست ہے لیکن حاجی صاحبؒ موجود نہ تھے ادھر ادھر دیکھا کہیں پتہ نہ لگا مالک مکان سے پوچھا یہ بستر کس کا ہے اس نے کہا کہ میرے چھوٹے بھائی کا ہے مگر خوف کے مارے پیشاب خطا ہو گیا تھا لیکن انگریز نے اور کچھ نہ پوچھا اور گھوڑوں کو دیکھتے ہوئے واپس ہو گیا۔ (غالباً حضرت کو کشف سے یہ حال معلوم ہو گیا ہو گا کہ پہلے سے تشریف لے گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت بھی وہاں تشریف رکھتے ہوں مگر اللہ نے انصار (نظروں) سے پوشیدہ فرما دیا۔ (امداد المشتاق)

حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک اور عجیب وغریب کرامت:

اسی پنجلاسہ کا دوسرا واقعہ ہے تینوں حضرات حاجی صاحبؒ، مولانا گنگوہیؒ کے نام کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا تھا اور گرفتار کنندگان کے لئے انعام تجویز ہو چکا تھا۔ لوگ حراست کی تگ ودو میں پھرتے رہے اور حاجی صاحب راؤ عبداللہ خان رئیس پنجلاسہ کے اصطبل خانہ کی اندھیری کوٹھڑی میں مقیم تھے۔ چاشت کی نماز کا وقت ہے یعنی (۹ یا ۱۰ بجے صبح کا) ایک روز اسی کوٹھڑی میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلیٰ بچھایا اور جانثاروں سے فرمایا آپ لوگ جائیں میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبداللہ اعلیٰ حضرتؒ کے بڑے جانثار خادم اور مشہور مرید تھے، گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک باوقار شخص سمجھے جاتے تھے۔ خوب سمجھتے تھے کہ حاجی صاحبؒ پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے قائم ہوتے ہوئے حضرت کے لئے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے کس درجہ خطرناک ہے مگر اس کے ساتھ ہی غلبہ حب دین اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی

پرواہ تھی نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبداللہ خان صاحبؒ حضرت صاحبؒ کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھڑی سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازے کے قریب پہنچتے ہیں تو سامنے سے پولیس کو آتے دیکھا اور ہکا بکا کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خدا جانے مخبر کون تھا اور کس بلا کا پتلا تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھڑی تک معین کر دی تھی۔ چنانچہ پولیس والے اصطبل کے پاس پہنچے اور افسر صاحب نے راؤ سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دی گویا اپنے آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ وتجربہ کار راؤ صاحب دور ہی سے تاڑ گئے تھے کہ (ایں گل دیگر شگفت، نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن) اپنی جان یا عزت کے جانے، ریاست وزمینداری کے ملیامٹ ہونے اور ہتھکڑیاں پڑ کر جیل خانے پہنچنے یا پھانسی پر چڑھ کر عالم آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پرواہ نہ تھی اگر فکر ورنج یا حزن وافسوس تھا تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے آقا گرفتار ہوا اور عبداللہ کے گھر سے اس کا آقا گرفتار ہوا اور اس کا جان سے زیادہ عزیز شیخ پابہ زنجیر کیا جائے مگر اس کے ساتھ راؤ صاحب ایک جوانمرد و مستقل مزاج نہایت دلیر قوی القلب راجپوت تھے۔ تشویش کو دل میں دبایا اور چہرہ یا اعضاء پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا۔ انگریز افسر نے کہا کہ میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سنی ہے اس لئے بلا اطلاع یکایک آنے کا اتفاق ہوا۔ اصطبل کی جانب قدم اٹھائے راؤ صاحب بہت اچھا کہہ کر ساتھ ساتھ ہو لئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا اور حد درجہ مطمئن پا کر کبھی مخبر کی دروغ گوئی اور گاہے اپنی ناکامی اور تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اس حجرہ کی طرف بڑھا اور یہ کہہ کر کہ اس کوٹھڑی میں کیا گھاس بھری جاتی ہے اس کے پٹ کھول دیئے راؤ صاحب کی اس وقت جو حالت ہوگئی وہ انہی کے دل سے پوچھنا چاہیے،

سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلے کا وقت آ گیا اور پیمانہء حیات لبریز ہو کر اچھلا چاہتا تھا اس لئے راضی برضاء الٰہی ہو کر جی ہاں کہا اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔ خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جس وقت کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہے تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی بکھرا ہوا پڑا تھا مگر اعلیٰ حضرت صاحبؒ کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر اور حیران ہوا۔ راؤ صاحب دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحان وشاداں، کچھ عجیب سماں تھا کہ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا نہ استفسار، کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھ کر بات کو ٹالا اور کہا کہ خان صاحب یہ لوٹا کیسا ہے اور پانی کیوں پڑا ہے۔ راؤ صاحب بولے جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں منہ ہاتھ دھوتے ہیں چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی تیاری تھی افسر نے ہنس کر کہا آپ لوگوں کی نماز کے لئے مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھڑی۔ راؤ صاحب نے فوراً جواب دے دیا جناب مسجد فرض نماز کے لئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے جواب لاجواب سن کر افسر نے پٹ بند کر دیے اور اصطبل کے چاروں طرف غائر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ کلمات کہہ کر رخصت ہوا راؤ صاحب معاف کیجئے آپ کو اس وقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا۔ جب وہ راؤ صاحب کی نظروں سے اوجھل ہوئے تو واپس ہوئے اور کوٹھڑی کھول دی، دیکھا کہ اعلیٰ حضرت صاحبؒ سلام پھیر چکے ہیں اور مصلیٰ پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔ (امداد المشتاق)

بہر حال فضل خداوند شامل حال تھا ہر جگہ انگریزی حکومت کو ناکامی ہی رہی اور حضرت حاجی صاحبؒ صحیح سالم مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

حضرت حاجی صاحب حضور پاک ﷺ کا جبہ پہنے ہوئے:

ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس سرور کائنات ﷺ کا جبہ مبارک حضرت حاجی صاحبؒ پہنے ہوئے ہیں مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ خواب ظاہر ہے تعبیر کا محتاج نہیں کہ آپ لباس شریعت اور طریقت میں مستور ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی عبادت کا حال:

حضرت اقدس تھانویؒ نے اپنے ملفوظات میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک شاگرو مرید حافظ عبدالقادر صاحبؒ کی راویت سے ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں شب بیداری کا معمول ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد حضرت اول چارپائی پر آکر لیٹ جاتے بس اس وقت تو سب نے دیکھ لیا کہ حضرت عشاء کے بعد سو رہے ہیں لیکن جب سب نمازی چلے جاتے تو مؤذن سے دروازہ بند کرا لیتے اور مسجد میں مصلیٰ بچھا کر ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ رات بھر میں شاید تھوڑی ہی آرام فرماتے ہوں کیونکہ جب آنکھ کھلی تو حضرت کو مسجد میں بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہی دیکھا۔

مکہ مکرمہ کی خانقاہ:

حضرت شیخ المشائخؒ نے ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء میں ۴۳ سال کی عمر میں ہجرت فرمائی ۴۱ سال مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ یہ پورا وقت مریدین کی تربیت و باطنی افادہ میں گزرا۔ آپ کے حلقہ ارادت میں ہندوستان و عرب کے علاوہ مختلف ممالک کے لوگ بکثرت شامل تھے۔ مکہ مکرمہ میں ممالک اسلامیہ کے جس قدر مشائخ مختلف سلاسل کے مقیم تھے ان سب میں آپ کو نمایاں اور مرکزی مقام حاصل تھا۔ اکثر مشائخ حاضر ہو کر فیوض باطنی سے مستفید ہوتے۔

تزکیہ باطن کے ساتھ اکثر ضیاء القلوب کا درس بھی جاری رہتا۔ ضیاء القلوب فن تصوف میں آپ کی بڑی معرکۃ الاراء تصنیف ہے۔ مثنوی شریف کے درس کا بھی التزام رہتا تھا مثنوی شریف سے محبت کا یہ حال تھا کہ آخری عمر میں جب سیدھا بیٹھنا دشوار تھا لیکن اس کے شروع کرتے ہی ایسی قوت آجاتی تھی کہ تکیہ چھوڑ کر سیدھے بیٹھ جاتے اور اسرار وحقائق کا دریا جوش مارنے لگتا۔ ایک مرتبہ ترکیہ کے ایک بڑے شیخ کامل اسعد آفندیؒ جو مولانا رومؒ کے خاندان اور سلسلے کے شیخ کامل اور مثنوی شریف کے زبردست عالم تھے۔ آپؒ سے ملنے کے لئے تشریف لائے اس وقت مثنوی شریف کا درس ہو رہا تھا حضرت شیخ المشائخ ؒ بڑے جوش کے ساتھ حقائق ومعارف بیان کررہے تھے۔ درس اردو میں ہو رہا تھا آپ کے ایک خادم مولانا نیاز احمد حیدرآبادیؒ نے عرض کیا کہ شیخ اسعدؒ اردو سمجھتے تو بہت محظوظ ہوتے شیخ المشائخ نے فرمایا کہ حظ ولطف کے لئے زبان جاننے کی کیا ضرورت ہے یہ فرما کر مثنوی کے چند اشعار ایک خاص انداز کے ساتھ پڑھے جس کو سن کر شیخ آفندیؒ پر حال طاری ہوگیا جب افاقہ ہوا تو انہوں نے آپ سے ذکر واشغال کی اجازت مانگی اور اپنی قبا پیش کر کے درخواست کی کہ آپ اس کو پہن کر تبرکاً مجھے عنایت فرماویں۔

حاجی صاحب کے علوم:

حاجی صاحبؒ نے باقاعدہ تعلیم وتدریس کم حاصل کی تھی لیکن عشق ومحبت الٰہی اور سوز نے آپکا سینہ کھول دیا تھا جس طرح انبیاء علیہم السلام کا سارا علم وہبی ہوتا ہے کسبی نہیں۔ اس امت میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو بظاہر تو کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں لیکن اتباع سنت اور اپنی عملی زندگی کی وجہ سے ایسا روحانی مقام حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء ان سے روحانی تربیت حاصل کر لیتے ہیں ایسے سینکڑوں افراد گزرے ہیں لیکن

آفاقی شہرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے مرشد شمس تبریزؒ اور دوسرے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے حاصل کی۔

سید مہر علی شاہؒ گولڑہ شریف:

سید مہر علی شاہ گولڑویؒ بھی مکہ مکرمہ میں آپؒ سے بیعت ہو گئے تھے مہر علی شاہ صاحبؒ حج پر گئے تھے اور وہیں پر مستقل قیام کا ارادہ کر رہے تھے لیکن حاجی صاحبؒ نے اس سے منع فرمایا اور ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا تم ضرور اپنے وطن واپس چلے جاو۔ (کچھ ہی عرصہ بعد کذاب غلام احمد قادیانی نے جھوٹے نبوت کا دعوی کیا اور سید مہر علی شاہ صاحبؒ نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا)

وصال:

بلا آخر ۸۴ سال تین ماہ بیس روز اس عالم تاریک کو منور فرما کر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ بمطابق ۱۸۹۹ء میں وفات پا گئے اور جنت المعلےٰ میں دفن ہوئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے شیخ میاں جی نور محمدؒ تھے جنہوں نے شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ سے نسبت طریقت حاصل فرمائی۔ اپنی حالت کا نہایت اخفاء فرماتے تھے تھانہ بھون کے قریب قصبہ لوہاری میں چھوٹے لڑکوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا حتیٰ کہ تیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ آپؒ کے غایت اخفاء نے کسی پر کمال ظاہر نہیں ہونے دیا۔ میاں جی نور محمدؒ کے پیر و مرشد عبدالرحیم ولایتیؒ نے جب سید احمد شہیدؒ کے دست حق پر بیعت جہاد فرمائی تھی تو میاں جیؒ کو بھی قاصد کے ذریعے بلوا کر سید صاحبؒ سے بیعت کروالیا وہاں سے سید صاحبؒ اور شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ نے آپ کو وطن لوٹ جانے کا حکم فرمایا اور آپ لوہاری آ گئے آپ کے شیخ عبدالرحیم ولایتیؒ نے اول شاہ رحیم علی صاحبؒ سے قادریہ میں

نسبت وکمالات حاصل کئے اس کے بعد چشتیہ میں شاہ عبدالباریؒ کے دربار میں تکمیل نسبت فرمائی اس کے بعد سید احمد شہیدؒ کے دست حق پر بیعت فرمائی۔

ہندوستان کے لوگوں پر حضرت حاجی صاحبؒ کے احسانات:

انیسوی صدی میں نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی چشتیہ صابریہ کو عروج پر پہنچانے والی شخصیت حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور ان کی خانقاہ صدی کے عظیم الشان تحریکوں کا منبع ومخرج تھی۔

۱) انیسوی صدی میں قطب عالم اور ان کے مریدین نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی برپا کردی جس کے نتیجے میں انگریز کو ہندوستان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

۲) مسلمانوں کے دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے دیوبند، سہارنپور، دہلی بلکہ پورے ہندوستان میں مدارس دینیہ کا جال بچھا دیا۔

۳) باطنی اصلاح وتربیت کے لئے بیسوی صدی کے شروع میں انہوں نے اپنے خلیفہ خاص حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو جانشین مقرر کر کے اپنے خانقاہ تھانہ بھون میں بیٹھا دیا جس نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں باطنی اصلاح وتربیت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے تمام شعبہ ہائے زندگی کی اصلاح فرمادی۔

۴) حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے سلسلے کے روحانی فرزند حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے پوری دنیا میں تبلیغی تحریک کو پھیلا دیا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے لے کر

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ

تک ہمارے سلسلے کا شجرہ طریقت

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سلاسل چشتیہ میں حضور ﷺ کے فیض کا سلسلہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے جاری ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت نبوت سے دس سال قبل ہوئی اور حضور ﷺ ہی کے گود میں پرورش ہوئی اس لحاظ سے حضور ﷺ کے ساتھ اخلاق و عادات، طاعات و عبادات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کامل درجہ مشابہت واتصال نصیب ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ شجاعت، بہادری، معرکوں میں گھس جانا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخصوص صفات تھیں۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ کی نشر و اشاعت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خصوصی مشغلہ تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عبادت وطاعت میں خوف وخشیت الٰہی کا غلبہ رہتا تھا نماز کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن میں کپکپی طاری ہو جاتی اور چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا۔ ۱۸ رمضان ۴۰ ھ کو عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں کوفہ میں شہید ہوئے۔

حضرت حسن بصریؒ

آپؒ کی والدہ کا نام بی بی خیرہؒ تھا جو حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باندی تھیں۔ جب آپؒ پیدا ہوئے تو آپؒ کی تحنیک حضرت عمرؓ نے کی اور آپؒ کا نام حسنؒ بھی انہی نے رکھا۔ آپؒ کی تربیت ونگہداشت میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ ہے۔ آپؒ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امام باقرؒ فرمایا کرتے تھے کہ حسنؒ کا کلام انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہے۔ آپؒ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے۔ تواضع اور انکساری آپؒ میں بہت تھی، اپنے آپؒ کو ایک معمولی آدمی بلکہ اس سے بھی کمتر سمجھتے تھے۔ ۱۱۰ھ میں ۸۹ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے صاحب سیر الاقطاب نے آپؒ کے پانچ خلفاء شمار کئے ہیں ہمارے سلسلے میں شیخ عبدالواحد بن زیدؒ کا نام مذکور ہے۔

شیخ عبدالواحد بن زیدؒ

علوم ظاہریہ میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ سلوک میں آپؒ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ آپؒ کا ایک غلام تھا جس نے اس معاہدہ پر کہ رات کے وقت مجھے رخصت دی جائیگی، رات کے عوض ایک دینار دونگا، اپنے آپؒ کو رات کی حاضری سے مستثنیٰ کرلیا تھا، کسی شخص نے آپؒ سے شکایت کی کہ وہ رات کو زرگری کا کام کرتا ہے اور کسی نے شکایت کی کہ رات کو مردوں کا کفن چراتا ہے۔ آپؒ نے امتحان کے لئے ایک شب تعاقب کیا وہ غلام تھوڑی دور جا کر ایک جگہ پہنچا اور نماز میں مشغول ہوگیا، صبح کے وقت دعا مانگی کہ اے میرے بڑے سردار میرے چھوٹے سردار کی اجرت بھی دیں، اس پر ایک دینار ان کے ہاتھ میں آگیا وہ لے کر چلا آیا مگر یہ وہیں چھپے رہے اور اپنے خیال کی استغفار میں دو رکعات نماز توبہ پڑھی اور نیت کرلی کہ اس کو آزاد کرونگا۔ صبح کو وہاں کے لوگوں سے راستہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کا مکان دو سال کے راستے پر ہے۔ سخت متحیر ہوئے کہ ایک سوار سامنے سے آیا اور پوچھا کہ عبدالوحد کیسے بیٹھے ہو آپؒ نے قصہ سنایا اس نے کہا جاؤ مت تمھارا مکان تیز گھوڑے کی چال سے دو سال کے راستے پر ہے۔ رات کو وہی غلام آئے گا اس کے ساتھ جانا۔ دوسری شب پھر وہ غلام آیا اور مختلف اقسام کے کھانے اپنے ہمراہ لایا اور شیخ سے عرض کیا کہ یہ کھا لیجئے اور پھر ایسا کبھی نہ کیجئے وہ بدستور عبادت میں مشغول ہوا اور صبح کو دو دینار لے کر خواجہ کہ خدمت میں حاضر ہوا اور پیش کردیے۔ خواجہ ان کے ساتھ چند قدم چلے کہ مکان آگیا اس نے عرض کیا کہ آپ نے آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ آپؒ نے تسلیم فرمالیا اور آپؒ کو آزاد کرلیا اور ایک پتھر یا چند کنکر بحق آزادی نظر کیں، اور غائب ہوگیا صبح کو اٹھ کر دیکھا تو وہ

بڑے قیمتی جواہر تھے ان کو فروخت کیا اور رقم فقراء میں تقسیم کردی اور اسی وقت سے ترک دنیا شروع کردی اور خواجہ حسن بصریؒ سے بیعت ہوگئے۔ اخیر عمر میں فالج کا حملہ ہوگیا، آپ نے تین دن مسلسل دعا کی کہ یا اللہ جنت میں میرا جو رفیق ہو اس کی مجھے دنیا میں ملاقات کرادے۔ آپ کو بتایا گیا کہ تیری ساتھی میمونہ سوداء (حبشی عورت) ہے۔ کوفہ کے فلاں قبیلہ میں ہے آپؒ ان سے ملنے گئے۔ جب ان کا حال دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتی ہیں۔ جب آپؒ انکے پاس پہنچے تو ایک گدڑی اوڑھے نماز پڑھ رہی تھی ان کے قریب ہی بکریاں اور بھیڑیئے اکھٹے چر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے نماز کو مختصر کر کے سلام پھیرا اور کہنے لگی عبدالوحد آج نہیں ملاقات کا وعدہ کل کو (قیامت) ہے۔ آپ کی وفات ۱۷۰ھ ہے اور بصرہ میں آپ کا مزار ہے۔ آپؒ کے اجل خلفاء تین ہیں ان میں سے ہمارے شجرہ میں خواجہ فضیل بن عیاضؒ کا نام مذکور ہیں۔

خواجہ فضیل بن عیاضؒ

آپؒ کو خلافت خواجہ عبدالواحدؒ کے علاوہ ابو عیاضؒ بن منصورؒ بن معمر عن محمدؒ بن مسلم عن محمدؒ بن حبیب عن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حاصل ہے۔ ابتداء میں آپ ڈاکوؤں کے سردار تھے لیکن بعد میں توبہ تائب ہوئے اور بیعت ہوکر ولایت کے درجے پر فائز ہوئے۔ آپ کی وفات ۱۸۷ھ کو حرم شریف میں ہوئی۔ آپ کا مزار ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب بتایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ آپؒ کے انتقال پر آسمان وزمین روئے تھے اور سناٹا چھایا ہوا تھا آپ کے پانچ خلفاء تھے ہمارے شجرہ میں سلطان ابراہیم بن ادہمؒ کا واسطہ ہے۔

سلطان ابراہیم بن ادہمؒ

آپؒ کی ولادت شہر بلخ میں ہوئی ۔آپؒ بلخ کے بادشاہ تھے لیکن بعد میں آپؒ نے سلطنت چھوڑ کر ایک جنگل میں عبادت میں مشغول ہوئے ۔آپ فضیل بن عیاضؒ سے بیعت تھے آپؒ کی وفات حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق ۱۶۲ھ میں ہوئی آپؒ کا مزار شام میں بتایا جاتا ہے آپؒ کے دو خلیفہ تھے خواجہ شفیق بلخیؒ اور حذیفہ المرعشیؒ ۔

خواجہ حذیفہ المرعشیؒ

خضر علیہ السلام کی راہنمائی سے سلطان ابراہیم بن ادہمؒ تک آپؒ کی رسائی ہوئی اور چھ ماہ میں تکمیل ہوگئی ۔۲۰۲ھ میں آپؒ کی وفات ہوئی ۔آپؒ کے خلفاء میں خواجہ ابو ہبیرہؒ اور امام شافعیؒ مشہور ہیں ۔

خواجہ ابو ہبیرہ بصریؒ

آپ خواجہ حذیفہ مرعشیؒ سے بیعت ہوئے اور مجاہدات سے گزرنے کے بعد اجازت وخلافت سے نوازے گئے ۔آپؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے خرقہ خلافت عطا ہوا تھا تو حضورﷺ کی روح پاک مع جملہ اکابر کی ارواح کے منکشف تھیں اور مجھے دعائیں دے رہی تھیں ۔۱۲۰ سال کی عمر میں ۲۸۷ھ میں آپؒ کی وفات ہوئی بصرہ میں آپؒ کا مزار ہے ۔ آپ کے خلیفہ خواجہ علوممشادؒ سے ہمارا سلسلہ جاری ہوا۔

خواجہ علوممشاد دینوریؒ

آپؒ بہت مالدار تھے اور ضرورت مندوں کی حاجتیں بہت کثرت سے پوری فرمایا کرتے تھے آپؒ بغداد کے قریب دینور شہر کے رہنے والے تھے ۔ پھر بعد میں فقر وفاقہ

اختیار کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے۔ خواجہ ابو ھبیرہؒ کے علاوہ اور بھی چند سلسلوں میں آپؒ کو اجازت حاصل ہیں۔ بیعت سے قبل حضرت خضر علیہ السلام کے فیض صحبت میں تھے۔ آپ کا وصال ۲۹۷ھ میں ہوا۔ وفات کے وقت ایک بزرگ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ جنت کے ملنے کی دعا کرنے لگے تو حضرت ممشادؒ نے ہنس کر فرمایا کہ تیس سال سے جنت اپنے ساری زینتوں سمیت میرے سامنے آتی رہی مگر میں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں۔ آپؒ کے خلفاء میں ہمارے شجرہ میں خواجہ ابو اسحاقؒ کا واسطہ ہے۔

خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ

آپ کی ولادت قصبہ چشت میں ہوئی۔ آپؒ صائم الدھر تھے۔ آپؒ نے جب بیعت ہونا چاہا تو مسلسل استخاروں کے بعد آواز آئی کہ اگر مقصد براری چاہتے ہو تو ممشاد دینوریؒ کے پاس جاؤ۔ سات سال شیخ کی خدمت میں رہے اس کے بعد اجازت حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ کے لقب کی ابتدائی شہرت آپ ہی سے ہے۔ آپؒ کے بعد چار مشائخ اور بھی چشت ہی کے رہنے والے تھے اس لئے یہ سلسلہ چشتیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آپؒ کے شیخ نے آپؒ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ آپؒ نے کہا کہ ابو اسحاق شامیؒ ہے شیخ نے فرمایا آج سے آپ کو ابو اسحاق چشتیؒ کہیں گے اور آپؒ کا سلسلہ قیامت تک چشتیہ کے نام سے یاد رہے گا۔ جب سفر کا ارادہ کرتے تو سو دو سو آدمیوں کے ساتھ آنکھ بند کر کے فورا منزل مقصود پر پہنچ جاتے آپ کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار شام میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں ابو احمد ابدال چشتیؒ ہمارے سلسلے میں واسطہ ہیں۔

چشت

چشت خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ وہاں پر ہمارے بزرگان دین نے روحانی اصلاح وتربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا۔اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلایا۔

ابواحمد ابدال چشتیؒ

۲۶۰ھ میں قصبہ چشت میں آپ کی پیدائش ہوئی۔علوم ظاہریہ وباطنیہ دونوں خواجہ علوممشادؒ سے حاصل کیں۔ کہتے ہیں کہ آپ تیس برس تک بستر پرنہیں سوئے۔آپؒ وقت کے قطبؒ تھے۔۳۵۵ھ میں آپؒ کی وفات ہوئی۔آپؒ کے خلفاء میں خواجہ ابواحمدؒ ہمارے سلسلے میں مذکور ہیں۔

خواجہ محمد بن ابی احمدؒ

خواجہ محمد بن ابی احمدؒ نے پیدا ہونے کے وقت سات مرتبہ کلمہ پڑھا تھا۔ستر سال کی عمر میں باشارہ غیبی محمود غزنویؒ کے ساتھ سومنات کے جہاد میں شریک ہوئے آپؒ کی وفات اسی سال کی عمر میں ۴۱۱ھ کو ہوئی۔آپؒ کے خلفاء میں خواجہ ابو یوسفؒ کا ذکر آنے والا ہیں۔

خواجہ سید ابو یوسفؒ

آپؒ کی ولادت چشت ہی میں ہوئی۔خرقہ خلافت اپنے ماموں خواجہ ابومحمد چشتیؒ سے پہنا۔ایک مرتبہ اپنے شیخ کے ہمراہیوں کے ساتھ گرمی کے موسم میں تشریف لے جا رہے تھے کہ رفقاء کو پیاس لگی۔پانی کہیں نہیں تھا،حضرت شیخ نے اپنی لاٹھی ایک پتھر پر ماری

اس سے فورا چشمہ ابلنے لگا جس سے حضرت شیخ نے خود بھی پانی پیا اور رفقاء نے بھی پیا۔ حضرت کا وصال ۴۵۹ھ میں ہوا۔ آپؒ کی عمر ۸۴ سال بتائی جاتی ہیں۔ آپؒ نے اپنے صاحب زادہ خواجہ مودود چشتی کو اپنا قائم مقام فرما دیا۔

خواجہ مودود چشتیؒ

قطب الاقطاب خواجہ مودود چشتیؒ کی ولادت ۴۳۰ھ میں ہوئی، اپنے والد خواجہ ابو یوسفؒ سے خلافت حاصل کی۔ ہدایت خلق میں والد کی نیابت کا حق ادا کیا چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ کے دس ہزار خلفاء تھے اور مریدین کی تو کوئی انتہا نہیں تھی۔ آپ کو طی الارض بھی حاصل تھا۔ چنانچہ جب طواف کو جی چاہتا ہوا کے ذریعے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے۔ کشف قلوب وکشف قبور آپ کو حاصل تھا۔ آپ کے خلفاء تو بہت زیادہ تھے لیکن ہمارے شجرہ میں خواجہ شریف زندنیؒ ہے۔ شیخ کی وفات ۵۲۷ھ میں ہوئی ۹۷ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ اول رجال غیب نے پڑھی اس کے بعد عام آدمیوں نے پڑھی۔

خواجہ شریف زندنیؒ

آپ کی پیدائش ۴۹۲ھ کو ہوئی۔ ریاضات ومجاہدات میں کمال حاصل تھا، چالیس سال تک ایک جنگل میں قیام فرمایا تھا درخت کے پتوں وغیرہ پر گزارہ فرماتے، رونے کا آپ پر غلبہ تھا اکثر نعرہ مار کر روتے اور بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں فرمایا کہ جب اس آیت ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ'' کا خیال آتا ہے تو تاب نہیں رہتی اس خیال سے کہ پیدائش تو عبادت کے لئے ہے۔ آپؒ کی وفات ۶۱۲ھ میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کے مشہور خلفاء میں خواجہ عثمان ہارونؒ ہمارے شجرے میں مذکور ہیں۔

خواجہ عثمان ہارونؒ

آپؒ کو علومِ شریعت وطریقت دونوں میں کمال حاصل تھا روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ اپنے دادا پیر خواجہ مودود چشتیؒ سے بھی دعائیں اور برکات حاصل کیں۔ ستر سال تک مجاہدہ فرمایا۔ مجاہدہ میں آپ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ حضرت کو خلافت کے وقت شیخ نے کلاہ چارترکی یعنی چار کلیوں کی ٹوپی پہنائی تھی شیخ کا وصال ۶۱۷ھ میں ہوئی، مکہ مکرمہ میں آپ کا مزار ہیں۔ آپ کے مشہور خلفاء میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہمارے شجرے میں مذکور ہیں

خواجہ معین الدین چشتیؒ

اسلام کے چار مشہور روحانی سلسلے ہیں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ، ہندوستان کی فتح سے پہلے یہ چاروں سلسلے وجود میں آچکے تھے حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سلطان محمود غزنویؒ کے سر ہے اور اسلامی سلطنت کی قیام کی سعادت شہاب الدین غوریؒ کو حاصل ہے اور ہندوستان کی روحانی تسخیر اور اخلاقی وایمانی فتح خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ہاتھوں ہوئی۔ سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کا رخ کیا وہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ تھے آپ ستر برس کی عمر میں سلطان محمود غزنویؒ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور آپ کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی آپ کی اصل نسبت سنجری ہے۔ موجودہ زمانے میں سنجر کا اکثر علاقہ ایران میں ہے اور باقی افغانستان میں۔ خواجہ معین الدین چشتی سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ جس نے والئی اجمیر رائے فتھورا (پرتھوی راج) کو شکست دی آپ نے اجمیر ہی میں قیام اختیار کیا اس زمانے میں اجمیر ہندو مذہب کی روحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ سلسلہ

چشتیہ ہندوستان میں آپ ہی سے پھیلا اور ہندوستان میں نوے لاکھ آدمی آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے قدم مبارک کا اس ملک میں آنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام میں تبدیل ہوگئی آپ کی کوشش وتاثیر سے جہاں پہلے شعائر شرک تھے وہاں مسجد ومحراب اور منبر نظر آنے لگے جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ آپ کا اتباع سنت ،صحابہ کا سا تھا ایک بار آپ وضو کرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبت رسول ﷺ کا دعوی اور سنت کا ترک؟ آپ نے فوراتوبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرونگا۔کسی نے آپ سے پوچھا کہ مرید ثابت قدم کب ہوتا ہے آپؒ نے فرمایا کہ جب فرشتہ بیس سال تک اس کی کوئی برائی عمل نامے میں نہ لکھے۔ سلطان شمس الدین التمشؒ کے دور میں نوے سال کی عمر میں ۶۳۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی آپ کا مزار اجمیر ہندوستان میں ہے۔آپ کے خلفاء میں سے ہمارے سلسلے میں شیخ قطب الدین بختیار کا کیؒ کا نام ہے۔

شیخ قطب الدین بختیار کا کیؒ

آپ کی ولادت ''وش'' ماورالنہر میں ہوئی بیعت خواجہ معین الدینؒ سے کی اور سترہ سال کی عمر میں خرقہ خلافت حاصل کی اور شیخ کے حکم سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا آپ کے خلفاء میں سلطان شمس الدین التمشؒ اور بابا فرید الدین شکر گنجؒ مشہور ہیں ۔حضرت تھانویؒ فرماتے ہے کہ وفات سے پہلے آپ نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کی ساری عمر نامحرم پر نہ پڑھی ہو اور بعض نے لکھا کہ جس کی سنت عصر اور تکبیر اولیٰ جماعت کی کبھی فوت نہیں ہوئی ہو بڑے بڑے لوگ موجود تھے مجبورا سلطان التمشؒ آگے بڑے اور

نماز جنازہ پڑھائی آپ کا وصال ۶۳۳ ھ میں ہوئی۔ بابا فرید الدین شکر گنجؒ ہمارے سلسلے میں موجود ہیں۔

بابا فرید الدین شکر گنجؒ

آپ نے بیعت خواجہ بختیار کاکیؒ سے کی اور کچھ عرصہ بعد خلافت سے نوازے گئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام فرمایا۔ کچھ عرصہ موجودہ پاک پتن میں بھی قیام کیا آپؒ کی وفات ۶۶۴ ھ میں ہوئی اور مزار پاک پتن میں ہے۔ آپ کے خلفاء ستر ہزار تک فرمائے گئے ہیں جواہر فریدی میں پانچ سو چوراسی کی تعداد لکھی گئی ہے۔ ہمارے شجرے میں علاؤالدین احمد صابر کلیریؒ کا نام موجود ہیں۔

علاؤالدین احمد صابر کلیریؒ

آپ شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کے بھانجے اور اکابر خلفاء میں سے تھے ۵۹۲ ھ میں ملتان میں آپ کی پیدائش ہوئی آپ نے خواجہ فریدؒ کے لنگر خانے کی خدمت بارہ سال تک کی لیکن آپ نے بوجہ اجازت صریح نہ ہونے کی کبھی بھی اس میں کچھ تناول نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ روزہ دار رہے، حضرت کے دریافت فرمانے پر آپ نے عرض کی کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بغیر ارشاد کے اس میں تصرف کرتا حضرت نے یہ جواب سن کر آپ کو صابر کا لقب عطاء فرمایا آپ پر اکثر غلبہ استغراق رہتا تھا آپ کے شیخ کا ایک مرید آپ سے ملنے آئے حضرت شمس الدین ترک جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے نے آپ کو ہوشیار کر کے عرض کیا کہ حضرت پیرومرشد کا خادم آرہا ہے اور حضرت کا سلام لایا ہے آپ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میرا شیخ کیسا ہے اور پھر استغراق طاری ہوگیا اس کے بعد جب خادم شیخ فرید الدین کہ یہاں حاضر ہوا تو آپ نے ان کے بارے میں پوچھا کہ ہمارے بارے میں

کچھ کہا اس نے بتایا کچھ بھی نہیں آپ نے پھر دوبارہ دریافت کیا آخر کچھ تو کہا ہوگا؟ خادم نے عرض کیا کہ صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے شیخ کیسے تھے آپ کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمانے لگے کہ وہ ایسے درجے میں ہے کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں یہ انہیں کا استقلال اور میرے ساتھ کمال محبت ہے کہ ایسی حالت میں میرا پوچھا اور یاد کیا۔ آپ کی وفات ۶۹۰ھ کو ہوئی۔ پیران کلیر متصل روڑکی، ضلع سہارنپور میں آپ کا مزار ہے۔

شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ

آپ خواجہ صابر کلیریؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے آپ کو اپنے دادا پیر فرید الدین شکر گنجؒ سے بھی اجازت حاصل ہیں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے سلطان بلبن کے لشکر میں ملازمت کر لی تھی، سخت سردی کہ موسم میں آپ جس تالاب میں وضو فرمایا کرتے تھے وضو کی جگہ پانی گرم ہو جایا کرتا تھا بادشاہ کو بھی اس بات کی خبر ہوئی اور وہ آپ کا معتقد ہو گیا بادشاہ جس قلعہ پر عرصہ سے چڑھائی کر رہا تھا وہ فتح نہیں ہو رہا تھا بادشاہ نے آپ سے دعا کے لئے عرض کیا شیخ نے نہ صرف دعا کا وعدہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ تم حملہ کرو قلعہ کا دروازہ کھل جائیگا چنانچہ فوراً دروازہ کھل گیا آپ کا وصال ۷۱۵ھ میں ہوا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ جلال الدین کبیر اولیاؒ کا نام ہے۔

شیخ جلال الدین کبیر اولیاؒ

آپؒ پر مجاہدات کا غلبہ تھا اور اخیر عمر میں استغراق کی حالت طاری ہو جاتی تھی آپؒ کے چالیس خلفاء تھے اور ہر خلیفہ سے مستقل سلسلہ جاری تھا آپؒ کے اجل خلفاء میں سے شیخ عبدالحقؒ کا نام ہے۔ آپؒ کا وصال ستر سال کی عمر میں ۷۶۵ھ میں ہوئی اور مزار پانی پت میں ہے۔ ہمارے سلسلے کا اتصال شیخ عبدالحق رودلویؒ سے ہے۔

شیخ عبدالحق رودلویؒ

آپؒ نے یکسوئی اور صحرانوردی اختیار کی کچھ دنوں بعد باالہام غیبی پانی پت حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے آپؒ کے مزاج میں سادگی اور بھولا پن بہت تھا آپؒ کی عادت اول وقت میں مسجد تشریف لے جانے کی تھی اور تشریف لے جا کر مسجد میں جھاڑو دیا کرتے تھے، آپؒ کا وصال ۸۳۶ھ میں ہوا۔آپ کا سلسلہ آپ کے بیٹے شیخ عارف سے جاری ہوا۔

شیخ عارفؒ

والد کے وصال کے بعد مسند ہدایت پر تشریف فرما ہوئے اور خلق اللہ کو سیراب کیا آپ کی وفات ۸۵۹ھ میں ہوئی آپؒ اپنے والد کی جگہ مسند ہدایت پر پچاس سال رہے آپؒ کے خلفاء میں آپؒ کے بیٹے شیخ محمد بن عارفؒ تھے۔

شیخ محمد بن شیخ عارفؒ

آپ اپنے والد شیخ عارفؒ کے سچے جانشین تھے۔آپ کو مشاہدۂ مطلق میں کمال استغراق حاصل تھا آپؒ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے شیخ بدہؒ اور شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو بلوایا اور اپنی تمام امانات معارف اور اسم اعظم وغیرہ جو مشائخ سے ملتی آرہی تھیں حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے سپرد فرمادیں اور یہ بھی فرمایا کہ اپنے بیٹے حضرت شیخ بدہ کو آپ کے حوالہ کرتا ہوں اس کی تکمیل کے بعد اس کو یہاں چھوڑنا۔آپؒ کے خلفاء میں شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا نام مشہور ہے۔

شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ

آپ کو اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ابتداء میں آپ نے کچھ سلسلہ

زراعت کا بھی رکھا آپ کی وفات ۹۴۴ھ میں ہوئی ۔آپ کے وصال کے بعد شیخ رکن الدینؒ نے آپؒ کے سینے پر ہاتھ رکھا تو دل پر ذکر قلبی کی حرکت محسوس ہو رہی تھی ۔آپؒ کے خلفاء کی مقدار زیادہ بتائی جاتی ہے مگر ہمارا سلسلہ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے چلا ہے۔

شیخ جلال الدین تھانیسریؒ

اتباع سنت کا وہی حال تھا جو مشائخ چشت کے لئے بہ منزلہ عادت ثانیہ کا ہوتا ہے ایک مرتبہ آپؒ بیمار ہوئے دوا پیش کی گئی اس وقت آپؒ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا خادم سے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر زمین پر بیٹھا دو جب زمین پر بیٹھ گئے تو اس وقت دوا نوش فرمائی اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تخت وسریر پر بیٹھ کوئی چیز کھائی ہو۔ ریاضت ومجاہدات کی کثرت نے لاغر کر دیا تھا، مگر عجیب بات یہ تھی کہ اذان کے وقت قوت وبشاشت لوٹ آتی تھی اور بڑی اطمینان سے نماز ادا کرتے تھے۔آپ کی وفات ۹۸۰ھ میں ہوئی۔

شیخ نظام الدین تھانیسریؒ

آپؒ حضرت کے بھتیجے اور داماد بھی تھے آپؒ کی کرامت تھی کہ ملائکہ بصورت جسمیہ ظاہر ہوتے تھے۔نفی اثبات اور ذکر بالجہر آپؒ نے شب وروز کیا۔آپؒ کے شیخ نے آپؒ کو اسم ذات کا ذکر دیا تھا اور فرمایا کہ اسم ذات روزانہ نوے مرتبہ ایک سانس سے ابتدا کر کے حسب تحمل ترقی کرتے رہو چنانچہ ایک سانس میں چار سو تک کے عادی ہو گئے تھے آپؒ کے شیخ نے اپنی حیات میں تمام خلفاء ومریدین کو آپؒ کے حوالے فرما دیا تھا۔آپؒ کی وفات ۱۰۳۶ھ میں ہوئی۔

شاہ ابوسعید نعمانیؒ

آپؒ کی والدہ شیخ جلال الدینؒ کی صاحبزادی تھیں، ابتداء ہی سے غلبہ عشق الٰہی حاصل تھا لیکن کچھ دن اخفاء کرتے رہے، اس کے بعد شیخ جلال الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے اپنے خدام کو شیخ نظام الدینؒ کے حوالے کر چکے تھے لیکن وہ اپنے وطن بلخ چلے گئے تھے، آپؒ بھی ان کے پیچھے بلخ چلے گئے۔ وہاں آپؒ نے کافی لمبا عرصہ گزارا اور بہت مجاہدات والی زندگی خانقاہ میں بسر کی۔ بالآخر شیخ نے تکمیل کے بعد اپنا نائب بنا کر گنگوہ واپس بھیج دیا۔ ۱۰۴۰ھ میں آپؒ کا وصال ہوا آپؒ کے خلفاء میں محبّ اللہ الہ آبادیؒ کا ہمارے شجرہ میں ذکر ہے۔

شیخ محبّ اللہ الہ آبادیؒ

جب علوم باطنیہ کی طرف آپؒ کا میلان ہوا تو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر مراقب ہوئے حضرتؒ نے فرمایا سلسلہ چشتیہ صابریہ میں آجکل ابوسعید گنگوہیؒ کے یہاں بازار تکمیل گرم ہے، وہاں جاؤ، آپؒ وہاں جا کر بیعت ہوئے، چند روز بعد شیخ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ محبّ اللہ آؤ تمہیں مقصود تک پہنچاؤں۔ یہ فرمایا اور فوراً تکمیل فرمادی۔ آپؒ اس کے بعد اپنے وطن الہ آباد چلے گئے، آپؒ کی وفات ۱۰۵۸ھ میں ہوئی۔

شیخ سید محمدی اکبر آبادیؒ

آپؒ کی تکمیل شاہ محبّ اللہؒ کے ذریعے ہوئی آپؒ سیاحت و سفر کے زیادہ شوقین تھے۔ آپؒ کے بیٹے شاہ محمد مکیؒ سے آپؒ کا سلسلہ پھیلا۔ آپؒ کی وصال ۱۱۰۷ھ میں ہوئی۔

شاہ محمد مکیؒ

آپؒ اپنے والد صاحبؒ سے بیعت تھے۔تربیت مکمل ہونے کے بعد خلافت حاصل ہوئی۔آپؒ کے خلفاء شاہ عضدالدینؒ کا نام مذکور ہے۔

شاہ عضدالدینؒ

زہد وتقویٰ کے اول ہی سے عادی تھے۔ایک جوگی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ آپؒ کے محاسن وکمالات دیکھ کر آپؒ پر فریفتہ ہوگئے۔اور کیمیا آپؒ کے سامنے بنا کر آپؒ کی خدمت میں پیش کی پہلے تو آپؒ نے قبول کرنے سے انکار کردیا لیکن بعد میں اس کے شدید اصرار پر قبول کرلیا اور خانقاہ کے ایک طاق میں رکھ دیا کئی سال بعد وہ جوگی آیا تو دیکھا کہ وہ اسی طرح طاق میں رکھی ہوئی تھی اور بہت سا گردوغبار اس پر پڑا ہوا تھا۔اس نے عرض کیا کہ حضرت اس کو کام میں نہیں لایا گیا فرمایا کہ ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے پاس بھی اس بڑھ کر اکثیر موجود ہے۔اس کے پوچھنے پر فرمایا کہ وہ قناعت ہے۔۱۱۷۲ھ میں آپکا وصال ہوا۔امروہہ میں جامع مسجد کے قریب آپ کا مزار ہے۔

شیخ عبدالہادیؒ

ابتدا میں آپ ایک مجذوب کے ساتھ ایک مدت تک رہے اس کے بعد اس مجذوب نے کہا کہ آپ شاہ عضدالدینؒ سے بیعت ہوجاؤ آپؒ جا کر ان سے بیعت ہوگئے اور ایک عرصہ تک ان کے پاس قیام کرنے کے بعد خلافت سے نوازے گئے۔آپؒ صاحب کشف تھے لوگوں کے خطرات پر اکثر مطلع ہوجاتے تھے۔تنہائی پسند ہونے کی وجہ سے زیادہ تر صحرا میں رہتے تھے۔ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آبادی میں رہ کر مخلوق خدا کو نفع

پہنچاؤ۔اس حکم کی تعمیل میں آبادی میں تشریف لائے ۔ کثرت سے لوگ بیعت ہو گئے۔ ۱۱۹۰ھ کو وفات پا گئے۔

شاہ عبدالباریؒ

آپ اپنے جد بزرگوار شاہ عبدالہادی سے مجاز تھے۔آپ ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے حضرت شیخ کے وفات کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے ۔اور تشنگان سلسلہ چشتیہ کو سیراب کیا۔۱۲۲۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی ۔آپ کے خلفاء میں سے حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ (سنگر باباجی مدفون مردان) کا نام ہمارے چشتیہ سلسلے میں ہے۔

حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ (سنگر باباجی)

آپ سادات افغانستان سے ہیں ،طلب معرفت ہی میں ہندوستان تشریف لائے۔اول سلسلہ قادریہ میں شاہ رحم علی ساڈھورویؒ (جن کا مزار پنجلاسہ میں ہے) سے نسبت وکمالات حاصل کئے۔اس کے بعد چشتیہ سلسلے میں شاہ عبدالباریؒ سے خلافت و اجازت حاصل کی ۔شہید بالاکوٹ سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ اپنے تمام مریدوں سمیت ہندوستان سے ہجرت کی،آپ ایک کامل شیخ تھے لیکن اس کے باوجود آپ سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے ۔اور مردان ''مایار'' میں اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش فرمائی۔مزید واقعات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

تیرھویں صدی ھجری میں مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا انگریز ہندستان میں اپنے قدم جما چکے تھے، ہندوستان میں اسلامی عقائد سمٹ کر محض قبروں کی زیارت اوران کی سجدہ ریزی تک پہنچ گئے تھے، حج جیسی اسلامی رکن کی راستہ کی تکلیف اور بدامنی کی بنیاد پر فرضیت ساقط کی گئی۔فسق ومعصیت کی بہت سی باتیں آدب وتہذیب میں داخل ہوگئی

تھیں اوراس پر اعلانیہ فخر کیا جاتا تھا، شراب نوشی کوئی نادر بات نہ تھی، ہندوؤں اور شیعوں کے رسوم مسلمانوں کے اسلامی معاشرت میں داخل ہو چکے تھے، سلام مسنون کو بہت جگہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس موقع پر سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمعیل شہیدؒ، حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ، مولانا عبدالحئیؒ، مولانا یوسف پھلتیؒ وغیرہ کی مساعی رنگ نہ لاتی تو اس تند و تیز سیلاب کو کوئی طاقت بظاہر نہ روک سکتا تھا۔

ان حالات میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ تجدید واحیائے دین کے لئے میدان عمل میں اترے۔

آپ شاہ ولی اللہؒ کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ کے خاص تربیت یافتہ مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی صحبت میں رہ کر آپ نے اس قدر باطنی ترقی کی اور وہ بلند درجات حاصل کئے جو بڑے بڑے مشائخ کو بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل ہوئے ہیں۔

آپ نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور ہزاروں لوگوں کو بیعت کیا، سب سے پہلے آپ حج پر تشریف لے گئے، اس کے بعد جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ اٹھارویں صدی میں سکھوں نے پنجاب سے افغانستان کی سرحد تک میں اہم سیاسی طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس لئے آپ نے ہندوستان سے صوبہ سرحد ہجرت کرنے کی نیت کر لی۔ آپ نے اپنے لشکر سمیت سندھ کا ریگستانی اور نہایت دشوار گزار علاقہ عبور کر کے کوئٹہ اور پھر وہاں سے قندھار اور کابل پہنچ گئے۔ وہاں پر بہت سے لوگوں نے جہاد پر بیعت کر لی، آپ نے ان میں سے ۲۷۰ غازیوں کو منتخب کر کے اپنے لشکر میں شامل کر لیا اور پشاور سے ہوتے ہوئے نوشہرہ تشریف لائے، ۱۲۴۲ھ ۱۸۲۲ء میں آپ نے سکھوں کے فوج کو شکست دے دی۔ اس بات کا غلغلہ پورے افغانستان اور سرحد میں مچ گیا۔ اور اطراف سے علماء، مشائخ، روساء، مقامی سردار اور عوام آپ سے بیعت ہو گئے۔ آپ کے پاس ایک لاکھ فوج جمع ہو

گئی۔اس دوران آپ نے بونیر، سوات اور دیر کے علاقوں میں بھی قیام کیا۔مولانا یوسف پھلتیؒ کی وفات ضلع دیر کے علاقہ ''اچ'' میں ہوئی آپ کا مزار مولانا نسیمؒ (خلیفہ مرزا مظہر جان جاناںؒ) کی موجودہ مسجد کے قریب ہے۔آپ کی وفات کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ ہمارے لشکر کے قطب وفات پا گئے۔''خار'' مالاکنڈ سے تھوڑا سا آگے ایک جگہ کا نام ہے اس میں شیخ الاسلام مولانا عبدالحئی وفات ہوئے۔مقامی قبرستان میں ان کی قبر مبارک ہے۔قبر پر کتبہ بھی لگا ہے۔

ہزارہ میں بھی سکھ حکومت قائم تھی آپ نے ڈمگلہ میں سکھوں کو شکست سے دوچار کیا۔اس کے بعد شنکیاری میں شاہ اسمٰعیلؒ نے سکھوں کو شکست دی۔اس دوران قاضی حبانؒ نے ہوتی'' (مردان کے قریب ایک جگہ) پر حملہ کر کے اس علاقے کو فتح کیا۔سردار سلطان محمد خان درانی نے احمد خان رئیس ''ہوتی'' کی دعوت پر ایک لشکر لے کر یہاں کا رخ کیا سید صاحبؒ نے مولانا عبدالرحمٰنؒ کو سردار سلطان محمد خان کے پاس بھیجا کہ ان کو سمجھائیں کہ ہم ہندوستان سے اپنا گھر بار چھوڑ محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطہ اس ملک میں آئے ہیں کہ کافروں سے جہاد کریں مقام حیرت ہے کہ آپ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر کافروں کی رفاقت اختیار کر رہے ہیں۔اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا رہے ہیں لیکن اس کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہ آیا۔آخر سید صاحب عموماً عصر اور عشاء کی نمازوں کے بعد آپ کی مجلس ہوتی تھی شاہ اسمٰعیلؒ نے مشورہ دیا کہ ''مایار'' بستی کے گرد ایک کچی دیوار ہے اس پر اور اور پانی کے اس نالے (کلپانی) پر اپنا بندوبست کر لیں بڑے موقع کی جگہ ہے سید صاحب نے اس جگہ اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔آپؒ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی جن کے پاس بندوق نہیں تھیں گنڈاسے بنوائے سیدؒ کے مجاہدین کی تعداد تین ہزار پیادے اور پانچ سو سوار تھے۔اس جنگ میں سید صاحب کے ساتھ مقامی خوانین میں اکوڑہ خٹک

کے خواص خان، فتح خان پنجتاری، گھڑیالے کے منصور خان، لوندخوڑ کے نسیم خان، شیوہ کے مشکار خان اور انند خان، کلابٹ کے اسمعیل خان، گھڑی امازی کے سرور خان، زیدہ کے فتح خان، ٹوپئی کے ملا بہاؤالدین، ڈاگئی کے ملا باقی شامل تھے۔

''ہوتی'' کے لوگوں کا بیان ہے کہ اکثر درانی شراب پی کر اور خوب مست ہو کر اور کمر باندھ کر اور گھوڑے کھینچ کر تیار ہو گئے۔ سید صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور ننگے سر ہو کر کمال عجز انکساری اور زاری سے جناب باری تعالیٰ میں دعا مانگنے لگے کہ ''اللہ ہم عاجز اور ضعیف بندے ہیں سوا تیرے ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ آج ہم کو بچاوے اور ہم نے بہتیرے ان کو سمجھایا کہ ہم مسلمانوں سے نہ لڑو مگر انھوں نے نہ مانا اور تو دانا و بینا ہے ہمارے دلوں کے بھید خوب جانتا ہے، اگر تیرے علم میں ہم حق پر ہوں، تو ہم ضعیفوں کو فتح یاب کر'' صفوں کی ترتیب قائم ہوگئی تو آپ نے باآواز بلند پکار کر کہا کہ سب بھائی گیارہ گیارہ بار لایلف قریش سورہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں اور جن کو یاد ہو وہ یہ دعا بھی پڑھتے ہوئے چلیں

''اللّٰھم اھزمھم وزلزل اقدامھم وشتت شملھم وفرق جمعھم و خرب بنیانھم وخزھم اخذعزیز مقتدر''

آپ نے فرمایا کوئی بھائی ہم سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہماری اجازت کے بغیر بندوق چلائے۔ آپ نے فرمایا کہ دوڑ کر مت چلو اس سے سانس پھول جاتی ہے اور آدمی تھک کر رہ جاتا ہے اور کسی کام کے لائق نہیں رہتا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ توپ کی آواز ہوتی تو ہے مہیب اور ڈراونی۔ لیکن ایک گولہ کسی ایک آدمی کے سوا جان نہیں لے سکتا۔ بشرطیکہ صفوں میں خلل واقع نہ ہو۔ لڑائی شروع ہوئی، لڑائی کا پہلا شہید کالے خان آفریدی تھے۔

قلندر کابلی:

ایک فقیر جن کو قلندر کابلی کہتے تھے چندروز سے لشکر اسلام میں مقیم تھے اور مشہور نعت

''یارسول عربی، شاہسوار مدنی''

بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے، سید صاحب بھی بڑی بشاشت کے ساتھ ان کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ وہ صف سے چار قدم آگے کھڑے تھے۔ انھوں نے جب حریف کی آواز سنی تو اپنی جگہ سے اچھل کر رقص کرنے لگے کہ ایک گولہ آکر ان کے پاؤں کے پاس گرا اور اس قدر غبار اٹھا کہ قلندر اس میں چھپ گیا لوگ سمجھے کہ شہادت پائی۔ جب غبار چھٹا تو قلندر برآمد ہوا وہ اپنی گدڑی ہاتھ سے نچاتا اور مست تھا جب دشمن قریب آیا تو سید نے اپنے رائفل برداروں سے رائفل لیا اور با آواز بلند تکبیر کہ کر سر کیا اس کے ساتھ تمام غازیوں نے تکبیر کے ساتھ ایک باڑ ماری۔

اللہ کی مدد شامل حال تھی ایک ملکی (پٹھان) تیرہ یا چودہ برس کا ایک لڑکا اس کے پاس گنڈاسا تھا سو اس نے لپک کر ایک سوار کے مارا ملکی لوگ اس کو ''کفر چٹ'' کہتے تھے گنڈاسے کی نوک خمدار تھی اس سوار کے زرہ میں اٹک گئی اور سوار کے پیچھے گنڈاسا دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے کھینچا چلا آتا تھا اور زور، زور سے اپنی پشتو زبان میں کہتا تھا'' **هله زما کفر چٹ زان سره یوڑو**'' (یہ آدمی میرا کفر چٹ تو اپنے ساتھ لے گیا) اس کے بعد کسی مجاہد کے گولی مارنے کی وجہ وہ شخص نیچے گر گیا۔ گنڈاسا کی نوک زرہ سے چھوٹ گئی۔ پھر اس لڑکے نے گنڈاسے سے مار مار کر اس کو مردار کیا۔

گھمسان کی لڑائی جاری تھی، سخت گرمی کا زمانہ تھا غازیوں کی زبانیں پیاس سے خشک تھیں۔ ''مایار'' میں پانی کا ایک تالاب تھا، دھوپ کے سبب اس کا پانی گرم تھا، مایار کی عورتوں نے گھڑے بھر بھر غازیوں کے لئے پانی لانا شروع کیا۔

حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ کی شہادت:

چشتی شیخ حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔منافقین نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔آپ نے قربانی تو دے دی لیکن درانی شکست کھا کر بھاگ گئے۔جنگ کے اختتام پر نور بخش جراح نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔لوگ صبح سے بھوکے پیاسے تھے۔ تقریبا ۴۰ غازی شہید ہو گئے تھے۔

''طورو'' مردان کے باہر مشرق اور شمال کے کونے میں ایک بڑی قبر کھدوائی گئی۔اور شہداء کو بغیر غسل کے انھیں کپڑوں میں دفن کیا گیا۔قبر میں لاشیں اس ترتیب سے رکھی گئی تھیں،سب کے آگے قبلے کی طرف عبدالرحیم ولایتیؒ ،ان کے پیچھے سید ابو محمدؒ ان کے پیچھے میر رستم علیؒ ان کے پیچھے مولانا عبدالرحمٰنؒ کی اور ان کے پیچھے کریم بخشؒ کی ان کے پیچھے باقی اور لاشیں آگے پیچھے رکھی گئی اور سب کے پیچھے شیخ عبدالرحمٰنؒ کی لاش رکھی گئی۔شاہ اسمٰعیلؒ نے ان سب کے چہرے ان کے عماموں سے چھپا دئے اور قبر کو مٹی سے توپ دیا۔

(وقائع سید احمد شہیدؒ)

(ہمارے چشتیہ سلسلے کے ایک بزرگ مولانا عبدالحفیظ مکیؒ (خلیفہ مولانا زکریاؒ) جب مکہ مکرمہ سے یہاں مردان تشریف لائے تھے تو حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے تھے،راقم الحروف تو اس وقت موجود نہیں تھا البتہ پیر حبیب الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ میں اس وقت ان کے ہمراہ تھا،تو بعد میں حضرت مکی صاحبؒ نے بتایا کہ حضرت حاجی صاحب ولایتی ہمارے مردان پر بہت خوش ہوئے۔مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے خلیفہ سید نفیس الحسینیؒ (لاہور) نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہوا ایک کتبہ بھی آپ کے قبر پر لگایا ہے۔حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ بھی جب مردان تشریف لائے تھے تو آپ کے مزار پر حاضری دی تھی۔

میاں جی نور محمدؒ

آپ کی پیدائش جھنجھانہ میں ہوئی۔ نسباً آپ علوی ہیں۔ شاہ عبدالرحیم سے بیعت ہوئے۔ اور ان ہی سے خلافت حاصل کی اپنی حالت کا نہایت اخفاء کرتے تھے، قصبہ لوہاری جو تھانہ بھون کے قریب ہے وہاں ایک مکتب میں لڑکوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا حتیٰ کہ تیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، آپ کے غائت اخفاء نے کسی پر کمال ظاہر نہیں ہونے دیا یہ تو حاجی امداد اللہ صاحب ؒ کے خواب نے ظاہر کر دیا (حضرت حاجی صاحب کے واقعات میں اس کی تفصیل آئی ہے) آپ کے پیرومرشد نے جب سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تو میاں جی کو بھی قاصد کے ذریعے جھنجھانا سے بلوا کر حضرت سید صاحبؒ سے بیعت کرایا، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور قادریہ سلسلے کا فیض حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ اور سید احمد شہیدؒ کے ذریعے میاں جی نور محمدؒ کو منتقل ہوا اور ان سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ میں یہ سب نسبتیں جمع ہوئیں اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور بابا عبدالمعبودؒ کے خلفاء اور متوسلین کے ذریعے مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ اور حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ میں جمع ہوگئیں۔ تزکیہ اور حکمت کا یہ سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوا تھا اور ہوتے ہوتے ۴۰ واسطوں سے حضرت ڈاکٹر صاحب تک پہنچا۔ اور آپ اپنے خانقاہ میں اشرفیہ عزیزیہ میں، میں اپنے ان اکابر کے فیوض و برکات کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔ اللہ سارے انسانوں کو اس عظیم دولت سے مالا مال فرمائیں آمین اللہ میرے اور میرے تمام رفقاء کے کوششوں کو اپنے دربار میں قبول فرما کر ہمارے لئے آخرت کے نجات کا ذریعہ بنائے۔

فیض درویش

خانقاہی اعمال

شریعت، طریقت اور معرفت:

قرآن وحدیث ہمارے لئے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ہماری زندگی گزارنے کے قانون بتائے گئے ہیں اس قانون کو شریعت کہتے ہیں۔ جس نے اس کے مطابق زندگی گزاری وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ ناکام رہا۔

شریعت کے اس جز کا نام جو اعمال ظاہرہ سے متعلق ہے اس کو فقہ کہتے ہیں اور وہ چیز جو اعمال باطنہ سے متعلق ہے اس کا نام تصوف ہو گیا اور اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ مولانا اشرف خان سلیمانیؒ نے لکھا ہے کہ طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے۔ اور شریعت وطریقت کا حاصل صرف رضائے حق کی طلب اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ظاہری و باطنی کامل اتباع ومتابعت ہی ہے۔ ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفائی پیدا ہوتی ہے اور اللہ پاک اور بندے کے درمیان جو تعلق بن جاتا ہے اس کو معرفت کہتے ہیں۔

اپنے اس قانون کے نفاذ کے لئے اللہ پاک نے اپنا نبی ﷺ بھیجا اور ان کے تین اوصاف ذکر کئے:

هُوَالَّذِی بَعَثَ فِی الاُمِّیینَ رَسُولا مِّنهُمْ یَتلُو عَلَیهِم ایٰتِهٖ وَیُزَکِّیهِم وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَه ،وَ اِنْ کَانُو مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِین o (سورہ اٰل عمران)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بعثت کے تین مقاصد بیان فرمائے:

پہلا مقصد بعثت: تلاوت آیات، اس سے مراد دعوت الی اللہ ہے، اس لئے نبی کریم کے دعوت کا اسلوب قرآن پڑھ کر دعوت دینا تھا۔

دوسرا مقصد بعثت: تعلیم کتاب وحکمت کی تعلیم دینا۔

تیسرا مقصد بعثت: تزکیہ نفوس، نفوس کو ظاہرا و باطنا پاک وصاف کرنا۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے ان تینوں فرائض تلاوت احکام، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ کو بحسن خوبی انجام دیا، لوگوں کو آیات ربانی پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب الٰہی کی اور حکمت کی باتیں سکھائیں اور اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ اپنی صحبت، فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے ان کو پاک وصاف بھی کیا۔ نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کر کے اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا، چنانچہ صحابہؓ اور ان کے بعد تابعینؒ اور پھر تبع تابعینؒ کے تین طبقات تک یہ دونوں ظاہری و باطنی فرض یکساں اہمیت کے ساتھ توام (اکھٹے) رہے۔

تزکیہ میں نیابت نبوت:

آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے ان اوصاف میں بہت سے لوگ علیحدہ علیحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ ﷺ کے جانشین ونائب ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے بعض کے حصے میں تلاوت کتاب آئی اور بعض کو تعلیم کتاب، بعض تعلیم حکمت سپرد ہوئی اور بعض کا منصب تزکیہ ہے۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کے لئے اور ان کی برکات پہنچانے کے لئے انسانوں کا تزکیہ اتنا ضروری ہے جتنی کتاب وحکمت کی تعلیم۔ اعلیٰ تعلیم کے باوجود تزکیہ کی کمی اسی طرح محسوس ہوتی ہے جس طرح کھانے میں نمک کی کمی۔

قلب اور قالب کی اصلاح دونوں کے احکام اللہ پاک کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ جو دین لے کر آئے وہ ظاہر و باطن جسد اور روح اور جسم وقلب کے جملہ احوال ومعاملات کی اصلاح وتربیت کا جامع مانع دستور العمل ہے۔ سارے انبیاء کے طریق دعوت میں تربیت میں قلوب کی اصلاح وصفائی نفوس بھی تھا۔

اللہ پاک نے انسانوں کی کامیابی اور فلاح کے لئے شرط اپنے قلوب (قلب کی جمع) اور نفوس کا تزکیہ قرار دیا۔ باطنی گناہوں کے علاج کو تزکیہ کہتے ہیں۔

وَ ذَرُوْ ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَه o

''اور ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچو''۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰیo

''کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنا تزکیہ کیا''۔

باطنی گناہ دور کئے بغیر آدمی جنت میں نہیں جا سکتا۔ کسی نے اس دنیا میں اپنا تزکیہ نہیں کیا اور باطن گندگیوں کے ساتھ اس دنیا سے چلا گیا تو اللہ اس کو جہنم میں ڈال کر اسے گناہوں سے پاک صاف کرنے کے بعد جنت میں داخل کرے گا۔ لہٰذا اس دنیا میں ہی اپنے تزکیے کی فکر کرنی چاہیے۔

باطن سے تعلق رکھنے والے اعمال:

باطن سے تعلق رکھنے والے برے اعمال کو اخلاق رزیلہ کہتے ہیں اور اچھے اعمال کو اخلاق حمیدہ کہتے ہیں۔ اخلاق رزیلہ کی موجودگی میں آدمی پر اللہ پاک کی ولایت کا دروازہ نہیں کھلتا اور اخلاق حمیدہ حاصل ہونے کی وجہ سے آدمی کو اللہ پاک کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور ولایت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: **بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخلَاقِ** (مالک واحمد ومشکوٰۃ)

''اللہ نے مجھے اس لئے نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں اخلاقی خوبیوں کو درجہ کمال تک پہنچاوں''۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: **اَكْمَلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا** (رواہ ابوداود مشکواہ)

''ایمان میں سب سے زیادہ کامل وہ مومنین ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں''

ریا:

ریا جسے شرک کہا گیا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ’’جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریاء ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں فرمائے گا۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ آدمی لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ وقعت اور قدر و منزلت کا خواہاں ہو۔ ریا کی جگہ اخلاص پیدا کرنا مقصود ہے۔

حسد:

حسد کسی کو اچھی حالت میں دیکھ کر دل میں جلے اور اس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے۔ حسد کرنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’میرے بندے پر نعمت دیکھ کر حسد کرنے والا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے، جو میں نے اپنے بندوں میں فرمائی‘‘ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ’’حسد جو نیکیوں کو جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے‘‘۔

تکبر:

تکبر کے معنی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو صفات کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ’’جس قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا‘‘

عجب یا خود پسندی:

عجب یا خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے، اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں

ہوتی، بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا اوران کے زوال سے بے خوف ہونا خود پسندی اور عجب کہلاتا ہے۔اللہ پاک فرماتا ہے کہ ’’نفس کو پاک صاف اوراچھا نہ سمجھا کرو‘‘

شہرت وجاہ:

شہرت اور جاہ کی محبت ،اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ’’ بکریوں کے گلے (ریوڑ) میں دو بھیڑیئے آپڑیں تو وہ اتنا نقصان نہ کریں گے جتنا مال اور جاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔حب جاہ کے معنی یہ ہے انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اوراس کی خواہش کریں کہ ان کے دل میرے مطیع بن جائے، میری تعریف کیا کریں،میری حاجت کے پورا کرنے میں لپکیں۔

فضول گوئی وکثرت کلام:

فضول گوئی اور کثرت کلام کاقطع کرنا بھی بہت ضروری ہے۔زبان دل کی سفیر ہے،اس لئے اس کی تاثیر قلب پرزیادہ نمایاں ہوتی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص اپنی زبان اورشرم گاہ کی حفاظت کاکفیل ہوگیا، میں اس کے لئے جنت کاکفیل ہوں۔

مندرجہ بالا رزائل کی مثال آگ کی چنگاری کی طرح ہے اگران میں سے ایک بھی رزیلہ انسان کے قلب کےاندرموجودہوتو نیکیوں کے پہاڑ کوجلا کرراکھ کاڈھیر بناسکتی ہے۔

قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے فضائل تبلیغ میں مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کی ہے۔

کہ قیامت کے دن جن لوگوں کواوّل وہلہ میں فیصلہ سنایا جائے گا ان میں ایک وہ شہید بھی ہوگا جس کو بلا کراولاً اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کا اظہار فرمائیں گے جواس پر کی گئی

تھی۔ وہ اس کو پہچانے گا اور اقرار کرے گا اس کے بعد سوال کیا جاوے گا کہ اس نعمت سے کیا کام لیا وہ کہے گا کہ تیری رضا کے لئے جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا ارشاد ہو گا کہ جھوٹ ہے یہ اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں گے سو کہا جا چکا اور جس غرض کے لئے جہاد کیا تھا وہ حاصل ہو چکی۔ اس کے بعد اس کو حکم سنا دیا جاوے گا اور وہ منہ کے بل جہنم میں گھسیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ دوسرے وہ عالم بھی ہو گا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن پاک حاصل کیا اس کو بلا کر جو انعامات دنیا میں کئے گئے تھے ان کا اظہار کیا جاوے گا اور وہ اقرار کرے گا اس کے بعد اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں میں کیا کیا کام کئے وہ عرض کرے گا کہ تیری رضا کیلئے علم پڑھا اور لوگوں کو پڑھایا قرآن تیری رضا کے لئے حاصل کیا۔ جواب ملے گا جھوٹ بولتا ہے تو نے علم اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ عالم کہیں، اور قرآن اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ قاری کہیں سو کہا جا چکا (اور جو غرض پڑھنے پڑھانے کی تھی وہ پوری ہو چکی) اس کے بعد اس کو بھی حکم سنا دیا جائے گا اور وہ بھی اوندھے منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ تیسرے وہ مالدار بھی ہو گا جس کو اللہ نے وسعتِ رزق عطا فرمائی اور ہر قسم کا مال مرحمت فرمایا، بلایا جاوئے گا اس سے بھی نعمتوں کے اظہار اور ان کے اقرار کے بعد پوچھا جائے گا کہ ان انعامات میں کیا کارگزاری کی ہے وہ عرض کرے گا، کہ کوئی مصرف خیر ایسا نہیں جس میں خرچ کرنا تیری رضا کا سبب ہو اور میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہو گا کہ جھوٹ ہے سب اس لئے کیا گیا کہ لوگ تمھیں فیاض کہیں سو کہا جا چکا اس کو بھی حکم کے موافق کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ ''ریا'' کے ایک رذیلے کی موجودگی کی وجہ سے بہت سارے اعمال اکارت گئے۔

اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے کام کرنا نفسانیت ہے، لوگ تعریفیں کریں،

بڑا بن جاؤں، مرجع بن جاؤ، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے، میری رائے پوچھی جائے، مال مل جائے مال بڑھ جائے، شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، یہ سب باطنی عیوب ورزائل ہیں ان کے ہوتے ہوئے اللہ کی رضا ومحبت حاصل نہیں ہوسکتی۔

ہمارے اصلاحی سلسلے کی اصلاحی ترتیب کو حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے تین درجوں میں تقسیم فرمایا ہے جس میں ذکر کے ساتھ ساتھ اصلاحی کتابوں کا مطالعہ بھی کرنا لازمی ہوتا ہے، ان کتابوں کے مطالعے کے بعد سالک کو اپنے عیوب اور باطنی رزائل نظر آنے شروع ہوجاتے ہیں اور یہی سے ان کو اپنے تزکیے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اور ان عیوب کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کی صحبت میں کچھ وقت گزارنا ہوتا ہے اور خط لکھ کر اس کو اپنے حالات کی اطلاع دینی ہوتی ہے اس لئے بیعت ہونے کے لئے بعد مرید کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ ان تمام رزائل سے اپنے آپ کو پاک وصاف کرے۔ (باطنی بیماریوں کو رزائل کہتے ہیں) حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ جو مرید اپنے باطنی رزائل اور گناہوں کی اطلاع اپنے شیخ کو نہ دے تو وہ تصوف کے سلسلے کا خائن ہوتا ہے، اطلاع دینے کے بعد شیخ کے ذمہ مرید کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔

نفس کی اقسام

نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے اور اس کا اصل فعل غفلت بلکہ شہوت، مفاد اور مزہ ہے۔ اس کی اصلاح مجاہدات سے ہوتی ہے یعنی اس کے مطیع کرنے کا طریقہ عبادت کے بوجھ سے: عبادت کا بوجھ اس پر لادنا جس طرح گدھا کہ جب اس کو چارہ کی کمی کے ساتھ بوجھ زیادہ لادا جاتا ہے تو پست وتابع ہوجاتا ہے، دولتی نہیں پھینکتا اس طرح نفس پر عبادات کا بوجھ ڈالا جائے تو رام ہوجاتا ہے۔

تقویٰ سے اور شہوت وغفلت میں کمی کرنا:

شہوت اور گناہوں سے روکنا: جس طرح ایک شہ زور چوپائے کا چارہ جب روک دیا جاتا ہے یا کم کردیا جاتا ہے تو نرم پڑ جاتا ہے اس طرح خواہش نفس بھی آہستہ آہستہ کمزور ہوجاتا ہے۔

اللہ کی مدد سے:

اللہ پاک سے مسلسل مختلف اوقات میں دعائیں مانگنے کا معمول بنایا جائے۔

- اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْت خَیْرُمَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلٰھَا ۔
- یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّه وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِی طَرْفَۃَ عَیْنٍ.
- اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَاَعُوْذِبِکَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَ جُنُوْدِہٖ.

مختلف مجاہدات، تقویٰ، دعاوں اور عبادات کے بوجھ سے اس کے شر میں کمی آجاتی ہے۔ اکابر فرماتے ہیں کہ جس طرح برف کے ڈلے کو ہانڈی میں رکھ کر آگ پر چڑھا دیا جائے اور برف گھلتے ہوئے پانی بن جاتا ہے اور پانی بھی آہستہ آہستہ بھاپ کی شکل اختیار کرکے ہوا میں اڑ جاتا ہے یہی رنگ انسانی نفوس کا بھی ہے برف سے ہوا بننے تک جیسے پانی کو مختلف مدارج سے گذرنا پڑتا ہے اسی طرح ایک مرید اپنے شیخ کی صحبت اور تربیت میں رہ کر اور مختلف مجاہدات سے گزر کر اس کے نفسانی شرور میں یہ کمی آہستہ آہستہ ہوجاتی ہے۔

اس کمی کا نام سکون ہے جس کے تین درجے ہیں:

۱) عدم سکون مطلق ۲) سکون غیر کامل تام ۳) سکون کامل تام

پہلے کا نام نفس امارہ دوسرے کا نام لوامہ تیسرے کا نام مطمئنہ ہے۔

مزید تشریح:

نفس امارہ: یہ اکثر شر اور برائی کی خواہش کرتا ہے اور نادم بھی نہیں ہوتا اسی درجے کا نام ہوائے نفس ہے۔

نفس لوامہ: شر کی طرف خواہش کرے اور نادم بھی ہو۔

نفس مطمئنہ: جو اکثر خیر کی خواہش کرتا ہے۔

ان تینوں کے علاوہ نفس تین قسمیں اور بھی ہیں:

نفس ملھمہ: اس پر اللہ پاک الہام علم عطا فرماتا ہے۔ اور تواضع وقناعت اور سخاوت کی استعداد بخشتا ہے۔ اسی لئے یہ منبع صبر وتحمل اور شکر ہے۔

نفس راضیہ: وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو کر اثر رضا فرماتا ہے۔

نفس مرضیہ: وہ ہے جو ہر حال میں راضی ہوتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی

''تحقیق فلاح پا گیا وہ جس نے اپنا تزکیہ کیا''

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا

''تحقیق کامیاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو خاک آلود کیا''۔

یہ نفس امارہ نفس لوامہ اور پھر نفس مطمئنہ کیسے بنتا ہے۔ خود بخود تو نہیں بن جاتا، خود بخود تو گیہوں کا دانہ بھوسے سے باہر نہیں نکلتا، خود بخود تو چاول کا ایک دانہ چھلکے سے نہیں نکلتا۔ اسی طرح کی بھی صفائی کرنی پڑتی ہے اور نفس کی اس صفائی کا نام تزکیہ ہے۔ جو بنیادی مقصد تھا انبیاء کی بعثت کا۔ کون اپنے آپ کو تزکیہ سے مستثنیٰ کر سکتا ہے۔ اس تزکیے کی محنت کی وجہ سے اللہ پاک نفس کو نفس امارہ سے مطمئنہ بناتا ہے۔ اور جب نفس کا تزکیہ ہو جاتا

ہے، پھراس میں اللہ کی محبت کی بہار آ جاتی ہے۔

”وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ“

اور جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی زندگی میں اتباع ہویٰ ہوتی ہے۔

نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا آسان طریقہ:

حضرت تھانویؒ نے نفس سے کام لینے کے لئے ایک حیلہ تجویز کیا ہے، کہ نفس سے اولاً یہ نہ کہو کہ دو گھنٹہ کام کرنا ہوگا، بلکہ اول سے کہو کہ پاؤ گھنٹہ ذکر کر لے جب پاؤ گھنٹہ ہو گیا پھر کہو کہ پاؤ گھنٹہ اور کر لے اسی طرح جتنا وقت درکار ہو گا اتنے وقت تک نفس کو کام میں لگا لیتے ہیں اور نفس پر گراں نہیں ہوتا ہے...... تجربہ کر لیا جائے اسی طرح ذکر میں بھی سارا وقت نفس کے سامنے ایک دم سے پیش نہ کرو بلکہ پاؤ پاؤ گھنٹہ پیش کرتے رہو اسی طرح وہ گھنٹوں میں بھی نہ تھکے گا۔ اسی طرح میں سفر میں جاؤ تو اپنے نفس سے کہو کہ اس گاؤں تک ذکر کر لے۔ جب وہاں پہنچے تو پھر کہو کہ اس سے اگلے گاؤں تک اور کر لے اسی طرح سارا سفر ختم کر دیا۔ ویسے تو نفس کام نہ کرتا اگر تم یہ کہتے کہ سارے سفر میں ذکر کرنا ہوگا۔ مگر اس حیلہ سے کام کر لیا اور کچھ بار بھی نہ ہو۔ سب اجزاء کو ملا کر دیکھا جائے تو گھنٹے بہت سے ہو گئے۔ اگر نماز بموجب حدیث کے پڑھو گے تو نماز کامل بھی ہو گی اور نفس پر بار بھی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ہر جز کو آخیر سمجھنا موجب سہولت بھی ہے یہی اصل ہے اس مراقبہ کی۔

سنت کی پابندی:

ہمارے سلسلے کا مزاج سنت کی پابندی ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے سلسلے میں سلوک کے سارے مدارج سنت کے راستے سے طے کئے جاتے ہیں۔ اور

مرید کی روحانی ترقی بھی تب شروع ہوتی ہے جب وہ سنت کا پابند ہو جاتا ہے، ہمارے اکابر نے سنت کے کچھ درجات بیان فرمائیں ہیں۔

۱) وہ تمام اعمال سنت کے مطابق بجالانا جس کا تعلق ظاہر سے ہو۔

۲) جناب رسول اللہ ﷺ کے ان اقوال واعمال کی متابعت کرنا جس کا تعلق باطن سے ہے، مثلاً ریا سے اپنے کو بچا کر اخلاص کے صفت سے اپنے آپ کو متصف کرنا۔ حب جاہ اور حب شہرت کی بجائے اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنے میں لگا رہنا۔ حسد سے اپنے آپ کو بچا کر مخلوق خدا کی خیر خواہی چاہنا (ایک دفعہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جس سے لوگ خیر کی امید رکھتے ہوں اور اس کے شر سے اطمینان رکھتے ہوں اور بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ خیر کی توقع نہ رکھتے ہوں اور اس کے شر سے خوف کھاتے ہوں)، کبر سے اپنے آپ کو بچا کر تواضع پیدا کرنا، بخل چھوڑ کر سخاوت سے متصف ہونا، مخلوق خدا کی خدمت کرنا، مہمان نوازی کرنا، وغیرہ۔

۳) معاملات اور معاشرت میں بھی حضور کی متابعت کرنا۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کسی کا دین دیکھنا ہو تو اس کی دنیا دیکھو۔

۴) حضور پاک ﷺ نے جن اعمال (نماز، حج، روزہ، ذکر، خدمت خلق، دین کی تبلیغ اور جہاد وغیرہ) کو جن کیفیات کے ساتھ ادا کیا ہو۔ اسی کیفیت وحضوری کے ساتھ ان کو ادا کرنا۔

کامل تابعدار تو وہ ہوگا جس کو سنت کے ان سب درجات میں کامل اتباع نصیب ہو جائے مشائخ فرماتے ہیں کہ اتباع سنت کہنے کو تو دو لفظ ہیں لیکن عمر صرف کرو تو بھی عملی اعتبار سے اتباع سنت کے کمال تک پہنچنا دشوار ہے اور جب کوئی شخص اللہ کے محبوب کی کامل مشابہت پیدا کر لیتا ہے تو اسی شخص کو اللہ پاک محبوب بنا لیتا ہے۔

تبتل:

مریدین کے لئے تبتل کو اختیار کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔اللہ پاک نے خود اپنے حبیب ﷺ کے لئے تبتل کو پسند فرمایا ہے۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّل اِلَیهِ تَبتِیلاً

"ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور رب کی طرف تبتل اختیار کر۔"

تبتل کا مطلب ہے مخلوق سے کٹو، اللہ سے جڑو یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ، مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ نے بس دو ہی لفظوں میں اس کی تشریح کر دی ہے "مخلوق سے توڑ اللہ سے جوڑ"۔

اللہ پاک پسند فرماتے ہیں کہ ہمارے بندے ہماری طرف متوجہ ہو جائیں، دن میں رات میں۔تنہائی میں تہجد کے وقت جس وقت چاہیں بات کر لیں۔ہمارے سامنے اپنے عجز کا اقرار کر لیں۔بس جس وقت اللہ سے باتیں شروع کر دیں اسی وقت تخلیہ شروع ہو جاتا ہے۔ذکر کی ایک قسم دعا ہے۔اللہ پاک سے مانگنے پر انسان اس کا محبوب بن جاتا ہے دعا مانگنے سے ذکر اور دیگر عبادات میں دل جمعی پیدا ہو جاتی ہے۔

ذکر کی اقسام:

تبتل یا تخلیہ میں دعا کے علاوہ اللہ کا ذکر کرنا بھی سالک کے روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے اور اس میں صرف ذکر کی گنتی بھی پوری نہیں کرنی ہوتی بلکہ زبان اور قلب دونوں کو متوجہ کرنا پڑتا ہے۔حضرت تھانویؒ ذکر کے تین درجے ہیں:

ایک وہ جس میں صرف زبان کو حرکت دی جاتی ہے اور قلب متوجہ نہ ہو یہ سب سے کم درجہ ہے۔

دوسرا درجہ وہ ہے جس میں زبان کو حرکت نہ دی جائے صرف قلب سے ذکر کیا جائے یہ پچھلے سے بڑھ کر ہے۔

تیسرا درجہ یہ کہ زبان کو بھی حرکت دی جائے اور قلب بھی متوجہ رہے، یہ سب سے بڑھ کر ہے۔

''جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوں تو اللہ کی طرف رغبت اختیار کیجئے۔''

تو مدارس والے، دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والے یا جو دین کے کسی اور شعبے میں لگے ہوئے ہوں تو یہ تبتل اور والیہ تبتیلا اور والیٰ ربک فارغب والاحکم ان کے لئے بھی ہے۔اس لئے مشائخ کہتے ہیں کہ قلبی خلوت کے لئے ظاہری خلوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو فرمایا کہ آپ دعوت حق اور تبلیغ احکام سے فارغ ہوں تو (دوسری) محنت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر دو۔ آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ اور خلق خدا کو راستہ دکھانا اوران کی اصلاح نفس اور تزکیہ کی فکر یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اوراس کی تدبیر کریں اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ جب اس سے فرصت ملے تو بلا واسطہ خلوت میں اللہ پاک کی طرف متوجہ ہو جاو، اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو درس وتدریس، تعلیم وتبلیغ اور اصلاح خلق کا کام کر رہے ہوں ان کو اسے غافل نہ ہونا چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لئے بھی مخصوص ہونا چاہیے۔

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ 0

آج کل کے مصروف ومشغول زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحب چار اوقات میں

اپنے مریدین کو تبتل کے اختیار کرنے کو فرماتے ہیں، تہجد، فجر سے اشراق تک، عصر سے مغرب تک، اور مغرب سے عشاء تک یہ چار اوقات ہیں اب اگر ایک آدمی کے لئے یہ چاروں مشکل ہو تو پھر کم از کم دو اوقات ایک تہجد کا اور دوسرا ایک اور وقت دینا ہوتا ہے۔

قلب کی اقسام

۱) مردہ دل: یہ کفار کا دل ہوتا ہے

۲) بیمار دل: یہ زندہ تو ہوتا ہے مگر گناہ کی کثرت کی وجہ سے بیمار رہوتا ہے۔

۳) زندہ دل یا سلامتی والا دل، قلب سلیم، جو غیر سے خالی ہو اور اللہ کی محبت سے بھری ہو

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (شعرا)

''قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے کام آئیں گے، جو انسان قلب سلیم لایا، وہ دل اسے کام دے گا''۔

قال النبی ﷺ الاان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسدالجسد کله الا و ھی القلب.

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''تمھارے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے معلوم رہے کہ وہ دل ہے۔

دل کی بیماری کے عمومی اسباب:

یوں تو جتنے بھی معاصی اور تعلقات ماسوی اللہ تعالیٰ ہیں اس راہِ سلوک کے سب راہزن ہیں مگر چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

لایعنی کلام: (فضول باتیں اورزیادہ باتیں)

غیبت، مشتبہ رزق کھانا، حرام لقمہ پیٹ کے اندر جانا اور پیٹ بھر کھانا۔ بری صحبت میں بیٹھنا یا وقت گزارنا جس کی تفصیلات آگے آرہی ہے۔

بدنظری: (عورتوں، بے ریش لڑکوں تکنا اورٹی وی، کمپیوٹر، اشتہارات اور اخبارات میں بے پردہ عورتوں کی تصویروں کو دیکھنا)

عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے پاس بیٹھنا اٹھنا: بزرگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ لڑکوں کا فتنہ عورتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ابن ماجہ کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”بڑا ڈر مجھ کو اپنی اُمت پر قوم لوط کے فعل کا ہے“

دوسری حدیث میں ہے کہ سات قسم کے گناہ گاروں پر ساتوں آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ یہ لعنت بھی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ ملعون کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔(ان میں سے اول) اغلام کرنے والا ملعون ہے آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ (طبرانی)

اسلام نے گناہ اور بدکاری کے تمام راستے بند کردئے ہیں، اس سلسلے میں پہلا حکم نظروں کی حفاظت کا فرمایا ہے۔

قُلْ لِّلْمُئو مِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ.(سورہ نور آیت ۳۰)

”آپ مؤمنین سے کہہ دیں اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں“۔

گویا شرم گاہوں کی حفاظت کا پہلا طریقہ نگاہوں کی حفاظت ہے، کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہ پڑے، کسی نامحرم عورت کو نہ دیکھیں اور عورت کسی نامحرم مرد کو نہ دیکھیں، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا غیر محرم کو دیکھنا ہے۔اگر کوئی بدنگاہی سے

پرہیز کرلیں تو اللہ پاک اس کے اعمال نامے میں نیکیوں کے ڈھیر لکھ دیں گے، اور اسے ایمان کی حلاوت نصیب فرمائیں گے۔ حضرت کی تربیتی ترتیب میں تو فحش تصویروں والا اخبار دیکھنا اور اس کو گھروں کے اندر لانا بھی سلسلے کے فیض سے محرومی کا سبب ہے چہ جائیکہ کہ عورتوں کو دیکھنا۔

اسی طرح عورتیں جب گھروں کے اندر ہوں تو اپنے محرموں کے سامنے ایسا لباس نہ پہنیں جو اتنا چست ہو کہ اس کے جسم کے نشیب وفراز اس میں نمایاں ہو جائے اور نہ وہ لباس اتنا باریک ہو کہ اس سے جسم جھلکے، اور جب عورت باہر نکلے اور نامحرموں کے سامنے آئے تو اس کے پورے جسم پر چادر یا برقعہ ہونا چاہئے کہ جو اس کے پورے جسم کو ڈھانپ رہا ہو۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ: يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (سورہ احزاب ٦٩)
''آپ تمام مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی جلبابیں اپنے اوپر جھکالیں'' مطلب یہ کہ عورت اپنے چہرے کو بھی چھپالیں۔

جلابیب کا واحد ہے ''جلباب'' اور جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو سر سے لیکر پاؤں تک پورے جسم کو ڈھانپے۔ اللہ کے نبی کے زمانے میں عورتیں جلباب استعمال کرتی تھی۔
نیز عورت ایسا زیور پہن کر گھر سے نہ نکلے جو بجنے والا ہو اور نہ خوشبو لگائیں۔

دل بننے کے اسباب:

اللہ کا ذکر نماز، نوافل، قرآن کی تلاوت، درود شریف، تسبیحات، کثرت استغفار، دعا اور نیک مجالس میں شرکت اور گناہوں کا چھوڑنا۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

فنا و بقا

فنائے خلق: جب مخلوق کی محبت، خوف، ڈر اور ان سے امید دل سے نکل جائے۔

فنائے ہویٰ: جب جمیع خواہشات دل سے نکل جائے۔

فنائے ارادہ: جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے سب اسی کے اختیار میں ہیں۔

فنائے رزائل: جب انسان کے باطن کے تمام رزائل ریا، حب جاہ، حب شہرت، کبر، کینہ، بغض، حسد وغیرہ مغلوب ہوجائیں۔

بقا: رزائل مغلوب ہونے کے بعد باطنی فضائل اخلاص، ہمدردی، خیرخواہی، تواضع، عاجزی، تفویض، توکل وغیرہ قرار پکڑ جائیں۔

توبہ

انسان ارادے سے یا بھولے جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو توبہ کرنے سے نہ صرف اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں بلکہ اس کے درجات بھی بلند ہوجاتے ہیں۔ توبہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک یہ کہ جو غلطی اور گناہ سرزد ہوجائے اس پر ندامت اور شرمندگی ہو، پشیمانی اور دل شکستگی ہو اور اس پر اللہ سے معافی مانگے اس کو توبہ واستغفار کہتے ہیں۔ اور فوراً گناہ کے کاموں کو چھوڑ دینا یہ توبہ کہلاتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عزمِ کامل ہو۔
جب یہ تین چیزیں جمع ہوجائیں تب توبہ مکمل ہوجاتی ہے۔

توبہ کی کئی قسمیں ہیں:

۱) عوام کی توبہ: سارے ظاہری گناہوں سے توبہ کرے۔

۲) سالکین کی توبہ: باطنی گناہوں سے بھی توبہ۔

۳) متقین کی توبہ: شکوک وشبہات اور وساس سے توبہ۔

۴) محبین کی توبہ: غفلت سے توبہ کرنا۔

۵) عارفین کی توبہ: عارفین کی توبہ سب سے اعلیٰ ہے، کیونکہ جب وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو پہلے مقام کو ادنیٰ سمجھ کر اس سے توبہ کرتے ہیں اس طرح یہ عمل جاری رہتا ہے۔

زہد:

سالک (راہ سلوک پر چلنے والا) کا دل دنیا کی فانی چیزوں سے سرد ہو جائے اور ختم ہو جائے، یعنی کہ سالک کے دل کی گہراؤں میں یہ یقین جم جائے کہ دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اس لئے اس دنیا سے لاتعلق ہو جائے، اس کو زہد کہتے ہیں۔

ورع:

سالک دنیا کی ساری اشیا مثلاً غیر محرم کا دیکھنا، شریعت کے خلاف قدم اٹھانا، یعنی سالک صرف اس چیز کو اختیار کرے جس کا شریعت حکم دیتی ہے، باقی ہر چیز سے رکا رہے، اس کو ورع کہتے ہیں۔

ورع کے اقسام:

۱) پہلا درجہ عوام کا ہے کہ آدمی ہر مشتبہ چیز سے پرہیز کرے، جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

۲) دوسرا درجہ خواص کا ہے کہ نفس و شیطان اور خواہشات جو دل میں آتی ہے، اس سے دل کو بچائے۔

۳) یہ درجہ خواص الخواص کا ہے کہ ہر بری چیز جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، اس سے رکا جائے۔

ورع ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی، ظاہری ورع یہ ہے کہ سالک امر الٰہی کے بغیر حرکت نہ کرے، باطنی ورع یہ ہے کہ قلب کے اوپر ماسویٰ اللہ کے کسی چیز کا گزر نہ ہو۔

نیک اور بد صحبت

صحبت نیک یا بد ہو انسان کے قلب اور مزاج کو بہت حد تک متاثر کرتی ہے۔ انسانوں کی صحبت کو تو چھوڑیں کہ جو لوگ جانورں کے ساتھ وقت گزارتے ہے ان جانورں کے اثرات ان میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے صحبت کی تین قسمیں بتائیں ہیں۔

۱) انسانوں کی صحبت، جو اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔

۲) پرنٹ میڈیا، جس میں کتابیں رسائل اور آج کل کے اخبارات شامل ہیں۔

۳) الیکٹرانک میڈیا، جس میں کمپیوٹر انٹرنٹ، فیس بک، یو ٹیوب، ٹیلی ویژن، کیبل اور ڈش وغیرہ شامل ہیں۔

اب اللہ کے نبی ﷺ کی ارشاد کی طرف غور فرمائیں کہ اچھے دوست کی مثال عطار کی مانند ہے اور برے دوست کی مثال بھٹی والے کی مانند ہے۔ اس ارشاد اور مندرجہ بالا تینوں اقسام کو مدنظر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو ہمارا تو اکثر وقت ان فضول اخبارات انٹرنٹ، فیس بک، ٹی وی وغیرہ دیکھنے میں گزرتا ہے۔ تو ان سب چیزوں کی صحبت میں وقت گزار کر ہمارے قلوب میں روحانیت اور ایمان کی روشنی کہاں سے آسکتی ہے؟ جب برتن نجاست سے صاف ہوگا تب اس میں کوئی چیز ڈالی جاسکتی ہے۔ اگر ایک آدمی نماز بھی پڑھتا ہے ذکر اذکار و نوافل کی بھی پابندی کرتا ہے مگر ان چیزوں سے پرہیز بھی نہیں کرتا تو ایسے شخص کے لئے نسبت کا حصول دشوار ہو جاتا ہے۔ تصوف و سلوک کی راہ پہ چلنے والوں کے لئے تو یہ چیزیں بہت ہی نقصان دہ ہے۔ اور ان کی وجہ سے تو آدمی کو نقد سزائیں مل جاتی ہیں۔ اللہ پاک کے جوار رحمت سے دور ہو جاتا ہے، نیکیوں کی توفیق یا کیفیات سے محروم ہو جاتا ہے۔

انسانوں کی صحبت میں ایک ناجنس کی صحبت ہوتی ہے۔کسی بھی ایسے شخص کی صحبت میں جس کے عقائد، مسلک، مشرب ،اور شیخ کی تعلیمات کے خلاف یا ناموافق ہوصحبت ناجنس کہلاتی ہے۔ایسے غافل لوگ جنہوں نے لذات دنیا کو ہی اپنا مقصود بنایا ہو۔اوران کی تمام ترکاوش کا محور دنیاوی سودوزیاں ہی ہو۔ان سے تعلق رکھنے میں اگر دین کی دعوت یا مصلحت پیش نظر ہوتو ٹھیک ہے ورنہ وہ ناجنس کی صحبت ہے اور ناجنس کی صحبت ایسے خطرناک ہوتی جیسے سانپ اور بچھو۔

تقویٰ:

تقویٰ کثرت نوافل، کثرت ذکر کا نام نہیں،تقویٰ ہر اس چیز کے ترک کرنے کو کہتے ہیں جس کے اختیار کرنے سے اللہ کے تعلق میں فرق آئے اس کا پہلا درجہ کفر وشرک کا چھوڑنا دوسرا درجہ گناہوں کا چھوڑنا اور تیسرا درجہ مشتبہ چیزوں کا بھی چھوڑنا۔

عبادات،معاملات اورمعاشرت

بزرگوں نے لکھا ہے کہ ظاہری اعمال دوقسم کے ہوتے ہیں:

۱) ایک وہ اعمال جن کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی معبودیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی بندگی اور عجز نیاز کا اظہار کرتا ہے۔گویا بندہ اپنی عبدیت کا اظہار عبادات ہی کے ذریعہ سے کرتا ہے۔

۲) دوسری قسم کی اعمال وہ ہیں جن کو بندہ اپنی دنیاوی ضرورت اورخواہش نفس کی وجہ سے کرتا ہے لیکن جب اس کو اللہ کے احکام کے پابندی کے ساتھ کرتا ہے،تو ان پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا اوراجر ثواب کا مستحق ہوتا ہے،مثلاً تجارت ،مزدوری، ملازمت یا کھیتی باڑی، اسی طرح نکاح کرنا اور بچوں کا پالنا، اپنی ضرورت اورخواہش نفس ہیں۔

تربیت کے حوالے سے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی خانقاہی ترتیب میں مریدین کے ذکر اذکار ونوافل ومراقبات کے ساتھ ساتھ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کا بھی درست کیا جانا ہے خواہشات اور ضروریات کا تعلق معاملات اور معاشرت سے ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے احکام دے کر ان کو بھی ثواب کا اور اپنی رضا اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں جیسے خرید وفروخت، قرض، امانت، نوکری اور مزدوری وغیرہ۔

معاشرت سے مراد رہن سہن کا برتاؤ ہے جو ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے کسی قسم کا تعلق اور واسطہ پڑتا ہے خواہ مستقل اور دائمی واسطہ ہو، جیسے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن اور دوسرے اقارب اور میاں بیوی یا گھر کے برابر رہنے والے پڑوسی کا اور خواہ عارضی اور وقتی ہو، جیسا کہ سفر کے رفیقوں کا یا مدرسہ یا کسی اور ادارے یا کارخانے کے ساتھیوں کا۔

کاروبار میں منافع نظر آتا ہے اور نفس کی خواہش عموماً یہی رہتی ہے کہ جھوٹ سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ جیسا موقع ہو اور جس طرح بھی زیادہ نفع کی امید ہو وہ کر گزرا جائے لیکن اللہ کا دین کہتا ہے کہ خبردار چاہے سراسر نقصان ہو چاہے دیوالیہ نکل جائے لیکن جھوٹ ہرگز نہ بولو۔

منافق کی علامتیں:

اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تین خصلتیں ایسی ہیں جو منافق کی نشانیاں ہیں جب وہ بات کریں تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کریں تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کریں۔ چاہے وہ نماز بھی پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہو۔

جھوٹ اور جھوٹا سرٹیفکیٹ:

آج کے زمانے میں حلال اور حرام کی تمیز ہی ختم ہوگئی ہے۔آج کل جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ۔جھوٹا کریکٹرسرٹیفکیٹ، تجربے کا جھوٹا سرٹیفکیٹ اوراسی نوع کی دوسری سرٹیفکیٹ لیتے اور دیتے ہیں یہ تمام قسم کے سرٹیفکیٹ ایک جھوٹی گواہی ہے اس کے علاوہ مدرسہ کی تصدیقی سرٹیفکیٹ جو سچ نہ ہواور عدالت میں کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا یہ سب ایک ہی زمرے میں آتی ہیں اس لئے اس سے بچنا چاہیے،مفتی شفیع صاحبؒ نے اس چیز کو دو دفعہ زنا کے برابر لکھا ہے۔

بچوں کے ساتھ مذاق میں یا انکو ڈرانے کے لئے بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ دوستوں کے ساتھ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہئے حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص کے لئے عذاب ہے جو صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔(ابوداود)

وعدہ خلافی:

ملکی قانون کی پابندی،جس ادارے میں کام کر رہا ہواس ادارے کے قوانین کی پابندی،کسی کے ساتھ کئے گئے وعدے کی پابندی، یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔

خیانت:

منافق کی تیسری علامت جو بیان کی گئی ہے وہ ''امانت میں خیانت'' ہے یہ مسلمان کا کام ہونہیں سکتا جب وہ امانت میں حیانت کرتا ہے،قرآن فرماتا ہے''اِنَّ اللّٰهَ يَاْ مُرُ كُمْ اَنْ تُـؤَدُّ الْاَمَا نَا تِ اِلٰى اَهْلِهَا '' اللہ پاک حکم دیتا ہے کہ امانتوں کوان کے اہل تک اور ان کے مستحقین تک پہنچاؤ اور ایک دفعہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس میں امانت نہیں اس کے اندر ایمان بھی نہیں۔کسی نے پڑھنے کے لئے کتاب دی اس کا واپس پہنچانا امانت

ہے، کسی جگہ ملازم ہو گئے، اب آپ نے یہ وقت فروخت کر دیا، یہ وقت بھی امانت ہے، اسے فضول باتوں میں، گپ شپ، ہنسی مزاق میں گزارا تو یہ امانت میں خیانت ہے، مدرسہ میں یا کسی دوسرے جگہ پر ملازمت کر لی، اور اپنے فرائض منصبی صحیح طریقے سے سرانجام نہیں دی تو یہ امانت میں خیانت ہو گئی۔ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے مگر اس کے ذمہ دوسروں کے جو حقوق بنتے ان کے ادا کرنے کی فکر نہیں کرتا۔ منصب اور عہدہ امانت ہے دفتر یا کسی دوسرے ادارے کا سامان امانت ہے اسے ذاتی استعمال میں لانا خیانت ہے سرکاری اشیا کا ذاتی استعمال خیانت ہے، حضرت ڈاکٹر صاحب کی تربیت کے نتیجے میں آپ کے مریدین کو ان چیزوں پر عمل نصیب ہو گئی ہے۔

اس طرح معاشرت یعنی آپس کا برتاؤ کا حال ہے اس لئے بندہ کی بندگی اور فرمان برداری کا سب سے زیادہ سخت امتحان معاملات اور معاشرت میں ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حقوق کی کوتاہی کرتا ہے وہ صرف اللہ کا مجرم ہوتا ہے اور اگر توفیق مل جائے اور سچے دل سے توبہ کر کے اپنے گناہ معاف کرالے تو اللہ کے کرم سے معافی ہی کی امید ہے۔ لیکن معاشرت اور معاملات میں گڑبڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہوئی اور کسی نہ کسی بندے کی حق تلفی بھی ضرور ہوئی اور بندے تو عموماً ہم ہی جیسے کم حوصلہ اور تنگ ظرف ہیں وہ قیامت میں اپنی پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑینگے ایک حدیث کا مضمون ہیں "بعض لوگ نماز، صدقہ وخیرات کی قسم کی بہت سی نیکیاں کما کر لے جائینگے لیکن اگر ان کے معاملات اور ان کی معاشرت خراب ہوگی، کسی کا حق مارا ہوگا کسی کا دل دکھایا ہوگا، کسی کی غیبت کی ہوگی وغیرہ وغیرہ" جب وہ محشر میں مقام حساب میں پہنچیں گے وہ مدعی بن کر کھڑے ہو جائینگے۔ تو جن لوگوں کے معاملاتی اور معاشرتی حقوق ان کے ذمہ ہوں گے وہ مدعی بن کر کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے انصاف کے طالب ہونگے۔ پھر اللہ تعالیٰ انصاف

اور فیصلہ فرمائیں گے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا نماز، روزہ، صدقہ وخیرات کی قسم کی ان لوگوں کی ساری نیکیاں ان مدعیوں کو دلوادی جائیں گی اور جب نیکیوں سے ان لوگوں کے حقوق ادا نہ ہوں گے تو ان مدعیوں کے کچھ گناہ ان لوگوں پر لاد دیئے جائیں گے۔ اور بالآخر یہ لوگ جہنم میں ڈلوادیئے جائیں گے''۔

اسی طرح مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے ترمذی اور ابوداود کے حوالے سے ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے کہ ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم سے فرمایا کہ ''کیا میں تمھیں وہ چیز بتاوں جو روزہ، صدقہ، اور نماز سے بھی افضل ہے؟''۔

ہم نے عرض کیا کہ وہ چیز ضرور بتلایئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' وہ چیز آپس کے معاملات اور معاشرتی تعلقات کی اصلاح ہے اور ان معاملات اور تعلقات کی خرابی، مونڈ دینے والا استرا ہے (بال مونڈنے والا استرا نہیں بلکہ دین کا صفایا کر دینے والا استرا)

اسی طرح حضرت نعمانیؒ مشکوٰۃ کی ایک اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ ''جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا اور ان دس درہموں میں ایک درہم حرام ہے (جو کسی ناجائز ذریعہ سے حاصل ہوا تھا) تو جب تک وہ شخص اس کپڑے، کو پہنے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث سنا کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر فرمایا کہ بہرے ہو جائیں میرے کان اگر میں نے حضور ﷺ سے یہ بات نہ سنی ہو''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جو جسم حرام غذا اور ناجائز آمدنی سے پلا ہو وہ جنت میں نہ جاسکے گا''۔

مندرجہ بالا مضمون کو پڑھنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کا نام ہے اور جب تک انسان کی یہ تمام چیزیں درست نہیں ہوتی وہ کامل نہیں ہوسکتا۔ اب حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی تعلیمات کے مطابق فائدہ دو

قسم کا ہوتا ہے ایک فائدہ عام اور دوسرا فائدہ تام۔ فائدہ عام وہ ہوتا ہے کہ انسان نے کسی دینی یا خانقاہی یا تبلیغی ماحول میں کچھ وقت گزار کر داڑھی رکھ لی، نماز کا پابند ہو گیا، اسلامی لباس پہننا شروع کر دیا، پگڑی باندھنا شروع کر دی، یا ذکر کا نصاب مکمل کر لیا، لطائف جاری ہو گئے، یہ اس کو فائدہ عام حاصل ہو گیا۔ انسان کو فائدہ تام تب حاصل ہو گا کہ جب اس کے عقائد کی صحت، پختگی اور درستگی کے ساتھ ساتھ اس میں عبادات اور یاد الٰہی کا ذوق وشوق پیدا ہو جائے اور اس میں اسے لذت آنے لگے، بری صحبت اور برے اعمال سے اسے نفرت اور نیک صحبت اور اچھے اعمال سے رغبت پیدا ہو جائے، اللہ کے حاضر و ناضر ہونے کا یقین پیدا ہو گیا ہو، احسانی کیفیت کا کچھ حصہ نصیب ہو گیا ہو (عمل کرتے ہوئے محسوس ہو گویا اللہ پاک کو دیکھ رہا ہوں یا وہ مجھے دیکھ رہا ہے)۔ اسی کو ''حضوری'' و ''یاداشت'' یا نسبت کہتے ہیں، کسی سے دوستی، دشمنی، ملنا یا نہ ملنا اور دینا سب اللہ کے لئے ہو جائے دین کے ضروی احکام ومسائل خواہ ان کا تعلق نماز، روزہ وغیرہ سے ہو یا دوسرے معاملات سے ہو، کے سیکھنے کا اہتمام کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں اب تک جو کوتاہیاں ہوتی رہی اور زندگی کا جو حصہ معصیت اور غفلت میں گزرا ہے اس سے سچی توبہ کر کے آئندہ کے لئے اس مالک کے حکموں پر چلنے کا اور بندگی والی زندگی گزارنے کا عہد اور ارادہ کرے، اور اگر معصیت ایسی ہو جس کا تعلق کسی بندے کے حق سے ہے۔ مثلاً کسی پر ظلم ہو گیا ہے، کسی کی غیبت کی ہے، کسی کا حق مار لیا ہے، یا کسی کا دل دکھایا ہے، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے علاوہ اس صاحب حق سے بھی معاف کرانا یا اس کا حق ادا کرنا بھی ضروری ہے، جب مرید اچھے اخلاق سے متصف ہو جائے مثلاً تواضع، نرمی، حلم، ترحم وشفقت، صبر وقناعت، ایثار وفیاضی اور دوسروں کی خیر خواہی وغیرہ اور باطنی یا قلبی بیماریوں سے جسے رزائل کہا جاتا ہے مثلاً کبر، بے جا غصہ، بخل، طمع، حسد، وخود غرضی، حب

جاہ وشہرت سے چھٹکارا حاصل کرلے، عبادات خاص کر نماز اچھی طرح ادا کرنے کا اہتمام کرے نفلی نمازوں میں خصوصاً تہجد کا بھی اہتمام کرے۔

ضرورت مرشد:

ایک عام آدمی جس کی عمر غفلت اور نافرمانیوں میں گزرتی ہے کبھی اس میں اپنی غلطیوں کے بارے میں چونک پیدا ہوتی ہے، اپنے حال پر نادم ہوتا ہے، اپنے غلطیوں پر کڑھتا ہے، اس وقت اس کا جی چاہتا ہے کہ پرہیزگاری اور فرمان برداری میں اپنی زندگی کا باقی حصہ گزار دے۔ لیکن فرمان برداری اور نیکی کی صفات انسان کے اندر از خود پیدا نہیں ہوتی اور نہ اس کے اندر کی تمام رزائل و قلبی گناہ از خود ختم ہوتے ہیں اور نہ کتابوں میں دیکھ دیکھ کر اپنی غیر شرعی کمزوریوں کا ازالہ کرسکتا ہے جیسے طب کی کتابیں دیکھ دیکھ کر اور ان سے نسخوں کا انتخاب کر کر کے کوئی اپنا علاج کر نہیں سکتا بلکہ کتابوں کے رہتے ہوئے بھی تجربہ کار طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی حال باطنی بیماریوں کا بھی ہے کہ شیخ کامل کی نگرانی اپنے ظاہر و باطن پر جب تک قائم نہ کر لی جائے اسی کے فیصلوں کا تابع اپنے آپ کو نہ بنالیا جائے، اس وقت تک اپنی اصلاح آسان نہیں اس کے لئے کسی صاحب نسبت اور محقق شیخ سے بیعت ہو کر ان کی رہنمائی میں محنت اور مجاہدہ کر کے یہ سب چیزیں حاصل کرنا ہوتی ہیں۔ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ آج لوگ اس کے لئے صرف اتنی کوشش کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے مرید بن جائیں لیکن یہ نہ سمجھئے کہ مرید ہونا مقصد نہیں بلکہ اصلاح نفس مقصد ہے۔ اصل مقصد چھوڑ کر ذریعہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں حالانکہ پیر کے ہاتھ پر بیعت ہونا ذریعہ ہے، بیعت کے بعد اصل کام تو اپنا اصلاح کرنا ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت

کے لئے دو سلسلے جاری فرمائیں ہیں ایک کتاب اللہ کا سلسلہ اور دوسرا رجال اللہ کا سلسلہ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اللہ کے اولیاء یعنی اللہ پاک نے ایسے رجال پیدا فرمائے ہیں جو اس کتاب پر عمل کا نمونہ ہیں۔ لہٰذا اگر صرف کتاب لے کر بیٹھ جائے اور رجال اللہ سے غافل ہو جائے تو گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ان کی سب سے بڑی فضیلت اور سب سے اعلیٰ لقب ان کا ''صحابی'' ہوتا ہے، ان کے بعد جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت سے استفادہ کیا ان کا سب سے بڑا تعظیمی لقب ''تابعی'' اور ان کے بعد لوگوں کے لئے ''تبع تابعی'' قرار پایا۔ یہ سب حضرات شریعت و طریقت کے جامع تھے، ان کے طبقات اور القابات علوم و فنون کی تخصیصات کی بجائے صحابی، تابعی، تبع تابعی کے عنوانات سے تھے۔ ان کے بعد جن حضرات کی مناسبت تفسیر کے ساتھ تھی اس فن میں کمال حاصل کرنے کے بعد وہ مفسر کہلایا، جن کا رجوع حدیث کی طرف ہوا تو اس میں کمال حاصل کرنے بعد وہ محدث کہلایا، فقہ میں کمال حاصل کرنے والا فقیہ کہلایا اور شریعت و سنت میں اتباع، عبادات، اعمال باطنہ کی تکمیل اور تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہونے والے صوفیاء یا مشائخ کہلائے۔

شیخ کامل کی صحبت کے فوائد:

۱) شیخ کے اندر جو چیز ہے۔ وہ آہستہ آہستہ مرید کے اندر آ جاتی ہے۔

۲) اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے۔ اور یہ بھی کافی اور یہ بھی مفتاح طریقت (طریقت کی چابی) ہے۔

۳) اخلاق و عادات میں اس کا اتباع کریگا، اذکار و عبادات میں نشاط اور ہمت پیدا ہوتا ہے۔

۴) جو حال عجیب پیش آتا ہے، اس کے بارے میں اس سے تشفی ہو جاتی ہے۔

۵) اس کی باتیں (ملفوظات) زبانی سننے میں آتے ہیں وہ تحقیقات و مسائل کا خلاصہ ہوتے ہیں۔

۶) اس کے صحبت کی وجہ سے عمل کا شوق بڑھتا ہے۔

۷) اپنی استعداد معلوم ہو جاتی ہے۔

۸) خود کتابیں دیکھ کر اپنے روحانی امراض کا علاج مشکل ہوتا ہے لیکن مشائخ کی صحبت اوران کی تعلیم کی برکت سے روحانی و باطنی امراض سے جلد شفا ہو جاتی ہے۔

۹) شیخ کامل کی صحبت کے مؤثر ہونے کی وجہ سے بار بار اصلاح قلب و اصلاح نفس کی باتیں جب کان میں پڑتی ہیں تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ایک وقت اس پر عمل نہ ہو سکے گا، دو وقت نہ ہو سکے گا، تیسری دفعہ تو اصلاح ہو جائے گی ان شاءاللہ۔

۱۰) ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہوتے ہیں۔انکے پاس رہنے سے دل میں نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت جاتی ہے، پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

بیعت:

حضور ﷺ نے صحابہ کو بیعت جہاد و بیعت اسلام کے علاوہ التزام احکام و اہتمام اعمال کے لئے بھی بیعت فرمایا ہے یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔عوف بن مالکؓ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، نو آدمی یا آٹھ یا سات ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے؟

ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ ﷺ۔آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو، اوراس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور احکام سنو اور مانو (مسلم، ابوداود، نسائی)

اس بیعت میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو خطاب کیا یہ بیعت نہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تھی اور نہ جہاد کے لئے تھی۔ اس لئے مشائخ کا جو مروجہ بیعت ہے وہ اس حدیث سے ثابت ہے۔

طریق بیعت:

شیخ مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت کرتا ہے، اور کثیر مجمعہ کو بذریعہ رومال بیعت کرتا ہے، اور مستورات کو پردہ کے پیچھے کہ وہاں ان کا کوئی محرم بھی ہو رومال وغیرہ سے بیعت کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے بغیر آپ ﷺ بیعت فرماتے۔ (ابوداؤد)

مجاہدہ:

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے: "**وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْ فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**" کہ جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ ماحول کا......معاشرے کا......نفس کا...... شیطان کا......اور خواہشات کا تقاضہ چھوڑ کر وہ ہمارے حکموں پر چلنا چاہتے ہیں تو ہم کیا کرتے ہیں. "**لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**" حضرت تھانویؒ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ "ہم ان کے ہاتھ پکڑ کے لے چلیں گے" یہ نہیں کہ دور سے دکھا دیا کہ "یہ راستہ ہے" بلکہ فرما دیا کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے سلسلے کو تین تربیتی دورانیوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور بیعت ہونے والے احباب کو نہ صرف ذکر و مراقبات کا بلکہ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل معمولات کا پابند کیا جاتا ہے۔

حقوق العباد وصفائی معاملات:

کسی کا مال، زمین یا کوئی اور حق دبایا ہو فوراادا کرنا، بجلی کا میٹر بند ہو تو اس کو کھولنا اور پچھلا حساب کر کے پیسے ادا کرنا، حکومت کے ٹیکس جو جائز ہوں اور حکومت کے ایسے ادارے جن پر حکومت کا خرچ ہے ان سے فائدہ حاصل کرنے کے کی صورت میں انکا معاوضہ ادا کرنا، میراث وغیرہ کی پوری تقسیم کر کے ہر کسی کو اس کا حصہ ادا کرنا، مشترکہ خاندان میں رہائش کی شکل میں اپنا اور اپنی بیوی بچوں کا خرچ ادا کرنا نیز شرعی پردے کی پوری پابندی کرنا، جس شعبے مین ملازمت کرر ہا ہو اس کی ڈیوٹی پوری کوشش سے ادا کرنا، بیوی بچوں اور خاندان کے درمیان حقوق کی ادائیگی میں توازن رکھنا، نہ بیوی کے لئے ماں باپ کے حقوق ضائع کرے اور نہ ماں باپ اور خاندان کی باتوں میں آ کر بیوی پر ظلم کرے، اپنے محرم رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کی خیر خبر رکھنا اور ان سے پہلوتہی نہ کرنا۔

حقوق اللہ:

نماز روزہ وغیرہ جو پہلے قضا ہو چکے ہوں، ان کی ادئیگی فورا شروع کرنا، زکواۃ کا حساب کر کے ادا کرنا، عشر وغیرہ کی ادائیگی کرنا، حج فرض ہے اور ابھی تک نہیں کیا تو فورا اس کا بندوبست کرنا، نماز باجمارت تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنا۔

سلسلے کے تربیتی درجات

درجہ اول:

معمولی ضرب اور جہر کے ساتھ

لا اله الا الله	:	۱۰۰ بار	
الااللہ	:	۱۰۰ بار	
اللہ	:	۱۰۰ بار	
درود شریف	:	سو، سو بار	(صبح وشام)
استغفار	:	سو، سو بار	(صبح وشام)
تیسرا کلمہ	:	سو، سو بار	(صبح وشام)

اشراق ، چاشت، اوابین، تہجد اور آدھا پارہ تلاوت یا جتنا زیادہ ہو سکے اور مناجات مقبول ایک منزل روزانہ۔

اس کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے:

۱) تعلیم الاسلام

(مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ کرنا)

۲) ام الامراض، اکابر کا سلوک واحسان اور فیض شیخ

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ)

۳) مواعظ بنام تسہیل المواعظ

(حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

۴) اصلاحی نصاب (جو دس رسالوں کا مجموعہ ہے)

(حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوئم:

لا الہ الا اللہ	:	۲۰۰ بار
الا اللہ	:	۴۰۰ بار
اللہُ اللہ	:	۶۰۰ بار
اللہ	:	۱۰۰ بار

ذرا جھٹکے اور ضرب کے ساتھ جس سے بدن کو تھوڑی سی حرکت ہو جائے۔ صبح کی نماز سے پہلے یا بعد میں یا کسی ایسے وقت میں جب کھانا کھانے کو ڈھائی گھنٹے گزر چکے ہوں اور پانی پینے کو آدھا گھنٹا گزر چکا ہو۔ اللہ اللہ کہ پہلے اللہ پر پیش مجہول اور دوسرے اللہ پر وقف ہو، سو بار اللہ وقف کے ساتھ۔

مناجات مقبول ایک منزل روزانہ:

درود شریف	:	سو، سو بار	(صبح وشام)
استغفار	:	سو، سو بار	(صبح وشام)
تیسرا کلمہ	:	سو، سو بار	(صبح وشام)

اشراق، چاشت، اوابین، تہجد اور آدھا پارہ تلاوت یا جتنا زیادہ ہو سکے۔

درجہ دوم کے کتب:

۱)	بہشتی زیور	(مولانا اشرف علی تھانویؒ)
۲)	اسوۂ رسول اکرم ﷺ	(ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)
۳)	سلوک سلیمانی	(مولانا اشرف خان سلیمانیؒ)
۴)	آپ بیتی	(مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ)

۵) تذکرۃ الاولیاء (فریدالدین عطارؒ)

۶) کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

۷) مواعظ وملفوظات (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ سوئم:

بارہ تسبیحات کے ساتھ ساتھ ذکر اسم ذات جو حسب استعداد آہستہ آہستہ زیادہ کرکے چھ ہزار اور اس سے زیادہ سالک کے شوق اور برداشت کو دیکھتے ہوئے۔

مناجات مقبول ایک منزل روزانہ:

درود شریف	:	سو،سو بار	(صبح وشام)
استغفار	:	سو،سو بار	(صبح وشام)
تیسرا کلمہ	:	سو،سو بار	(صبح وشام)

اشراق، چاشت، اوابین، تہجد اور آدھا پارہ تلاوت روزانہ یا جتنا زیادہ ہوسکے۔

مراقبات:

اللہ کا حاضر و ناظر ہونا، ساتھ ہونا، مراقبہ موت اور اس کے علاوہ دیگر مراقبات

مطالعہ کتب:

۱) تربیت السالک تین جلد (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

۲) انفاس عیسیٰ (مولانا عیسیٰ خانؒ)

۳) التکشف (مولانا اشرف علی تھانویؒ)

۴) بصائر حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)

۵) بوادر النوادر (مولانا اشرف علی تھانویؒ)

۶) احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

حضرت کے روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ اور سالانہ مجالس کی ترتیب

مرکزی خانقاہ میں روزانہ مجالس کی ترتیب:

۱) فجر تا اشراق اصلاحی مجلس

۲) عصر کی نماز کے فوراً بعد آدھا گھنٹہ

۳) عشاء کی نماز کے بعد

۴) جمعہ کے دن عصر کے نماز کے بعد مغرب تک

۵) بدھ عصر کے بعد مستورات کو بیان اور مغرب کے اوابین کے بعد بچوں کا جلسہ

۶) جمعہ بیان و خطبہ مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی

۷) اتوار مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی

۸) منگل فردوس مسجد پشاور یونیورسٹی

۹) پیر مسجد نور حیات آباد فیز تھری

۱۰) جمعرات خانقاہ مولانا اشرفؒ پشاور یونیورسٹی دھوبی گھاٹ

۱۱) مہینہ میں ایک مرتبہ تربیتی شب باشی، جس میں ملک کے مختلف علاقوں سے سالکین شریک ہوتے ہیں۔

۱۲) سالانہ اجتماع، شمالی اضلاع کے کسی ٹھنڈے علاقے میں ہوتا ہے،

اعتکاف:

انسان کی شخصیت کی تعمیر میں شخصیات ، مدارس و مکاتب اور کتابیں اہم کردار ادا کرتی ہیں ،لیکن اس کے علاوہ مجاہدات ،مراقبات و یکسوئی ایسے اعمال ہیں کہ ان کے بغیر گہری روحانی شخصیت کی تعمیر نہیں ہوسکتی مولانا زکریاؒ نے اعتکاف کے شعبے کو سالکین کے لئے بھرپور استعمال کیا اور پاکستان ہندوستان اور برطانیہ میں سینکڑوں ہزاروں مریدین کے ساتھ اعتکاف کیا اور شبانہ روز ذکروفکر ،تعلیم و تربیت اور قیام الیل کے ذریعے کئی حضرات صاحب نسبت بن گئے حضرت ڈاکٹر صاحب نے بھی مولانا اشرف خانؒ کی اجازت سے ۱۹۸۹ء میں پشاور یونیورسٹی کے خانقاہ میں تربیتی اعتکاف شروع کیا جس میں ملک کے مختلف حصوں کے لوگ رمضان کا پورا مہینہ یا صرف اعتکاف گزارنے کے لئے خانقاہ آتے ہیں تراویح میں قرآن مجید کے چار ختم ہوتے ہیں دو اعتکاف میں اور دو اعتکاف کے علاوہ اعتکاف میں تراویح عموماً سحری تک جاری رہتی ہے۔ معتکفین سحری کے بعد انفرادی اعمال میں مشغول ہو جاتے ہیں ، فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اشراق تک تعلیم ہوتی ہے، اشراق کی نماز پڑھنے کے بعد معتکفین آرام کے لئے لیٹ جاتے ہیں، ۱۱ بجے کے بعد ظہر کی نماز تک حضرت کا بیان ہوتا ہے جس میں عقائد عبادات معاملات معاشرت ، مسلمان کو مسلمان رکھنا ان کو اسلامی تشخص پر جمانا لوگوں میں صفات ایمانی ،اخلاق ربانی کو ابھارنا اور روحانیت اور تزکیہ نفس کے متعلق ضروری بحثیں کی جاتی ہیں۔ظہر کی نماز کے بعد عصر تک آرام کا وقفہ ہوتا ہے،عصر کی نماز کے بعد پھر ۲۰ منٹ تک تعلیم ہو جاتی ہے اس کے بعد انفرادی اعمال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے جہری ذکر کی مجلس ہوتی ہے مغرب کی اذان کے فوراً بعد افطاری ہوتی ہے اور کھانا نماز کے بعد کھایا جاتا ہے۔ حضرت تو بہت معمولی سا کھانا تناول کرنے کے بعد (جو کہ تھوڑے سے سالن ایک چپاتی

اور ایک کپ چائے پر مشتمل ہوتی ہے) اوابین کی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور عشاء کی نماز سے کچھ دیر پہلے تک ایک پارہ اوابین میں سنتے ہیں۔

خلافت:

اپنی کتاب ''اصلاح نفس'' میں حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ کو جب مرید کے بارے میں یقین ہو جائے کہ اس نے راہ سلوک کا تربیتی نظام سیکھ لیا ہے مخلص ہے، دین کے ذریعے دنیا نہیں کمائے گا، مال وجاہ کے پیچھے نہیں پڑے گا اور سلسلہ چلانے کی استعداد رکھتا ہے، اسے مشائخ برائے اشاعت سلسلہ خلافت عطاء فرماتے ہیں۔ خلافت ایک قسم کی انتظامی چیز ہے، حتمی چیز نہیں ہے بلکہ ظنی ہے، اس کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا یا مقبول گردانناکسی وجہ سے نہیں ہوسکتا۔ ہاں سلسلہ چلاتے ہوئے اپنے گردوپیش میں دینی ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور نیکی کی فضا بن جاتی ہے جس کی وجہ اپنی حفاظت آسان ہو جاتی ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے حتمی چیز تو خاتمہ بالخیر ہے، اس وقت تک تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔

نسبت:

تصوف کی راہ میں اصل الاصول نسبت کا حصول ہے۔ نسبت کہتے ہیں اللہ کی ذات عالی کے ساتھ قبولیت کا تعلق پیدا ہو جائے۔ یعنی آدمی نے ظاہری شریعت کی پابندی کی اور دفعہ رزائل وحصول فضائل کے لئے کوشش کی کثرت ذکر ومراقبات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا اور معیت کے دھیان کو پختہ کیا، یہاں تک کہ یہ مجاہدات اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو گئے اور انھوں نے اپنا بنالیا۔

ایسے افراد کے سارے اعمال جذبہ آخرت اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ نام ونمود اور دنیا کی کوئی چیز ان کے اعمال کی بنیاد نہیں بنتی۔اب ان کے رزائل دَب چکے ہوتے ہیں، فضائل پر پکے ہو جاتے ہیں، کثرت ذکر کی وجہ سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان رہتا ہے اور ظاہری شریعت پر پوری کوشش سے چلنے والے ہوتے ہیں۔بعض اوقات خلافت تو نہیں ملی ہوتی لیکن نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات خلافت بغیر نسبت کے بھی مل جاتی ہے۔

آپ کے خلفاء:

۱)	حافظ ڈاکٹر سیار صاحب	(سعودی ریڈ کریسنٹ ہسپتال پشاور)
۲)	ڈاکٹر مولانا عبید اللہ صاحب	(خیبر میڈیکل کالج پشاور)
۳)	پروفیسر الطاف صاحب	(اسلامیہ کالج پشاور)
۴)	ڈاکٹر طارق صاحب	(چیئرمین فزیالوجی ڈیپارٹمنٹ کبیر میڈیکل کالج پشاور)
۵)	پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب	(شعبہ سول انجینئرنگ انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور)
۶)	ڈاکٹر فہیم شاہ	(میڈیکل اسپیشلسٹ، ایسوسی ایٹ پروفیسر کوہاٹ میڈیکل کالج)
۷)	مولانا محمد طفیل صاحب	(مدیر ندوۃ التحقیق کوہاٹ)
۸)	حاجی احمد خان صاحب	(سیکرٹری (ریٹائرڈ) حکومت صوبہ خیبر پختونخوا)
۹)	شبیر احمد کاکا خیل صاحب	(پرنسپل انجینئر اٹامک انرجی)
۱۰)	مولانا امین دوست صاحب	(مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن چھوٹا لاہور)
۱۱)	ڈاکٹر منظور صاحب مدظلہ	(میڈیکل اسپیشلسٹ ہری پور)
۱۲)	مولانا مشتاق صاحب	(محکمہ تعلیم صوبہ خیبر پختونخوا)

۱۳) ڈاکٹر ثناء اللہ صاحب (ٹریژرر پشاور یونیورسٹی)

۱۴) ڈاکٹر عبدالمتین صاحب (پرنسپل گومل میڈیکل کالج، ڈی آئی خان)

۱۵) انجینئر ثاقب صاحب (امریکہ)

۱۶) مولانا سرور جان صاحب (لکی مروت)

۱۷) مولانا بلال صاحب (مانسہرہ)

۱۸) راقم الحروف فقیر عزیز احمد کو بھی اجازت فرمائی ہے اللہ اس نسبت کو قبول فرمائیں۔

بیرونی اسفار

بیرونی اسفار

...... ۱۹۷۵ء میں ایک سفر حج مولانا محمد اشرفؒ کے ساتھ ہوا غالبا اس سفر میں حضرت مولانا فقیر محمدؒ بھی اس حج میں تشریف لے گئے تھے۔

...... ۱۹۷۹ء میں ایک سفر تبلیغ کے سلسلے میں سعودی عرب کا ہوا۔

...... ۱۹۷۹ء کے عمرے کے سفر میں مسجد نبوی کے روحانی اور مبارک ماحول میں حضرت مولانا محمد زکریاؒ ،مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مولانا مفتی محمودؒ کی صحبت میں وقت گزارا۔

...... آپ کا ایک سفر مولانا محمد اشرف خانؒ کے ساتھ ہندستان کا (دارلعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس کے سلسلے میں) ۱۹۸۰ء میں ہوا۔

...... ۱۹۹۲ء میں افغانستان کا تبلیغی سفر کیا۔

...... ۱۹۹۵ء کے حج کا سفر حضرت جی انعام الحسنؒ اور مولانا محمد اشرف خانؒ کے ساتھ کیا۔

...... خانقاہی سلسلے میں جنوبی افریقہ کے تین سفر کئے۔

...... خانقاہی سلسلے میں ایک سفر انگلینڈ کا کیا۔

...... خانقاہی سلسلے میں ایک سفر ملائشیا کا کیا۔

...... خانقاہی سلسلے میں ایک سفر ترکی کا کیا۔

ہندستان کا سفر

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلامی علوم کی حفاظت اور مسلمانوں کے وجود کی بقا کی غرض سے اللہ کے چند مخلص اور مقبول بندوں نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) کو رکھی۔

دوسرے مسلمانوں کے سامنے ادارے کی کارکردگی، اسلامی علوم کے حصول اور نشر واشاعت کے جذبہ کو بیدار کرنے کے لئے پہلا جلسہ ۱۲۹۰ھ میں دوسرا جلسہ ۱۲۹۲ھ میں اور تیسرا جلسہ ۱۲۹۸ھ میں، چوتھا جلسہ ۱۳۰۱ھ میں اور پانچواں جلسہ ۱۳۲۷ھ میں ہوا، یہ جلسہ سابقہ اجتماعات سے بڑا اور اس وقت کی تاریخ میں ایک منفرد اور بے نظیر اجتماع تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس جلسے کی سرپرستی فرمائی تھی۔ اسی جلسے میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کی دستار بندی بھی ہوئی تھی۔

حضرت مدنیؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کو سبز عمامے بندھوا دیئے گئے:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی اپنی دستار بندی کے واقعات لکھتے ہیں کہ دستار بندی کے دنوں میں شیخ الہندؒ نہایت ساکت وصامت تفکر کے دریا میں غرق نظر آتے تھے کبھی یہاں بیٹھ گئے کبھی وہاں، ان تمام ایام میں حضرت مراقب پائے جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نہایت عظیم الشان بار آپ پر پڑا ہوا ہے جس کی فکر میں ڈوبے ہوئے اپنے پروردگار سے عرض معروض کر رہے ہیں...... باوجود یہ کہ کئی سو من غلہ اور گوشت پکتا تھا مگر کسی جگہ کتا نظر نہیں آیا، باوجود یہ کہ گرمیوں کا زمانہ تھا مگر مکھیوں کا اجتماع کہیں نہ تھا غلاظت اور گندگی جو کہ ایسے مجامع میں پائی جاتی ہے کہیں دیکھنے میں نہیں آتی تھی......سب سے پہلے

مولانا انور شاہؒ کی دستار بندی ہوئی اس کے بعد میری دستار بندی کی گئی مجھ کو ایک عمامہ سبز حسب اصول مدرسہ دوسرے حضرات کی طرح از دست شیخ الہند بندھوایا گیا۔

اس کے بعد ۳ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ (۲۱ مارچ ۱۹۸۰ء) کو قاری محمد طیبؒ کے زمانہ میں جب دیوبند والوں نے صد سالہ تقریبات منانے کا فیصلہ کیا تو اس میں ساری دنیا سے خاص خاص لوگوں کو شرکت کی دعوت دی گئی حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کو بھی بمعہ خدام دعوت دی گئی جن میں حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ، نعمان صاحب، میر خاتم صاحب اور حاجی احمد خان صاحب شامل تھے ۱۹ مارچ ۱۹۸۰ء کو بذریعہ ریل روانگی ہوئی، ریل میں مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا خان محمدؒ کندیاں شریف جیسی شخصیات بھی سفر کر رہی تھیں۔ پوری رات سفر میں گزری صبح دیوبند پہنچے۔ دیوبند والوں نے آپ لوگوں کو ایک کمرہ رہائش کیلئے دے دیا۔

اکابرین کے مزارات پر حاضری:

اس قیام کے دوران قاسمی قبرستان میں مولانا قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند محمود حسنؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور قبرستان میں مدفون دیگر بزرگوں اور اکابرین کے قبور پر حاضری دی، مولانا انور شاہ کشمیریؒ جو باب الظاہر میں مدفون ہیں ان کے مزار پر بھی حاضری دی۔

سٹیج پر علماء سے ملاقات:

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ صاحبزادہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ حضرت مولانا اشرف خانؒ کی ملاقات کیلئے تشریف لائے ان کے علاوہ دیگر علماء بھی تشریف لائے۔ حضرت مولاناؒ چونکہ معذور تھے اسلئے نماز اپنے کمرے میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی اقتداء میں پڑھتے

تھے۔ دوسرے دن حضرت کی پہیوں والی کرسی سٹیج پر چڑھا دی گئی (حضرت چونکہ دونوں ٹانگوں سے معذور تھے اسلئے چلنے والی کرسی استعمال کرتے تھے) حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ اور حضرت مولاناؒ کے دیگر خلفاء بھی ساتھ تھے۔ سٹیج پر اکابر علماء مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا مسیح اللہ خانؒ، مولانا اسعد مدنیؒ، مولانا عبیداللہ بستی نظام الدین تبلیغی مرکز، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبدالحقؒ، مولانا خان محمدؒ کے علاوہ مصر اور عرب کے علماء ومشائخ کے وفود بھی اپنی نشستوں پر رونق افروز تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اجتماع کا نمائندہ بیان کیا۔ سٹیج پر حضرت ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ سے حضرت مولانا صاحبؒ کا مصافحہ کروایا گیا اور ان سے جب حضرت مولانا صاحبؒ نے اپنے لکھنو حاضر ہونے کا کہا تو حضرت مولانا ابوالحسن ندوی صاحبؒ نے آپ کے کچھ روز قیام کی خواہش ظاہر کی۔ باقی بزرگوں کی بھی زیارت ہوئی اور اس کے بعد دارالاقامۃ کو واپسی ہوئی۔

خانقاہ تھانہ بھون کی حاضری:

اجتماع سے فارغ ہو کر ٹیکسی کرایہ پر لے کر دوسرے دن تھانہ بھون، گنگوہ، نانوتہ اور جلال آباد کے قصبوں میں حاضری دی جلال آباد میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) سے ان کے مدرسہ واقع جلال آباد میں ملاقات ہوئی تھوڑی دیر ان کے خانقاہ میں قیام فرمایا اور چائے پینے کے بعد تھانہ بھون روانہ ہوئے ادھر پہنچنے کے بعد تھانہ بھون کی وہ عظیم خانقاہ سامنے تھی جس میں اکابرین سلسلۂ چشتیہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ، شیخ محمد تھانویؒ رونق افروز رہے اور جہاں بیٹھ کر ان تین حضرات نے مولانا قاسمؒ نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی موجودگی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا منصوبہ بنایا۔ فتویٰ تیار کیا اور جسے چھاؤنی کے طور پر استعمال کر کے شاملی کے میدان میں

لڑے۔ ہر تین افراد کے اتنے چھوٹے چھوٹے خلوت خانے تھے کہ بمشکل ایک آدمی سما سکے۔خلوت خانے کے دروازے پر کالے نشان تھے، مقامی آدمی نے بتایا کہ یہ انگریزوں کی گولہ باری کے نشانات ہیں۔جس دینی مرکز میں حاضری ہوتی حضرتؒ کا جذبہ ہوتا کہ وہاں چندہ ضرور دیا جائے یا کم ازکم ان کے مکتبہ کی کچھ کتابیں ہوں تو وہ ضرور خریدی جائیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے تربیت السالک دوجلد وہیں سے خریدی۔

خانقاہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے دور کی تاریخ کو بھی لئے ہوئے تھی۔ذاکرین کے لیے تقریباً چالیس حجرے موجود ہیں۔خانقاہ میں وہ کمرہ جہاں شیخ الشیخ مولانا فقیر محمدؒ کا قیام ہوتا تھا اس کی زیارت کی۔اسی خانقاہ میں بیٹھ کر دینِ اسلام کی تجدید کا کارنامہ حضرت تھانویؒ کے ہاتھوں انجام پایا۔تقریباً سو سے اوپر خلفاء کی تربیت کی اور ہزار سے اوپر کتابیں تصنیف کیں۔پھر حضرت تھانویؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ کے مزارات پر حاضری دی اس کے بعد گنگوہ شریف میں مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مزارت پر بھی حاضر ہوئے یہاں سے فارغ ہو کر لکھنؤ حاضری ہوئی۔ ندوۃ العلماء میں پندرہ روز قیام رہا۔

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کے ملاقات کیلئے مولانا منظور نعمانیؒ کی آمد:

حضرت ابوالحسن علی ندویؒ ندوہ میں ہی تشریف فرما تھے کیونکہ پاکستانی وفود حاضر خدمت ہو رہے تھے۔مدرسہ والوں نے بتایا کہ حضرت ندویؒ مہمانوں کی وجہ سے یہاں قیام پذیر ہیں ورنہ ان کا زیادہ وقت آج کل رائے بریلی میں گذرتا ہے۔جوں جوں عمر زیادہ ہوتی جا رہی ہے لکھنو میں ندوہ کا کام باقی حضرات کے حوالے کر کے خود ذکر وفکر اور یکسوئی کی زندگی رائے بریلی میں ہی گذار رہے ہیں اور درس وتدریس وعظ وتقریر کی بجائے

آنے والے مریدوں کی تربیت اور ذکر وفکر کی طرف زیادہ متوجہ ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ہمیں محسوس ہوا کہ حضرت ندویؒ چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کا زیادہ سے زیادہ وقت ندوہ میں گذرے تاکہ طلبا کے سامنے اتباعِ سنت اور تعلق مع اللہ کا عملی نمونہ آجائے۔ طلباء اور اساتذہ بہت ہی محبت سے پیش آتے رہے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ کو اطلاع ہوئی تو مدرسہ ہی میں تشریف لے آئے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ ان آخری ایام میں ان پر بہت رقت تھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ پھر ایک بار حضرت نعمانیؒ کے گھر بھی حاضری دی۔ بہت شفقت سے پیش آئے اور ہمارے تھانوی تعلق کی بنیاد پر حضرت تھانویؒ کے حالات سناتے رہے۔ جب رخصتی ہونے لگی تو غالبًا تین سو روپے (آج کل کے حساب سے ہزاروں روپے بنتے ہوں گے) ہدیہ عطا فرمائے اور ساتھ یہ فرمایا کہ یہ تھانوی ضیافت ہے اور عذر فرمایا کہ چونکہ اہلیہ کی وفات ہوگئی ہے اور گھر پر صرف ایک بچی ہے اس لئے آپ کے لئے کھانے پکانے کا بندوبست نہیں ہو سکتا لہٰذا یہی آپ حضرات کی دعوت ہے۔

حضرت ابوالحسن علی ندویؒ آرام اور انفرادی اوقات کے علاوہ مہمانوں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے۔ مدرسہ کے علماء اور اہلِ شہر زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت ندویؒ کم گو، گہری فکر میں ڈوبے ہوئے اور اکثر اوقات کسی دور منزل کو گھورتے ہوئے فکر وحزن کی تصویر بنے رہتے۔ کبھی کبھی مسکراہٹ چہرے پر پھیلتی۔ ندوہ کے اساتذہ، عرب علماء اور حضرت مولانا صاحبؒ کے سوالوں پر تھوڑی دیر کے لئے گویا ہوتے۔

لکھنو میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے گھر پر:

حضرت ندویؒ مہمانوں کا سلسلہ ختم ہونے پر رائے بریلی تشریف لے گئے۔ حضرت

ڈاکٹر صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی رائے بریلی چلے گئے۔ رات گئے رائے بریلی دائرہ شاہ علم اللہ پہنچے۔ لکھنؤ کے تکلف والے ماحول سے یہاں آکر 'الفقر فخری' کا نمونہ سامنے آیا۔ یہاں حضرت ندویؒ نے فقیرانہ شان والے حالات رکھے ہوئے تھے۔ رات بسر ہوئی۔ سحری کے وقت خانقاہ کے ماحول میں جہری ذکر کی صدا گونجنے لگی۔ بعد ناشتہ کے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ جد امجد حضرت ندویؒ کے مزار پر حاضر ہوئے جو ذرا اونچائی پر تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ مراقب ہوئے اور دوران مراقبہ حسب عادت نعرہ مارا اور فرمایا کہ پورے علاقے پر ان کی نسبت کے انوارات چھائے ہوئے ہیں۔ حضرت ندویؒ نے فرمایا یہی بات حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ ہر دو حضرات نے فرمائی تھی۔ اس کے بعد اس مکان کی زیارت کی جس میں سید احمد شہیدؒ کی ولادت اور پرورش ہوئی تھی۔ وہ مسجد اور ندی دیکھی جہاں مجاہدین بالاکوٹ کی تربیت ہوئی تھی۔ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ سید احمد شہیدؒ کے بھی جدِ امجد ہیں۔ تھوڑی دیر بعد واپسی ہوئی۔ حضرت ندویؒ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ بہت محبت اور قلبی تعلق کا رویہ فرما رہے تھے۔ دیرینہ واقفیت اور حضرت مولانا صاحبؒ کی دینی خدمات نیز تصانیف کی وجہ بھی ہو سکتی تھی لیکن تحقیق کرنے سے عجیب روحانی وجہ سامنے آئی۔

ایک خواب:

حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حاضری ہوئی تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ ایک نارنجی رنگ والی بس پاس سے گذر گئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی سے کہو جب تک طلباء رہیں بند نہ کرے۔ خواب سے بیدار ہو کر غور کرنے لگا کہ اس خواب کا مطلب کیا ہے۔ خیر نماز کے لئے مسجد نبوی جانے لگے تو بازار میں سے گذر رہے تھے کہ سامنے سے اسی رنگ کی بس گذری جو خواب میں

دیکھی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا ''مدینہ یونیورسٹی''۔ خیر یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ یہ پیغام مدینہ یونیورسٹی کے بارے میں ہے۔ اب اس سے متعلق شخصیت علی کون ہیں؟ غور کرنے پر خیال آیا کہ یہ حضرت ابوالحسن علی ندوی ہی ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی حج پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کو یہ پیغام دیا تو فرمایا: ''سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ مولانا صاحب آپ نے تو ہمارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔'' حضرت ندویؒ فرمانے لگے کہ سعودی حکومت نے ہم اساسی ممبران مدینہ یونیورسٹی کو بلایا ہوا ہے اور اس بات پر فیصلہ لینا چاہتے ہیں کہ آیا اس یونیورسٹی کو جاری رکھا جائے یا بند کر دیا جائے کیونکہ اخراجات زیادہ ہیں اور طلباء نہیں آ رہے۔ اب جب کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دے دیا تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ چنانچہ اس بات پر حکومت نے فیصلہ دے دیا۔ اس کے بعد حضرت ابوالحسن علی ندویؒ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عطر کی شیشی مولانا اشرف کو دے دو۔ آپ جو بیدار ہوئے تو وہ شیشی ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ یہ شیشی حضرت ندویؒ نے حضرت مولانا صاحبؒ کے حوالے کی۔ وفات کے وقت حسبِ وصیت اس کو کفن پر چھڑ کا گیا۔ خالی شیشی حاضرین غسل کے کپڑوں پر مل گئی۔

ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کا بیان:

ندوۃ العلماء کے بڑے ہال میں حضرت مولانا صاحبؒ کا بیان بھی ہوا اور علماء و طلبا نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مسترشد ہونے کے ناطے بہت دلچسپی سے سنا۔ لکھنؤ کے تبلیغی مرکز والے حضرات تشریف لائے اور انھوں نے بھی شب جمعہ میں بیان کروایا۔ حضرت مولانا صاحبؒ مدارس اور دینی مراکز میں کچھ نہ کچھ چندہ ضرور دیتے دلواتے تھے مگر ندوہ والوں نے کچھ بھی قبول نہ کیا اور مُصر رہے کہ آپ کی دعا ہی ہمارے لئے سب کچھ ہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ ایک رات کا قیام:

ندوہ کے بعد دہلی روانگی ہوئی۔ دہلی میں جمعیت علماء ہند کے دفتر واقع بہادر شاہ ظفر میں ایک رات قیام ہوا۔ حضرت مولانا اسعد صاحب مدنیؒ تشریف فرما تھے کھانا کھانے اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شاہ عبدالغنی صاحبؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی جبکہ جمعہ کی نماز جامع مسجد دہلی میں پڑھی۔ (شاہ ولی اللہؒ نے سب سے پہلے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا، برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے دورہ حدیث شروع کیا، آپ نے چار ہونہار فرزند چھوڑے، شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالغنیؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ کی مشہور تفسیر فتح العزیز ہے جو تفسیر عزیزی کے نام سے مشہور ہے، آپ ہی نے اپنے مرید و خلیفہ سید احمد شہیدؒ اور اپنے بھتیجے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو سکھوں سے جہاد کے لئے تیار کیا، شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن کا پہلی بار اردو میں ترجمہ کیا)۔

بستی نظام الدین میں قیام:

وہاں سے فارغ ہونے کے بعد تبلیغی مرکز (بنگلہ والی مسجد) بستی نظام الدین دہلی چلے گئے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور مولانا محمد عُمر پالن پوری صاحبؒ مسجد کے متصل داہنے جانب چمن میں تشریف فرما تھے۔ حضرت جیؒ نے آپ لوگوں کی تشریف آوری پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ بنگلہ والی مسجد جہاں آج کل تبلیغی مرکز آباد ہے اس میں مولانا الیاسؒ کے والد مولانا اسماعیلؒ امامت کے ساتھ ساتھ ذکر و عبادت، آئے گئے

مسافروں کی خدمت اورقرآن مجید ودین کی تعلیم میں شب وروز مصروف رہتے تھے،آپ نے ساری زندگی گمنامی اور عبادت میں گذاری ،خدمت وتواضع کا یہ عالم تھا کہ جومزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر سے آنکلتے ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے ،اپنے ہاتھ ڈول کھینچ کران کو پانی پلاتے ، پھر دو رکعات شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی ، میں اس قابل نہ تھا،آپ کی پہلی بیوی سے مولانا محمد صاحب پیدا ہوئے،اس کے بعد مولانا الٰہی بخش کاندھلویؒ کے خاندان میں دوسرا نکاح کیا ،اس دوسرے عقد سے مولانا الیاسؒ اور مولانا یحییٰ پیدا ہوئے۔ایک بار مسجد سے نکلے کہ کوئی مسلمان مل جائے ،اسے ساتھ لے کر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ لیں ،چند آدمی ملے، پوچھا کہاں جارہے ہو،انھوں نے کہا کہ مزدوری کرنے کے لئے فرمایا کہ اگر مزدوری تمھیں یہاں مل جائے تو پھر،بس وہ ٹک گئے آپ نے ان کوکلمہ،نماز یاد کرالی ۔مسائل بتائے اور نمازی بنایا اور یومیہ مزدوری بھی ان کو دیتے تھے ۔یہ جو بنگلہ والی مسجد ہے جو اب تبلیغی جماعت کا عالمی مرکز ہے اس کی ابتداء یہی سے ہوئی ۔یہ اس مرکز اور مسجد کا مختصر تعارف تھا۔

مرد درویش میں لکھا ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد حضرت جیؒ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔اس پر مرکز میں ہلچل مچ گئی۔سیدھے حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا آپ ٹھہر رہے ہیں یا تشریف لے جاویں گے۔حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا رات آپ کے پاس ہی قیام ہے۔اس پر حضرت جیؒ واپس حجرہ میں تشریف لے گئے۔وہاں موجود احمد حسن صاحب جو رائیونڈ کے مقیم ہیں اور ان دنوں بستی نظام الدین میں تھے نے فرمایا کہ حضرت جیؒ مغرب تا عشاء حجرہ میں خلوت میں ہوتے ہیں اور کسی سے ملاقات نہیں فرماتے۔اوابین میں تقریباً سوا یا ڈیڑھ پارہ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔احمد حسن صاحب نے حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ یہ صرف آپ کی خاطر

حضرت جیؒ خلوت سے باہر تشریف لائے ہیں۔عشاء کی تعلیم کے بعد کھانا حضرت جی انعام الحسنؒ کے ساتھ اکٹھے کھایا۔حضرتؒ نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا زبیر الحسن صاحبؒ کو حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت کے لئے مقرر فرمایا۔اور دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنوائے۔روٹیاں مولانا زبیر الحسن صاحب تازہ بتازہ تنور سے پکی ہوئی اٹھا کر گھر سے لاتے رہے۔اور رہائش کے لئے وہ کمرہ عنایت فرمایا جس میں حضرت مولانا الیاسؒ کا قیام رہا اور جس میں ان کی وفات ہوئی۔صبح کا ناشتہ بھی حضرت جیؒ کے ہمراہ ہوا۔حضرت مولانا صاحبؒ نے اجازت چاہی۔بستی نظام الدین میں آپ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے مزارات پر حاضری دی، نظام الدین اولیاؒ بابا فرید الدینؒ کے خلیفہ تھے اور حضرت امیر خسروؒ نظام الدین اولیاؒ کے مجاز تھے،شاعری سے لگاؤ تھا۔طوطی ہند کا لقب پایا،انھوں ۹۹ کتابیں لکھی ۴۰ سال تک صائم الدہر رہے۔

دہلی کے دیگر مزارا کی زیارت:

دہلی سے اجمیر شریف کا سفر کیا اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزار پر حاضری ہوئی۔مزار کا اتنا بڑا علاقہ ہے کہ اس کی تین مساجد ہیں۔اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی مسجد جو ویران ہے اس میں نماز نہیں ہوتی۔شاہ جہاں کی بنائی ہوئی مسجد میں جمعہ ہوتا ہے اورنگزیب عالمگیرؒ کی مسجد میں پانچ وقت نماز ہوتی ہے۔اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی دو دیگیں ہیں، جن میں بیک وقت سو من اور اسی من چاول پکتے ہیں۔دیگوں کو سیمنٹ کی گول سیڑھیاں بنا کر ان پر رکھا گیا ہے۔وہی سیڑھیاں چولہوں کا کام بھی دیتی ہے۔

سلیم چشتیؒ مزار پر حاضری:

وہاں سے فتح پور سیکری حاضری ہوئی۔ فتح پور سیکری کے قلعے کی تعمیر کا رخ ایسے ہے کہ گرمیوں کے موسم میں ساری عمارات میں سامنے والی جھیل سے مسلسل ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے رہتے ہیں۔ فتح پور سیکری میں ایک مسجد ہے، جس میں حضرت سلیم چشتیؒ کا مزار ہے، ان کے خاندان کا قبرستان ہے اور کچھ حجرے مدرسہ کے ہیں۔ یہ سلیم چشتیؒ کا مدرسہ اور خانقاہ تھی۔ سلیم چشتیؒ وہ بزرگ ہیں کہ اکبر بادشاہ باوجود دین الٰہی رائج کرنے کے سلیم چشتیؒ کی بزرگی کا قائل تھا۔ ان کی دعا سے جہانگیر کی پیدائش ہوئی تھی اور اکبر نے جہانگیر کا نام سلیم، سلیم چشتیؒ کی یاد میں ہی رکھا تھا اور باوجود ساری خرافات کے اکبر یہ کہتا تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ حضرت سلیم چشتیؒ نے اپنے خاص مرید ملا دو پیازہؒ کو اکبر کے نو رتنوں میں رکھوایا ہوا تھا اور ان کے ذمہ یہ کام تھا کہ لطائف وظرائف وغیرہ کے ذریعے سے جیسے تیسے ہو اپنے آپ کو مقبول رکھنا ہے اور یہ کوشش کرنی ہے کہ اکبر کم ازکم یہ بات کہتا رہے کہ وہ مسلمان ہے اور اپنے ہندو ہونے کا اعلان نہ کرے۔ ایک دن بیربل وغیرہ ایک ہندو جوگی کو لے آئے جو کچھ منتر پڑھ کر زمین میں دھنس کر گم ہو جاتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ذرا فاصلے سے نمودار ہو کر نکل آتا تھا۔ ہندوؤں کا پروگرام تھا کہ اس جوگی کے ذریعے سے اکبر سے ہندو ہونے کا اعلان کروائیں گے۔ اس دن دربار کو ایسا سیل (seal) کیا کہ اندر سے باہر اور باہر سے اندر کوئی نہیں آسکتا تھا۔ کسی طریقے سے ملا دو پیازہؒ حضرت سلیم چشتیؒ کو لے آئے، اکبر کھڑا ہو گیا اور حضرت کو اپنے پاس بٹھایا۔ حضرت نے پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اکبر نے عرض کیا کہ ہندو جوگی عجیب کرتب دکھا رہا ہے۔ آپ نے دکھانے کو کہا۔ اس پر وہ زمین میں ڈوب کر غائب ہو گیا۔ حضرت نے وہاں اپنا قدم مبارک رکھا اور فرمایا کہ جوگی کو کہو کہ نکلے۔ لیکن وہ نہ نکل سکا اور ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔

مظاہر العلوم سہارنپور کے مدرسے میں قیام اور شیخ الحدیثؒ گھر میں کھانا:

سہارنپور مدرسہ مظاہر العلوم میں ایک شب کا قیام ہوا۔ حضرت مولانا طلحہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے صاحبزادے اور مولانا شاہد صاحب، حضرت شیخ الحدیثؒ کے نواسے ہر دو حضرات نے بہت پرتپاک استقبال کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ''مدرسۂ سہارنپور میں پرانے مخطوطے اور نایاب کتابیں دیکھنی نصیب ہوئیں۔ ابوالفضل اور فیضی کی تفسیر ساطع الالہام پہلی بار یہی دیکھی۔ اخوند درویزہ باباؒ جو حضرت پیر باباؒ کے بڑے خلیفہ تھے ان کی پشتو کی دو کتابیں، تذکرۃ الابرار و الاشرار اور مخزن الاسلام پہلی دفعہ یہیں دیکھیں''۔ حضرات نے کئی طرح کے کھانے پکائے ہوئے تھے۔ مدرسہ کے احاطہ کی دو مساجد ہیں۔ مدرسہ کے علماء سے ملاقات ہوئی۔ صبح کا ناشتہ باقی وفود کو تو مدرسے میں دیا گیا لیکن حضرت مولانا صاحبؒ اور خدام کو مع دیگر مشائخ کے حضرت شیخؒ کے کچے گھر میں دیا گیا۔ اس مکان میں حضرت شیخؒ کا ساری عمر ہجرت مدینہ سے پہلے قیام رہا۔ بعد نماز فجر ہم پہنچ گئے۔ اشراق تک حاضرین جہری ذکر میں مصروف رہے۔ بتایا گیا کہ مدینہ منورہ مدرسہ شرعیہ میں حضرت شیخؒ کے ہاں بھی اسی طرح بعد فجر تا اشراق ذکر جہری ہوتا ہے۔ یہ تقریباً ایک مہینے کا سفر اختتام پذیر ہوا اور پاکستان واپسی ہوئی۔

برطانیہ کا سفر

۲۰۰۵ء میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا برطانیہ کا سفر ہوا۔ خانقاہی نوعیت کے اس سفر میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے تین ہفتے وہاں گزارے۔ اس سفر کے واقعات میں ایک اہم واقعہ کا تذکرہ کر رہا ہوں جو قارئین کے لئے باعث فکر ہوگا۔ برمنگھم کے قیام کے دوران مغرب تا عشاء آپ کا بیان ہوا۔ اس کے بعد کچھ حضرات ملاقات کے لئے آپ کے میزبان ڈاکٹر سلیم صاحب کے گھر آ گئے۔ تقریباً ۶۵ سال کی عمر کے ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں قرآن سنا دوں۔ حضرت کے اجازت کے بعد انہوں نے بہت درد سے کچھ آیتوں کی تلاوت کی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک رجسٹر دکھایا جس میں انہوں نے قرآنِ مجید کی آیتیں خوشخطی سے لکھی ہوئی تھیں، ساتھ ترجمہ بھی لکھا ہوا تھا۔ فرمایا یہ میرا آج کل مشغلہ ہے۔ یہ صاحب بنیادی طور پر پاکستان کے رہنے والے تھے، ریاضی کے ریٹائرڈ پروفیسر تھے اور برطانیہ کے شہری ہو گئے تھے۔ انھوں نے حضرت سے عاجزانہ درخواست کی کہ آپ ہمارے گھر تک تشریف لے چلیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارا تو سارا پروگرام میزبان کے حوالے ہے، ان سے بات کریں۔ میزبان سے بات ہوئی، انہوں نے کہا کل مغرب کے بیان کے بعد آپ کے گھر آئیں گے۔

دوسرے دن جب حضرت کی حاضری ہوئی تو دیکھا کہ بہت اعلیٰ جگہ پر اچھا نفیس کروڑوں روپے کا مکان ہے جس میں کچن گارڈن یعنی گھر کی سبزیوں کا باغیچہ بھی تھا، ایسے ہی قسم ہا قسم کے پھولوں اور پھلوں کا باغیچہ، لیکن گھر بالکل خالی، صرف اہلیہ، وہ بھی پردہ میں تھیں۔ انھوں نے چائے بھیجی۔ محترم نے اپنے حالات بیان کرنا شروع کئے کہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے۔ بیٹا بڑا ہوا، اس نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر لی اور برطانیہ کے قانون کے مطابق علیحدہ ہو کر اپنی زندگی شروع کر دی۔ کہنے لگے اُس کا بیٹا پیدا ہوا، ہمیں خوشی ہوئی

اوراس کے گھر اپنے پوتے کو دیکھنے کے لئے پہنچے۔اس کی گھر والی نے چائے پلائی۔ کچھ دیر بعد کھانے کا وقت تھا۔ ہم دونوں بوڑھے بندے تھے بھوک لگ رہی تھی۔ اتنے میں ہماری بہو نے کہا What is your programme? (آپ کا کیا ارادہ ہے؟) ہمیں محسوس ہوا کہ یہاں کھانے اور مزید ٹھہرنے کی حالت نہیں ہے۔ گھر والی نے کہا کہ مجھے تو بھوک لگی ہے، الوداع کہو تا کہ باہر جا کر ہوٹل میں کھانا کھائیں۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ اس کے بعد ہم نے تہیہ کرلیا کہ بیٹے کے گھر کبھی نہیں جائیں گے۔ پروفیسر صاحب کی بیٹی کہاں چلی گئی؟ از راہِ حیا حضرت نے یہ سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بہر حال پروفیسر صاحب نے پریشان ہوکر کہا کہ غم اس بات کا ہے کہ ہماری موت کا کیا ہوگا؟

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کا خیال ہوا کہ انکی موت بعد مسلمان کی ملکیت یعنی پروفیسر صاحب کی کروڑوں کی جائیداد یا تو حکومتِ برطانیہ کو چلی جائے گی یا اس بیٹے بیٹی کو جو کہ پتہ نہیں مسلمان بھی ہیں یا نہیں۔ اگر مسلمان نہیں تو پھر تو مسلمان باپ کی جائیداد اُن کی میراث ہی نہیں کیونکہ یہ شرعی مسئلہ ہے کہ کافر اولاد مسلمان ماں باپ کی جائیداد کی وارث نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب نے پاکستان کے حالات، کرپشن اور رشوت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ پاکستان بھی رہنے کے قابل نہیں۔اور یہ باتیں بھی اپنے برطانیہ میں رہنے کو حق بجانب (Justify) کرنے کیلئے ان باتوں سے اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہے۔

یہ المیہ سارے مغربی ممالک میں ہے کہ اولاد والدین کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ یا تو مکمل حالت کفر میں ہو جاتی ہے یا حالت کفر میں نہ ہو تو وہاں کی شراب، منشیات اور بدکاری کی قباحتوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

دراصل انسان گوشت، ہڈی چمڑے کا نام نہیں ہے۔ انسان تو اس فکر، عقیدہ اور سوچ

کا نام ہے جو اس کے اندر ہے۔ تھوڑا عرصہ ماں کی گود میں گزارنے کے بعد اِرد گرد کا معاشرہ، نظامِ تعلیم اور ذرائع ابلاغ (Media) اس کی شخصیت کو بنا یا بگاڑ رہے ہوتے ہیں اور Roll and Mold کر رہے ہوتے ہیں۔ جب آدمی دسویں جماعت تک برطانوی یا کسی بھی غیر مسلم ملک کے نظام تعلیم سے گزر گیا تو اس کی شخصیت تو مکمل بن گئی اور انھوں نے اپنے طرزِ فکر اور اخلاق وعمل کے سانچے میں اس کو ڈھال دیا۔ اگر کسی نے بہت تیر مارا اور بیٹے کو مسجد میں ناظرہ قرآن پڑھا دیا تھا تو اس کو تو وہاں کے نظامِ تعلیم نے دھو کر صاف کر دیا۔ اب اس نوجوان کی سوچ اور طرز، ترجیحات اور مشاغل سب برطانوی ہیں۔ وہاں کے مقامی اہلِ علم اور تبلیغ والے حضرات کہتے ہیں کہ ایسے بچوں کو گھروں سے نہ نکالیں اور اپنے گھروں میں ان پر محنت کریں۔ اگر آدمی اپنے کفر پر جمارہا تو یہ تو آپ اپنے مالِ حلال سے کفر کو گھر پر پال رہے ہیں۔ اب جبکہ اس اولاد نے آپ کے بڑھاپے کا سہارا ابھی نہیں بننا اور آپ کو اُٹھا کر اولڈ ایج ہوم (بوڑھوں کے سرکاری گھروں) میں ڈال دینا ہے تو پھر آپ سوچ لیں کہ آپ کس طرف بڑھ رہے ہیں۔ انسان کتا بلی تو نہیں ہے کہ سب سے مشکل کام اولاد کو پیدا کرنا، پالنا، پڑھانا اور برسرِ روزگار کرنا ہے۔ پھر جب وہ بڑے ہو جائیں تو جس طرح کتے بلی کے بچے اپنی ماں کو کسی گلی کوچے میں سسک سسک کر مرنے کے لئے چھوڑ کر خود چلے جاتے ہیں یہ مغرب زدہ بچے بھی اپنے والدین کو بے سہارا چھوڑ دیں، کیا یہ بات قابلِ قبول ہوسکتی ہے اور کیا ایسا کرنا مبنی بر انصاف ہے؟ اور کیا آدمی اپنے سارے مال حال کو ایسی کافر اولاد کے لئے چھوڑ دے؟

اس پروفیسر صاحب کے بارے میں حضرت نے مقامی ساتھیوں سے کہا کہ ان سے کہیں کہ یہ اپنی جائیداد کسی مسلمانوں کی خدمت کرنے والے اِدارے کے لئے وقف کر دیں۔ لیکن یہ پابندی بھی حضرت نے لگائی کہ اس کے بعد ان دونوں کو بڑھاپے کے عالم

میں سنبھالنا آپ لوگوں کی ذمہ داری ہوگی۔

کافر ممالک میں اولاد کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ایک دفعہ جنوبی افریقہ کے بارے فرمایا کہ یہ ملک برطانیہ کے برابر ترقی یافتہ ملک ہے لیکن وہاں کے مسلمانوں نے اپنے سکول قائم کئے ہیں جن میں حکومتی قانون کو پورا کرنے کے لئے باسٹھ تریسٹھ سالہ استانیاں بھی رکھی ہوئی ہیں اور وہ بھی ایسی جو محتاط، متقی اور صالح ہیں۔ باقی پورا نظام اسلامی رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کے بچوں کی تربیت ایک مکمل اسلامی ماحول میں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کے بعض ساتھیوں اور متعلقین کے حالات کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے حکومت سے اجازت لے کر میٹرک تک تعلیم اپنے گھروں میں ٹیوٹرز کے ذریعے دینے کا بندوبست کیا ہے اور میٹرک کا امتحان پرائیویٹ دلاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو مقامی نظامِ تعلیم میں داخل کرتے ہیں فرمایا جن ممالک کے مسلمانوں نے اپنے تعلیمی نظام کا بندوبست نہ کیا تو ان نقصانات سے بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

ترکی کا سفر اور حالات

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کا ۲۰۱۶ء میں ایک سفر ترکی کا ہوا ہے۔سلطنت عثمانیہ کا مرکز ترکی جسے پورے چھ سو سال تک ایک مسلمان عالمی طاقتور ملک ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔سلطنت عثمانیہ کی ابتداء عثمان خان سے ہوئی تھی اور سلطان محمد فاتح ؒ کے زمانے میں اس نے اپنا عروج دکھایا تھا،حضرت ڈاکٹر صاحب کے سفر کے حالات شروع کرنے سے پہلے اسلامی تاریخ کے صفحات کے چند گم شدہ اوراق میں سے ترکی کے درخشندہ ماضی کے واقعات و حالات جو نئی نسل کے لئے مفید ہونگے لکھے جارہے ہیں۔

سلطنت عثمانیہ کی بنیاد عثمان نے رکھی تھی۔عثمان کے بہادر اور مجاہد بیٹوں اور آئندہ نسل نے ساری زندگی یورپ کے عیسائیوں کے خلاف جہاد میں گزاری۔چند ایک کو چھوڑ کر عثمانی نسل کے اکثر بادشاہوں نے شب بیداری،عدل پسندی،اور پرہیزگاری کی زندگی گزاری۔سلطان ارخان کے بڑے بھائی زہد و تقویٰ،بے غرضی اور تدبر میں اپنی مثال آپ تھے۔آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ینی چری (سلطنت عثمانیہ کی مشہور کمانڈو فوج) کا قیام تھا۔اس کی ترتیب یہ اختیار کی کہ عیسائی اسیرانِ جنگ میں جو لوگ مسلمان ہوگئے تھے ان میں دس بارہ سال کے قوی اور ہونہار لڑکوں کی ایک جماعت منتخب کرکے فوجی تربیت دی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ انھیں اسلامی علوم بھی سکھائے گئے۔اور پھر ان کو اپنے وقت ایک بڑے ولی اللہ حاجی بکتاش ؒ کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر کیا گیا۔حاجی صاحب ؒ نے ہی اس کا نام ینی چری رکھا۔سلطان ارخان اور اس کے بیٹے مراد نے تیس سال سے بھی زیادہ عرصہ عیسائیوں کے ساتھ جہاد میں گزار کر تھریس،مقدونیہ اور جنوبی بلغاریہ کی ریاستیں سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیں۔سلطان مراد کے بعد اس کے بیٹے بایزید یلدرم (بجلی کی کڑک) نے سرویا کو اپنا باج گزار بنایا اور کسوو کے جنگ میں عیسائیوں کو ذلت آمیز شکست

دی۔اس جنگ کے بعد عیسائیوں نے اس کے خلاف صلیبی اتحاد بنالیا ہنگری، اٹلی، آسٹریا، فرانس، پولینڈ جرمنی غیرہ سب ایک زبردست فوج ساتھ اکٹھے ہو گئے لیکن تین گھنٹے کے اندر اندر جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ ڈیڑھ لاکھ عیسائی مقتول ہوئے، سجسمنڈ بادشاہ ہنگری تو اپنی جان بچا کر بھاگ گیا لیکن فرانس، اٹلی، آسٹریا اور ہنگری کے بڑے بڑے شہزادے، نواب اور سپہ سالار قید ہوئے اور بعض میدان جنگ میں مارے گئے، جو فرمانراوں بچ گئے ان کو بایزید نے بھلا کہا تم نے ناحق حملہ کرنے کی تکلیف گوارا کی میں خود ہنگری، پولینڈ، آسٹریا، فرانس، جرمنی اور اٹلی کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہوں اور میرا ارادہ ہے کہ میں اٹلی کے شہر روم میں پہنچ کر سینٹ پیٹر کی قربان گاہ میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاوں۔ تم لوگوں سے اب تمھارے ملکوں میں ملاقات ہوگی اور میں بہت ہی زیادہ خوش ہونگا جب کہ تم لوگ پہلے زیادہ فوج اور تیاری کے ساتھ میرے مقابلے پر میدان میں آ ؤ گے۔ یہ کہہ کر بایزید نے ان تمام سرداروں کو رہا کر دیا۔ ادھر قسطنطنیہ کے قیصر کا حال پتلا ہو رہا تھا اس نے تیمور کو بایزید پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور پھر وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ دونوں فوجیں آپس میں ٹکرائی اور نتیجہ عالم اسلام کے لئے نقصان رسا ثابت ہوا اور یورپ جو اسلامی براعظم بننے والا تھا عیسائی براعظم رہ گیا۔ راقم الحروف (عزیز احمد) کا کلیجہ غم کی وجہ سے منہ کو آ رہا ہے اس لئے اس لڑائی کے واقعات کو لکھنے کی ہمت نہیں۔

بایزید یلدرم تیمور کی قید میں وفات پا گئے۔ آپ کے بعد آپکا بیٹا سلطان محمد اول تحت نشین ہوا انھوں نے فوج کو خوب منظّم کیا اس کے بعد سلطان مراد دوم بادشاہ بنا اس نے بھی عیسائیوں کے ایک بڑے اتحاد کو شکست دی جس کے نتیجے میں تمام سرویا اور بوسنیا ترکوں کے تسلط میں آ گئے۔ آپکی وفات کے بعد آپکا بیٹا سلطان محمد فاتح بادشاہ بنا۔ سلطان محمد فاتح نے جب اکیس سال کی عمر میں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں سنبھالی تو قیصر قسطنطنیہ نے اسے

بچہ سمجھ کر چیڑ چھاڑ شروع کر دی سلطان کو بھی قسطنطنیہ فتح کرنے کی خواہش بچپن ہی سے تھی۔اسی لئے اس نے قسطنطنیہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دی۔اب قیصر کی آنکھیں کھلیں اوراس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں جس کو روباہ (لومڑی) سمجھ رہا تھا وہ درحقیقت شیر ہے۔سلطان کے کمرے میں دنیا اور قسطنطنیہ کے بڑے بڑے نقشے آویزاں تھے جس کو بڑے غور سے دیکھتا تھا۔آپ نے مروجہ توپوں کو ناکافی سمجھ کر ہنگری کے ایک نومسلم انجینئر سے جسامت اور طاقت کے اعتبار سے بڑی بڑی توپیں بنوائیں جو تین سو کلو وزن کا گولہ ایک میل دور تک پھینک سکتی تھی۔قسطنطنیہ والوں نے بھی جنگ کی غیر معمولی تیاری کی تھی۔ سلطان محمد فاتح نے محاصرے کے لئے ایک سو اسی جہازوں کا بیڑا تیار کیا اس دوران وہ اپنے پیر و مرشد شیخ آقائے شمس الدینؒ اور آقا بنؒ سے بھی رابطے میں رہتا۔جب سب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو ۱۶ اپریل ۱۴۵۳ء (۲۶ ربیع الاول ۸۵۷ھ) کو عثمانی فوج نے ۲ لاکھ فوج کے ساتھ محاصرہ شروع کیا۔فوج میں علماء و مشائخ بھی ان کے ساتھ تھے۔شیخ شمس الدینؒ اور شیخ ببّنؒ بھی مجاہدین کے صفوں میں شامل ہو گئے سلطان محمد فاتحؒ نے اپنے ہیڈ کوارٹر پر پرچم لہرانے سے پہلے سجدے میں گر کر فتح کی دعائیں مانگی اس کے ساتھ اس کے مجاہدین نے بھی ایسا ہی کیا۔اب سلطان محمد مصلے سے اٹھا۔اللہ کا پرستار اب میدان جنگ کے شیر کی شکل میں حملہ کے لئے تیار تھا۔محاصرہ ترپن دن جاری رہا۔کوئی فصیل منہدم ہوتی تو عیسائی فوراً اسے مرمت کر دیتے۔اس کے علاوہ سلطان نے لکڑی کے اونچے اونچے مینار بنائے تھے جو فصیل شہر کے برابر تھے۔ان کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے جن کی وجہ سے باآسانی ان کو حرکت میں لا سکتے ہیں ان میناروں کے ساتھ ایک لمبی سیڑھی اوپر کے حصے سے بندھی ہوئی تھی۔جس کو خندق کے پار فصیل پر رکھ کر پل سا بنالیا جاتا تھا اور شہر کی دیوار پر اترنے کی کوشش کیجاتی۔لیکن عیسائی مٹی کے تیل کے جلتے ہوئے گولے لکڑی ان میناروں

پر پھینک کر ان میں آگ لگا دیتے۔

قسطنطنیہ کا شہر مثلث نما ہے جس کے دو حصے پانی میں گھرے ہوئے ہیں، بری فوج صرف خشکی کے راستے سے حملہ کر سکتی تھی۔لیکن اس جانب سے یکے بعد دیگرے تین مضبوط دیواریں بنی ہوئی تھیں اور ان کے بیچ میں ۶۰ فٹ چوڑی اور ۱۰۰ فٹ گہری خندق کھدی ہوئی تھی سمندر کی جانب شاخ زریں کے دہانے پر مضبوط آہنی زنجیر بندھی ہوئی تھی جس کے ہوتے ہوئے کوئی جہاز اندر نہ آ سکتا تھا اور جنگ کے دنوں میں اس کی حفاظت کے لئے ۸ بڑے اور ۲۰ چھوٹے جہاز پہرہ دے رہے تھے۔سلطان مسلسل آہ وزاری اور دعاؤں میں مصروف تھا۔لیکن سلطان دھن کا پکا تھا۔محاصرے کے دوران میں سلطان نے خشکی پر جہاز چلانے کا ایک ایسا دلچسپ، عجیب وغریب، نا قابل یقین اور اپنی قسم کا انوکھا کارنامہ سرانجام دیا جس پر زمانہ آج تک انگشت بدنداں ہے۔ایک ہی رات میں ۱۰ میل کے طویل راستے پر اس نے لکڑی کے تختے بچھا کر انھیں چربی سے چکنا کر کے ۷۰ جنگی کشتیاں خشکی پر چلا کر راہ میں حائل ہونے والے متعدد بلند و بالا ٹیلوں پر انھیں چڑھا کر صبح ہونے سے پہلے انہیں سمندر میں اتار دینا ایک ایسا کارنامہ تھا جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔سلطان کا بحری بیڑہ اس دوران دشمن کو مصروف رکھنے کے لئے مسلسل گولہ باری بھی کر رہا تھا۔صبح اٹھ کر جب انھوں نے فصیل سے نیچے نظر ڈالی تو ان کی حیرت اور خوف کی انتہا نہ رہی بے بس یونانیوں پر بالکل یہ مثل صادق آ رہی تھی ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔عثمانیوں کی نسبتاً ہلکے اور چھوٹے جہاز گولڈن ہارن کے وسط میں تیر رہے تھے جب کہ یونانیوں کے بڑے بڑے جہاز دور کھڑے حسرت اور بے بسی سے انھیں تک رہے تھے۔ان کے جہازوں کی خوبی خرابی میں تبدیل ہوگئی۔یہاں سمندر اتھل (کم گہرا) تھا اور یونانیوں کے جہاز بڑے ہونے کی وجہ سے اس میں آسانی سے حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

معرکے کی رات:

۲۰ جمادی الاولیٰ ۸۵۷ھ ۲۷ مئی ۱۴۵۳ء کو سلطان نے اعلان کر دیا کہ کل صبح نماز فجر کے بعد حملہ کر دیا جائے گا۔ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ آخری حملہ کی رات پوری ترک فوج اور خود سلطان رات بھر عبادت کرتے رہے۔ایک اور مؤرخ لکھتا ہے کہ رات کو عثمانی فوج کے تمام خیموں اور جہازوں میں روشنی کی گئی، ذکر کے حلقے منعقد ہوئے۔اور مجاہدین بلند آواز سے تہلیل وتکبیر میں مشغول رہے۔یعنی لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے رہے۔فجر کی نماز کے بعد عام حملہ کا حکم دیا گیا۔اور سلطان نے کہا کہ ان شاء اللہ صبح کی نماز آیا صوفیا کے کلیسا میں ادا کریں گے۔سلطان گھوڑے پر سوار قیادت کر رہا تھا بھاری توپیں چاروں طرف آگ کا سمندر اگل رہی تھی۔سارا ماحول دھویں کے بادلوں میں لپٹا ہوا تھا۔دونوں طرف جوش وخروش تھا کوئی بھی فریق ہمت ہارنے کو تیار نہ تھا۔آخری وقت آگیا جو آقا شمس الدینؒ نے مقرر کیا تھا لیکن اس وقت تک شہر فتح نہیں ہوا تھا، وزیر دوڑتا ہو سلطان کے پیر و مرشد شیخ شمس الدینؒ کے پاس آیا دیکھا کہ سجدے میں پڑے ہوئے دعا رکر رہے ہیں۔تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور کہا کہ فتح مبارک ہو اس وقت فصیل ٹھوٹ چکی تھی۔لشکر میں موجود ایک دوسرے بزرگ آغا حسنؒ جو اولیاء اللہ میں سے ابدال کے درجے پر تھے ۳۰ ساتھیوں سمیت ناقابل عبور سمجھی جانے والی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہوا۔اگرچہ وہ اور اس کے اٹھارہ ساتھی شہید ہو گئے لیکن انھوں نے دوسرے مجاہدین کے لئے اوپر چڑھنے کا راستہ ہموار کر دیا عثمانی لشکر قلعے پر ٹوٹ پڑا۔بادشاہ قسطنطین لڑتا ہوا مارا گیا۔اس کی موت کے ساتھ ۱۱ سو سالہ سلطنت روما کا خاتمہ ہو گیا۔

تو ہی کہ دے کہ درِ خیبر کو اکھاڑ ہ کس نے
شہر قیصر کا جو تھا اسے کیا سر کس نے
توڑے مخلوق کے خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دئے کفار کے لشکر کس نے

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ ''غزالی'' لکھتے میں ہیں کہ سلطان نے جوش میں آکر گھوڑا دوڑایا اور گرجے کے احاطے میں لوہے کہ ایک ستون پر تلوار ماری۔ تلوار ستون میں کھب گئی اس جگہ سلطان نے تاریخی جملہ بولا کہ،

فَدَیۡتُ مَدِیۡنَہ قَیۡصَر علیٰ مَدِیۡنَۃ رَسُوۡل ﷺ

(یعنی میں آج قیصر ''رومیوں کا بادشاہ'' کے شہر کو حضور ﷺ کے شہر پر قربان کر دیا) اور اعلان کیا کہ اس شہر کا سارا مال مدینہ پر خرچ ہوگا۔ اس سے پہلے عثمانیوں کا دارالخلافہ برسا (بروصہ) تھا فتح کے بعد قسطنطنیہ کو دارالخلافہ بنایا اور اس شہر کا نام سلطان نے تبدیل کر کے ''اسلام بول'' رکھا، جس کے معنی اسلام کی علامت یا اسلام کی نشانی ہے۔ ۸۸۳ھ ۱۴۵۹ء میں سرویا کو اپنی حکومت میں شامل کر دیا۔ اس کے بعد بوسنیا نے بھی عثمانی سلطنت، میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر لی اس کے بعد ۱۴۵۷ء میں سلطان نے یونان پر حملہ کر کے موریا اور ایتھنز پر تسلط قائم کیا۔ اٹلی کے مشہور شہر وینس پر حملہ کر کے اسے باجگزار بنا دیا۔ ۱۴۸۰ء میں اوٹرانٹو اٹلی کے ایک دوسرے شہر پر بھی قبضہ کر لیا مؤرخین لکھتے ہیں کہ اپنے عہد سلطنت میں بارہ سلطنتیں اور ریاستیں اور دو سو سے زیادہ شہر و قلعے فتح کر کے عثمانی سلطنت میں شامل کر لئے۔ اس کے وفات کے بادشاہوں میں اسکے پوتے سلطان سلیم نے ۱۵۱۲ء میں مصر شام، عرب مکہ اور مدینہ کو اپنے سلطنت میں شامل کر کے عباسیوں کی خلافت اپنے نام کر لی۔ عربوں نے اس کو خادم الحرمین شریفین کا خطاب دے دیا۔ سلیم کے بعد

سلطان سلیمان بادشاہ بنا جس کو مورخین نے سلیمان اعظم کا نام دیا اور نصف صدی تک حکومت کی۔اس نے بلغراد اور ہنگری کو فتح کر کے اپنی سلطنت کی حدود مراکش سے بغداد اور ہنگری سے عدن تک قائم کر لی۔تمام عثمانی سلاطین نماز روزے کے پابند تھے اسلامی احکام پر نہ صرف خود پابند تھے بلکہ اپنے رعایا کو پابند رکھا۔سلطان سلیمان کے عہد میں ترک باشاہوں اور فوج کا کیا حال تھا مورخ ہیرلڈلیم آسٹریا کے سفیر کا حال بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک ترک سپاہی کو راضی کیا کہ وہ مجھے اپنے خیمے سے جو ایک پہاڑی کی بندی پر تھا، سلطان (سلیمان اعظم) کے شامیانے کا منظر دیکھنے کا موقع دے۔میں صبح سویرے وہاں پہنچا میں نے وہاں نے ایک بڑا مجمع دیکھا، سارے لوگ عمامے باندھے ایک امام کی قیادت میں نماز ادا کر رہے تھے۔جماعت کی صفوں میں بڑا نظم وضبط تھا۔سلطان نے بھی برف کی طرح سفید عمامہ بندھا تھا۔کہیں کھانسی تک کی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ترکوں کا قول کہ جب بادشاہوں سے بات چیت کرنے میں ادب کوملحوظ رکھا جاتا ہےتو خدا کی عبادت میں جس قدر ادب وتعظیم ہوکم ہے۔سلطان سلیمان اعظم کے وفات کے بعد اسکے بیٹے سلطان سلیم کے زمانے میں سلطنت عثمانیہ رو بہ زوال ہوگئی۔جنگ عظیم کے بعد عالم کفر نے ترکی کی خلافت ختم کرنے کے لئے طویل المیعاد منصوبہ بندی کی ملت اسلامیہ کی بجائے نشنلزم اور خلافت کی بجائے جمہوریت پر لوگوں کو منظّم کرنا شروع کر دیا۔مصطفیٰ کمال، (برائے یاداشت: آئندہ میں صرف کمال نام لکھونگا) جس کی ماں یہودی تھی، اور وہ بدنام زمانہ یہودی تنظیم کا تربیت یافتہ تھا اس نے ترکی قوم کو جمع کر کے استعماری انگریزوں کیخلاف بظاہر جنگیں شروع کر دیں۔ترک علماء وطلباء اخلاص کے ساتھ اس جہاد میں شامل ہوئے۔اور جب دین دار طبقہ کو خوب لڑا کر انکا خاتمہ کر دیا تو اچانک انگریزوں نے اتاترک کا خطاب دے کر اقتدار کمال کے حوالہ کر دیا۔پارلیمنٹ میں برطانیہ کے لیڈر لائیڈ

جارج سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے اتنی جنگ کے بعد ترک قوم کو اقتدار کیوں دے دیا تو اس نے جواب دے دیا کہ تب دیا جب خلافت اور نظام شریعت کا خاتمہ کر دیا اور اقتدار ہمارے نمائندے کمال کو منتقل ہو گیا۔اس خبیث انسان نے ۱۹۲۴ء میں خلافت اور شریعت ختم کر کے جمہوریت کا اعلان کر دیا، اسلام بول کا نام بدل کر استنبول رکھ دیا، دارالخلافہ انقرہ منتقل کر دیا، عدالتوں سے فقہ کو ختم کر دیا، ترکی کا رسم الخط عربی سے ملتا جلتا تھا کو انگریزی میں تبدیل کیا گیا اذان و نماز کو عربی زبان میں ادا کرنے پر پابندی لگا کر ترکی زبان میں لازمی کر دیے گئے ۔اسلامی لباس اور داڑھی پر پابندی لگا دی۔ابتداء میں تو نماز پڑھنے پر بھی پابندی تھی لوگ اشاروں سے نماز پڑھتے تھے، عربی زبان، ٹوپی، اور حج عمرہ پر پابندی لگا دی نظریاتی علماء کو شہید یا نظر بند کیا گیا، مذہب کو ماضی کا ایک قصہ بنا دیا گیا۔(ہمارے ایک سابقہ صدر مشرف نے بھی کمال کو آئیڈیل قرار دیکر اس کے نظام کو لاگو کرنے کی کوشش کی تھی) اس ۷۰ سالہ جابرانہ لادینی، ماحول میں کئی نسلیں پروان چڑھی، اکثر لوگ کلمہ نماز بھول گئے۔عیسائی مشنریوں نے اسلام پر دھاوا بول دیا تھا۔یہ تصویر کا ایک رخ تھا اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے۔یہاں سے اہل تصوف نے اپنی محنت شروع کر دی۔محمود آفندی دامت فیوضہم نے ایک جگہ ۳۰ سال امامت کے فرائض انجام دئے ۱۸ سال تک کوئی مسجد میں نہ آیا شیخ خود ہی لوگوں کے گھر جاتے محلے والوں سے کہتے کہ میں ہر وقت مسجد میں ہوتا ہوں اگر کوئی کام پڑ جائے تو مجھے یاد رکھنا خادم کو ہر وقت اپنے ساتھ حاضر پاؤ گے۔اٹھارہ سال بعد انکی محنت اور دعائیں قبول ہوئی اور لوگ مسجد میں نماز کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ اور اس کے محنت کے نتیجے میں لوگوں نے نہ صرف نماز پڑھنی شروع کر دی بلکہ داڑھی رکھنا اور مسنون لباس پہننا شروع کر دی۔اس علاقے میں عیسائیوں کی چرچ تھی وہ اردگرد واقع تمام عمارات خرید کر عیسائی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے شیخ نے اپنے مریدین کو تاکید کی تھی

کہ اس پورے علاقے پر نظر رکھیں کوئی بھی مکان یا جائداد بکنے لگے تو اسے خریدنے میں پہل کریں۔ حضرت کی محنت اور قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ وہ عیسائی چرچ بند ہو گیا۔ اس وقت بدیع الزمان صاحب، سیعد نورسی صاحب، شیخ سلیمان پاشا صاحب، شیخ سکندر پاشا صاحب ان آندھیوں میں اسلام کا چراغ جلا رکھا ہے کرتے کرتے۔ جب ملک میں انتخابات ہوئے تو انتخابات میں سیکولر بری طرح ہار گئے اور عدنان میندرس کی پارٹی اقتدار میں آ گئی انھوں نے دس سال حکومت کی اور مساجد کو کھولا۔ سیکولر فوج نے ان سے جبری اقتدار چھین لیا۔ عدنان میندرس اور اسکی کابینہ کو پھانسی دی گئی۔ دوبارہ انتخابات ہوئے، پھر سیکولر ہار گئے ایک اور صاحب آ گئے انھوں نے بھی دس سال حکومت کی لیکن انھیں بھی زہر دے کر شہید کر دیا گیا اس کے بعد اس کے بعد ملک سیکولرازم کے کے فتنے میں ڈوب گیا یہاں تک ایک دردمند مسلمان دانشور نجم الدین اربکان نے انتہائی خفیہ طریقوں سے سکولوں اور کالجوں کے طلباء سالہا سال خفیہ تربیت کر کے ایک مضبوط گروہ کھڑا کر دیا۔ الیکشن ہوا، اربکان صاحب نے الیکشن جیتا لیکن فوج نے پھر مداخلت کر کے جبراً اقتدار لے لیا۔ اربکان کے ساتھیوں نے نئی منصوبہ بندی کی اور طیب اردوان کی قیادت میں پھر منظّم ہو گئے۔ اور الیکشن میں کامیاب ہو کر آہستہ آہستہ اسلامی اصلاحات کا نفاذ شروع کیا۔ لیکن فتح اللہ گولن نامی ایک دانشور نے جس کا ترکی کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک میں ایک عالمی نظام قائم ہے اور اپنے آپ ایک دینی سکالر کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کی تشریح ماڈرن بنیادوں پر صحابہ اور پہلے بزرگوں کی طرز سے کافی ہٹ کر ہے اور امریکہ کا منظورِ نظر ہے (اگر گولن اور اس کے تنظیم کے تمام حجابات اتار اکر اس کو بے نقاب کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسکے ڈانڈے امریکہ اور اسرائیل سے ملتے ہیں) اس کے نظام سے نکلے ہوئے کافی لوگ ترکی کی فوج، عدلیہ، انتظامیہ، پولیس اور دیگر شعبوں میں ہیں، غیروں کی ایماء پر ۱۵ جولائی

۲۰۱۶ء کو جب طیب اردوان دارالخلافہ سے دور ایک ساحلی شہر مرمریز میں چھٹیاں منانے گیا ہوا تھا، اس دوران فتح اللہ گولن کے ہم خیال فوجیوں نے بغاوت کردی۔ باغی فوج کا جس لیفٹیننٹ جنرل نے انقرہ میں اپنے ٹیم کے سامنے پروگرام واضح کیا کہ ہم اقتدار لے رہے ہیں اس کے ٹیم کے ایک کپتان نے پستول نکالا اور اسے شوٹ کردیا۔ ٹیم کے باقی لوگوں نے اس کپتان کو شہید کردیا۔ ادھر بیس کمانڈوز کے ہوٹل پہنچنے سے پہلے طیب اردوان نکل گیا ۔ یہ دونوں غیبی تائید ساری کامیابی کی بنیاد بنیں۔ اردوان نے موبائل فون سے ایک چینل کے ذریعے قوم سے خطاب کیا کہ اور اپیل کی کہ سب لوگ سڑکوں پر نکل آئیں اور بغاوت کامیاب نہ ہونے دیں۔ لوگ جوق در جوق نکل آئے ان میں شیخ آفندی نقش بندی بزرگ کے مرید، دین سے محبت کرنے والے لوگ یہاں تک کہ سیکولر لوگ بھی سڑکوں پر نکل آئے ٹینکوں پر چڑھ گئے اور باغیوں کو بے بس کردیا۔

سلطان محمد فاتح کے دیس میں:

ہمارے اکابر دیوبند نے ''خلافت عثمانیہ'' کی حمایت میں تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک ریشمی رومال کے عنوان سے تحریکیں چلائیں اور اِس وقت بھی جب ترکی سخت حالات سے گزر رہا ہے تو اسی تڑپ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو ترک دانا طیب اردوان کے اسلامی حکومت کے ساتھ اخلاقی تعاون پر آمادہ کیا۔

ترکی خانقاہی نظام کا ایک مضبوط مرکز بھی رہا ہے، کمال کے اقتدار میں آنے کے بعد یہ خانقاہی نظام کے بوریہ نشین ہی تھے جنھوں نے ترک نسل کے ایمانوں کی حفاظت کی اور انھیں اسلام پر ہی قائم رہنے دیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب ترکی کے خانقاہی نظام کے مطالعے اور طیب اردوان حکومت کے خلاف گولن تنظیم نے جو سازش کی اس کے دیکھنے کے

لئے ترکی تشریف لے گئے ترکی میں آپ کے ایک ماہ کا قیام بے حد مفید اور نتیجہ خیز رہا، ترکیوں نے بڑی محبت ،فراخ دلی اور مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا دو بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی آپ نے شرکت کی آپ نے ایک کانفرنس میں ''تعمیر شخصیت'' کے نام سے ایک مقالہ بھی پڑھا اس مقالہ کو انگریزی اور ترکی دونوں زبانوں میں ترجمہ کروا کے چھپوایا ہوا تھا۔۔تقریر سے پہلے صدر مجلس جو کہ ترکی کے پارلمنٹیرین تھے نے کہا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے مقالے کے بعد میں کیا تقریر کروں گا اور لوگ کیا سنیں گے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب چشتیہ سلسلے کے شیخ ہیں اور بیعت کا سلسلہ بھی چلا رہے ہیں اس پر انھوں نے کہا کہ میں بھی آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں پر اس کے لئے پاکستان آؤں گا، اور موبائل نمبر اور ای میل ایڈریس اپنے پاس نوٹ کیا۔ ایک مجلس میں ترک صدر طیب اردوان نے آپ کے مساعی کا بذات خود شکریہ بھی ادا کیا ۔ دوسرے کانفرنس میں آپ کے مرید ڈاکٹر مشتاق صاحب کی تقریر ہوئی، بہت مؤثر تھی اور نوجوانوں نے بہت لطف اٹھا کر سنی۔

اس کے بعد ایک اجلاس وزیر اعظم بن علی یلدرم کے ساتھ ہوا۔ وزیر اعظم نے خوب پر جوش تقریر کی جو اسلام اور ملک کے ساتھ محبت کی آئینہ دار تھی ۔ دوسرا اجلاس صدر مملکت جناب طیب اروان کے ساتھ ہوا۔ ان کی تقریر واقعی حیدر کی للکار (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) اور خالد کی یلغار (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کا نمونہ تھی ۔اسلام کی محبت اور ملک کی وفاداری اس سے ٹپکتی تھی۔

جامع مسجد سلطان سلیم کے مدرسے میں ایک بیان آپ نے اردو میں کیا جس کا ترجمہ طیب اردوان کے مشیر برائے مذہبی امور ڈاکٹر عمر فاروق صاحب عربی میں کرتے رہے۔ بیان کے بعد علما و طلبا نے گھیر لیا۔ کہ ہمیں حدیث کی اجازت دو۔ کچھ نے کہا کہ ہمیں

فقہ حنفی کی اجازت دو۔ آپ نے ان سے کہا کہ فقہ حنفی تو اجازت کی بجائے سیکھنے سے تعلق رکھتا ہے بلکہ ایک فقہ والوں کے لئے ضروری ہی نہیں کہ دوسرے فقہ پر عمل کریں۔

ترکوں کو اپنے ملک کے اولیاء اللہ کے ساتھ خاص وابستگی ہے۔ گزرے ہوئے اولیاء اللہ بڑی حیثیت کے علماء بھی تھے جن کی بڑی بڑی مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تھیں۔ ابھی تک یہ خوبصورت تعمیریں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں اور انہی میں یہ حضرات دفن ہیں۔ آپ حضرت شیخ بہرام رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہ بزرگ مولانا رومؒ سے ۱۰۰ سال بعد کے ہیں۔ ان کے خلیفہ اور شاگرد نے سلطان محمد فاتحؒ کی تربیت کی جنھوں نے قسطنطینیہ کو فتح کیا۔ ترک اس بات کو بڑے فخر سے کہتے تھے کہ سلطان محمد فاتحؒ جیسے افراد پیدا ہو سکتے ہیں اگر شیخ بہرامؒ جیسی تربیت کرنے والے مشائخ اور علماء ہوں۔ اس کے بعد ایک دوسرے بزرگ شیخ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے گئے۔ یہ بھی بہت خوبصورت جگہ تھی۔ تُرکی طلبا نے آپ کو بتایا کہ خبیث کمال نے اس مقدس جگہ کے ساتھ گانے بجانے والی اور گندی عورتوں کا مرکز بنایا تھا تاکہ یہاں کا تقدس پامال ہو جائے۔ پھر بتایا کہ مغرب کے وقت معزز آدمی اس جگہ پر ان گندی عورتوں کی وجہ سے نہیں آتا۔

کانفرنس کی اختتامی تقریب قونیہ میں تھی۔ قونیہ شہر سلجوقوں کا دارالخلافہ ہونے کے علاوہ حضرت مولانا جلال الدین روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ مزار ان کی اپنی خانقاہ میں ہی ہے۔ اس قبرستان میں کافی ساری قبریں ہیں جن میں خاص طور سے ان کے شاگرد حسام الدین چلپیؒ کا مزار ہے۔ مثنوی شریف حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص روحانی وجد اور شوق و مستی کے حال میں بولی ہے۔ اس کو حسام الدین صاحبؒ نے لکھا ہے۔ ایک مزار یعقوب زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ

جس زمانے میں مولانا رومؒ پر حالت جذب وصحو طاری تھی تو شیخ یعقوب زرکوبؒ کی دوکان کے پاس سے گزرے، یہ بزرگ چاندی سونے کے ورق ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کر بنایا کرتے تھے۔ صاحب دل تھے ساتھ اللہ اللہ بھی کرتے تھے۔ ان کا ذکر صرف زبانی نہیں تھا بلکہ سارے بدن کی رگیں اللہ اللہ کرتی تھیں۔ ایسا زندہ ذکر جب کوئی ایسا صاحبِ دل سنے جس پر حال صحو کا طاری ہو تو اس سے اپنے آپ کو قابو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پر حالتِ وارفتگی میں رقص طاری ہوا۔ یہ حال عارضی تھا۔ بعد میں ہوش و حواس بحال ہوئے۔ بغیر مدہوشی کے رقص درست چیز نہیں ہے، مزار کے باہر ایک فرضی قبر مولانا رومؒ کا غائبانہ شاگرد ہونے کی وجہ سے علامہ اقبال مرحوم کی بھی بنائی گئی ہے۔ مولانا رومؒ کے مزار سے کچھ دور جا کر ان کے شیخ جناب شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ عام طور سے کہتے ہیں کہ یہ بھی فرضی ہے کیونکہ بوقتِ شہادت شاہ شمس تبریزؒ کی لاش غائب ہو گئی تھی۔

حضرت فرماتے ہیں کہ مینارے اور محراب حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں نہیں ہوتے تھے۔ یہ بعد کی چیزیں ہیں جو مختلف انتظامی وجوہات کی بنا پر اختیار کی گئیں۔ پاکستان میں بعض میناروں پر تو اتنا خرچہ ہوا ہوتا ہے کہ اسراف اور تبذیر (بے موقع خرچ) کے گناہوں پر جو عذابوں کا تذکرہ آیا ہوا ہے ان کا سوچ کر انسان کانپ اٹھتا ہے ترکیہ میں یہ دیکھا کہ یہ گنبد کوئی اضافی چیز نہیں ہیں بلکہ مسجد کی ہی چھت ہیں لہٰذا اسراف وتبذیر کے زمرے میں نہیں آرہے۔ مسجدوں کی قالینیں اتنی نفیس تھیں کہ ہمارے ہاں پارلیمنٹ ہاؤس اور ایوان صدر میں نہیں ہوتی ہوں گی۔ مسجد میں داخلے کے دروازے پر ایک لوہے کے بکسے سے پلاسٹکی تھیلا لٹکتا نظر آرہا تھا۔ اس کو کھینچا تو جوتے رکھنے کے لئے لفافہ تھا۔ پیچھے سے دوسرا لفافہ بکس سے نکل آتا۔ اس لفافے میں جوتے رکھ کر اندر لے

جائے جاتے۔ جب باہر نکلتے تو دوسری طرف ایک خالی بکس ہوتا جس میں وہ استعمال شدہ لفافے ڈالنے ہوتے تھے۔ سڑک، گلی کوچہ، نالی، کسی جگہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی فالتو لفافے پڑے ہوں۔ ایسے ہی باقی فالتو چیزیں جیسے ٹھنڈے مشروبات کی خالی بوتلیں اور ڈبے کہیں بے جا نہیں پڑے ہوتے تھے۔ لوگ انہیں کچرے کے ڈبے (Dustbin) میں ڈالتے تھے۔ جس طرح یہاں پیپسی اور کوکا کولا عام پیا جاتا ہے، ترکی میں اس کے مقابلے میں لسی کا رواج ہے۔

پاکستان والوں کے ساتھ تو تُرکوں کی خاص محبت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تُرکی میں تصوف کا غالب سلسلہ نقشبندیہ ہے اور اکثریت اسی سلسلے میں بیعت ہے۔ اس سلسلے کے اہم شیخ جناب حضرت محمود آفندی صاحب تقریباً سو سال کی عمر میں ابھی بھی زندہ ہیں۔ تُرکی کے علاقے میں نقشبندیہ سلسلہ شیخ خالد کُرد رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے پہنچا ہے جو ہمارے بزرگ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ اسی رشتے سے تُرک لوگ پاکستانیوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ ایک ساتھی نے کسی تُرک سے کہا کہ پاکستان اور ترکی آپس میں دوست ہیں۔ اس نے کہا: ''ایسے نہ کہو! ہم آپس میں بھائی ہیں۔''

استنبول میں ۲۸ صحابہ کرامؓ کے مزارات کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے زمانے میں جو لشکر قسطنطینیہ کی فتح کے لئے آیا تھا اس لشکر کے ساتھ آئے ہوئے تھے، ابوایوب انصاریؓ بھی ان کے ساتھ تھے ان کے مزار پر بھی حاضری ہوئی۔

اس کے بعد توپ کاپے عجائب گھر گئے۔ یہ عجائب گھر عثمانی خلفا کا رہائشی محل تھا جسے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ بہت کھلی اور فراخ عمارت تھی جس کی تعمیر انتہائی اعلیٰ لیکن سادہ تھی۔ اس عجائب گھر میں صحابۂ کرامؓ اور حضور اقدس ﷺ کی تلواریں، ابراہیم علیہ

السلام کی پگڑی مبارک، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضور اقدس ﷺ کا عصا، آپ ﷺ کے بال مبارک اور دندان مبارک جو احد میں شہید ہو گئے تھے، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قمیص مبارک اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا کرتا مبارک، ایک پتھر پر تراشہ ہوا آپ ﷺ کا نقشِ پا مبارک، آپ ﷺ کے زیر استعمال پیالہ مبارک، بیت اللہ شریف کا دروازہ اور دروازے کے دو تین تالے اور دو پرانے پرنالے، حجر اسود جس حلقے میں جوڑ کر بیت اللہ شریف میں لگایا جاتا ہے وہ حلقہ، یہ سب ایک احاطے میں تھے۔ اس احاطے میں دن رات ایک قاری مسلسل تلاوت کرتا رہتا ہے۔

گرجا تو واقعی عثمانی ترکوں سے ایک ہزار سال پہلے کی تعمیر لیکن شان و شوکت میں عثمانیوں کی ہم پلہ۔ چونکہ یہ شرعی مسئلہ ہے کہ جس شہر کے لوگوں نے اسلام کی دعوت نہ مانی ہو اور جنگ کی ہو ان کی ساری املاک اور تعمیرات اسلام کی ملکیت ہو جاتی ہیں۔ اس لئے فتح کے بعد سلطان محمد فاتح نے اسے مسجد بنایا جس میں قبلہ رخ محراب بنایا گیا اور ایک منبر بنایا گیا۔ عیسائیوں کی بنائی ہوئی مورتیوں پر چونے کا پلستر کر کے انہیں چھپا دیا گیا۔ کمال کے انقلاب میں جہاں اور قباحتیں کی گئیں وہاں ایک قباحت یہ بھی کی گئی کہ اس میں نماز بند کر دی گئی، اور مسجد کو دوبارہ گرجا بنانے کی ہمت تو نہ کر سکا البتہ اسے میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا۔ چونے کا پلستر ہٹا کر مورتیوں اور بتوں کو بحال کر دیا گیا۔ بتوں میں مریم علیہا السلام کا بت، عیسیٰ علیہ السلام کا بت، کسی عیسائی بادشاہ کا بت اور جبرائیل علیہ السلام کا بت انتہائی اونچائی پر چھت کے گنبدوں پر بنائے گئے ہیں۔ چاروں ستونوں پر خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کتبوں پر لکھے گئے ہیں جو اب بھی موجود ہیں۔ طیب اُروان کی حکومت نے رمضان میں ایک جمعہ یہاں پڑھ لیا تھا جس پر یورپ نے باقاعدہ احتجاج کیا۔ ترانوے سال بعد اس مسجد میں دوبارہ نمازِ با جماعت باقاعدہ شروع ہو گئی ہے۔

اس کے قریب سلطان احمد کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ چونکہ سرامک کا کام آج سے پانچ سو سال پہلے تُرکوں نے شروع کردیا تھا اس لئے اس میں نیلے رنگ کی خوصورت ٹائلیں لگی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے اسے نیلی مسجد(Blue Mosque) بھی کہتے ہیں۔ یہ مسجد سلطان نے اس نیت سے بنائی تھی کہ اس کی شان ودبدبہ آیاصوفیا سے بڑھ کر ہونا چاہیے۔ واقعی اس مسجد کا ہال آیاصوفیا کے ہال سے دوگنا ہے۔ سلطان نے اس مسجد کے سونے کے مینار بنانے کا کہا تھا۔ تُرکی زبان میں سونے کے لئے لفظ Atin بولا جاتا ہے جبکہ ترکی میں Alti کا مطلب چھے ہوتا ہے۔ معمار سنان نے سوچا کہ سونے کے مینار بنانے سے تو خزانہ ہی خالی ہوجائے گا۔ اس نے سونے کے مینار بنانے کی بجائے چھے مینار بنالئے۔ جب بادشاہ نے بازپرس کی تو اس نے معصومانہ انداز میں جواب دیا کہ میں آپ کے حکم کا مطلب سونا نہیں بلکہ چھے سمجھا تھا۔

عثمانی دور کی ساری تعمیرات ان کے معمار (Architect) سنان کی تعمیر کردہ ہیں۔ معمار سنان اپنی مہارت میں تاریخ عالم کا مانا ہوا معمار (Architect) ہے۔ سنہ چودہ سو نوے میں اناطولیہ کے شہر قیصریہ میں پیدا ہوا۔ عیسائی نام جوزف تھا۔ دوران تعلیم مسلمان ہوا اور سنان نام رکھا گیا۔ ٹیکنکل تعلیم کے بعد فوج میں انجینئر بھرتی ہوا۔ جلد ہی آغا کا اعزاز پایا۔ ملازمت کے دورانئے میں پل، سڑکیں اور واٹر سپلائی لائینوں کی تعمیر کا وسیع تجربہ حاصل کیا۔ پچاس سال کی عمر میں Cheif Royal Architect (صدر معمار برائے خلافتِ عثمانیہ) مقرر ہوا۔ اس کی یادگار تعمیریں تین سو ساٹھ ہیں جو اس دور سے لے کر آج تک پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ نے ہندوستان کا سفر کیا ہے اور مغلوں کی تعمیریں دیکھی ہیں۔ مغلوں کی شان وشوکت کو دس گنا بڑھائیں تب ہی عثمانیوں کی برابری کرسکتی ہے۔ اس کی تعمیرات میں شہر ادرنہ کی مسجد سلیمیہ اور اسلامبول (استنبول)

کی مسجد سلیمانیہ یادگار ہیں۔ تاج محل آگرہ کا ڈیزائن بھی سنان کے شاگردوں نے کیا ہے۔

اس ڈیزائن کے

شکریہ میں شاہجہان بادشاہ نے اس وقت کے عثمانی خلیفہ کو گینڈے کی کھال کی ایک یادگار ڈھال بھیجی اور کہا کہ اس ڈھال کو تلوار نہیں کاٹ سکتی۔ سلطان مراد نے ترکش میں تیر ڈال کر ڈھال پر پھینکا تو تیر ڈھال کو سوراخ کر کے پار ہو گیا۔ واقعی سلطان مراد کی قوتِ بازو کا جواب نہیں تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک عالم نے ایک پرانے کتب خانے (Library) کا معائنہ کروایا جس میں نایاب کتابیں تھیں۔ دل بہت خوش ہوا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور مولانا ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اس میں موجود تھیں۔ تُرک علما حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اعلاء السنن'' کی بہت قدر کرتے ہیں۔ یہ لائبریری بھی کسی بزرگ کی خانقاہ تھی جو پرانے دور کے تراشے ہوئے پتھروں سے بہت ہی خوبصورت بنی ہوئی تھی۔

سلطان محمد فاتح کے مزار اور مسجد کی زیارت کی اور ان کو ایصالِ ثواب کیا۔ یہی وہ عظیم شخصیت ہیں جنھوں نے استنبول فتح کر کے اس کا نام ''اسلامبول'' یعنی اسلام کی علامت رکھا، جسے بعد میں کمال نے مسلمانوں کی نشانیاں مٹانے کے لئے استنبول کر دیا۔

(ماخوذ مجلسی ملفوظات از ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ، غزالی، سلطان محمد فاتح، عثمانی ترکوں کی تاریخ، تاریخ اسلام)

جنوبی افریقہ کے سفر

آپ کے تین سفر جنوبی افریقہ کے ہو چکے ہیں۔ وہاں سلسلے کے منتظم جنوبی افریقہ کے ہیلتھ ڈائرکٹر ڈاکٹر گستاسپ صاحب ہیں۔ وہاں ایک شہر فورٹ بیوفورٹ میں آپ کے مریدیں آپکے نام سے موسوم ایک مسجد بھی بنائی ہے۔

ملائشیا کا سفر

۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء کو آپ کا ایک خانقاہی سفر ملائشیا کے ساتھیوں کے تقاضے پر ہوا۔ آپ کا قیام جوہر بہارو صوبے کے مرکزی مقام جوہر کی یونیورسٹی ٹیکنالوجی ملائشیا (UTM) میں رہا۔ رقبے کے لحاظ سے یہ ہماری چار یونیورسٹیوں (پشاور، ایگریکلچر، انجینئرنگ، اسلامیہ کالج) سے چار گنا بڑی ہے۔

یونیورسٹی کے اندر تین بیان ہوئے۔ایک یونیورسٹی کی جامع مسجد میں اردو میں ہوا۔ ایک طلبا کے ہاسٹل میں ہوا جو ملائشیا والوں کی وجہ سے انگریزی میں ہوا۔آپ نے فرمایا کہ پی ایچ ڈی کے طلبا کا ایک رہائشی علاقہ ہے جس میں شادی شدہ حضرات اپنے خاندان سمیت رہتے ہیں۔اسی احاطہ میں طالبات کے ہاسٹل بھی ہیں۔طالبات کے ہاسٹل کا کوئی گیٹ نہیں ہے اور کوئی سیکورٹی یا چوکیدار وغیرہ نہیں ہے۔دس دنوں کے قیام میں کسی مرد طالب علم کو اس طرف پھرتے پھراتے، آتے جاتے نہیں دیکھا۔پوری یونیورسٹی میں کسی جگہ لڑکے لڑکیوں کی اکٹھی ٹولیاں اور ہنسی مذاق، یا اس قسم کے لباس جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ لباس کی نمائش (DressShow) کر رہے ہیں، نظر نہیں آئے۔اس کی وجہ یہ نظر آئی کہ پڑھائی اور کلاسوں کا نظام باقاعدہ اور مستحکم (Strict) ہے۔اسی طرح امتحان کا نظام نقل، سفارش اور ہر قسم کی مداخلت سے پاک ہے۔طلبا کی رہائشی کالونی میں پاکستانی، سوڈانی، یمنی اور ملائشیا کے طلبا رہائش پذیر تھے۔عورتیں بہت ہی کم باہر نکلتی تھیں اور جو ضرورت کے تحت باہر نکلتی بھی تھیں تو ان کا پورا پردہ ہوتا تھا۔

مساجد بہت بہترین اور خوبصورت بنائی گئی ہیں۔علاقے کے لئے ایک بڑی جامع مسجد ہوتی ہے جس کا ماہوار بجٹ تین لاکھ رنگٹ تک ہوتا ہے۔رنگٹ ان کا سکہ ہے جو تقریباً

ہمارے پچیس روپے کے برابر ہے۔ جامع مسجد کے سات امام ہوتے ہیں، مؤذن، خادم، چوکیدار اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ تعمیر اور انتظام کے سارے اخراجات حکومت ادا کرتی ہے۔

خطیب کے لئے خطبہ سرکاری لکھا ہوا آتا ہے لیکن یہ خطبہ عقائد، اعمال کے لحاظ سے بالکل صحیح اور معیاری ہوتا ہے اور مفید اصلاحی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ سارا ملک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہے۔ فرقہ واریت بالکل نہیں ہے۔ سات دنوں میں چھ بیان ہوئے۔ دو بیان بھائی گان کے لئے پشتو میں ہوئے۔ بھائی گان بونیر کے پٹھانوں کو کہتے ہیں جن کی کافی تعداد مختلف قسم کے کام کرنے کے لئے وہاں گئی ہوئی ہے۔ اس میں ہمارے بونیر والے بھائی گان کا بھی کمال ہے کہ یہاں پشاور میں ان کے خلاف جتنے لطیفے بھی بولے جائیں ملائشیا میں انھوں نے محنت، دیانتداری اور حیاء سے کام کیا ہے جس کے ذریعے پاکستان کے لئے بھی شہرت کمائی ہے اور خود ان کے لئے بھی اچھی فضا بنی ہے۔ چنانچہ ایک الیکشن کے بعد جب ان کے ایک صوبہ سنگاپور میں مسلمانوں کی اکثریت نہ رہی تو یہ صوبہ ان سے علیحدہ ہوگیا۔ اس سے سبق لیتے ہوئے مہاتیر نے بونیر والوں کو ان کے ایک مَلک کے ذریعے ایک دوسرے صوبے میں کافی تعداد میں لاکر شہریت دے کر بسایا جس کے نتیجے میں اس صوبے کی مسلم اکثریت بحال ہوئی اور علیحدگی کا خطرہ ٹل گیا۔

پاکستانی طلبا نے بتایا کہ شروع شروع میں اس یونیورسٹی میں آنے والے پی ایچ ڈی طلبا میں سب سے زیادہ تعداد ایرانیوں کی تھی۔ انھوں نے اپنی مذہبی اور نظریاتی تبلیغ شروع کردی اور کچھ عرصے کے بعد امام بارہ بنانے کا مطالبہ کر دیا۔ اس ملک میں اہل تشیع بالکل نہیں ہیں لہٰذا انتظامیہ نے جواب دیا کہ اگر آپ کا ملک اسلامی جمہوریہ ایران ہے اور آپ مسلمان ہیں تو ہماری مسجدوں میں آئیں۔ مسجد کے علاوہ کسی دوسری دینی عبادت گاہ کا یہاں تصور نہیں ہے۔ اس کے بعد ساری مسجدوں کے خطیبوں کو مسلسل چار جمعوں کے خطبے شیعہ

عقائد کو بیان کرنے کے لئے بھیجے گئے۔اس کے ردعمل میں ایک اہم اور صالح عالم شہید کر دیئے گئے۔اسی اثنا میں طلبا کے ہاسٹل کی مسجد جس میں شیعہ طلبا بھی رہائش پذیر تھے کے بجلی کے کنکشن کاٹ دیئے گئے۔ان باتوں کے ردعمل میں حکومت نے فیصلہ کرلیا کہ نئے شیعہ طلبا کو پی ایچ ڈی کے لئے بالکل نہیں لیا جائے گا۔بتا رہے تھے کہ جو ایرانی طلبا پہلے آ گئے تھے ان میں سے تین چار کے سوا باقی فارغ ہو کر چلے گئے ہیں۔

نقش درویش

ماہنامہ غزالی:

تحریر فیض رسانی کا ایک مستقل اور دیرپا ذریعہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کی جو فکر تشکیل پاتی ہے اور جو نظریہ بنتا ہے وہ انتہائی پختہ اور شعوری ہوتا ہے۔اس اہمیت کے پیش نظر ہمارے اکابر نے ہر دور میں تحریری سرمائے کو خاص اہمیت دی ہے۔اور اپنے افادات اور فیوضات کو شائع کرانے کا خوب اہتمام کیا ہے۔اصلاحی سلاسل میں رسائل کی اشاعت کا تعامل بھی کافی پرانا ہے۔ ہمارے شیخ الشیخ مولانا اشرف ''البیان'' کے نام ایک رسالہ شائع فرماتے تھے جس کا اسلوب ٹھوس علمی و تحقیقی تھا۔حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد جب حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے آپکی جملہ اصلاحی ترتیبات کو قائم ودائم رکھنے کا عزم کیا تو اس میں یہ بھی پیش نظر تھا کہ اس طرز کا ایک رسالہ جاری کروایا جائے لہٰذا ۲۰۰۲ء میں بنام خدا ''غزالی'' کے نام سے ''خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ'' پشاور کے ترجمان کے طور پر ایک رسالہ کا اجراء کیا جو کہ سنجیدہ طبقے میں پڑھا جاتا ہے۔اس رسالہ نے عام فہم اور سادہ انداز میں اپنے قارئین کے دلوں میں ایمان کی جڑیں مضبوط کرنے اور صحیح دینی شعور وفہم پیدا کیا، قارئین کی ذہن سازی، دین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی اور لوگوں کی صحیح رہنمائی میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔غزالی کے مشمولات میں افادۂ عام کے لئے آسان، سہل اور بنیادی دینی معلومات کے حامل مضامین کے علاوہ اصلاح نفس کے لئے کافی شافی مواد پایا جاتا ہے اس میں روح رواں کی حیثیت خود حضرت ڈاکٹر صاحب کی تحریرات کو حاصل ہے جن میں حضرت کے مجلسی ملفوظات، جمعہ کے خطبات اور اصلاحی بیانات کے علاوہ آپ کی قلمی تحریروں کا بھی اچھا خاصہ حصہ چھپتا ہے،آپ اپنے تحریروں میں اصلاحی اور دینی مضامین کے علاوہ معاشرتی، سماجی، اور سیاسی مسائل پر بھی جاندار تجزیے لکھتے ہیں جس میں فرد،

خاندان، معاشرے اور ریاست کو درپیش مسائل کی درست تشخیص اور علاج و مداوا کا کافی سامان موجود ہوتا ہے سینکڑوں لوگوں کی زندگیاں اس رسالہ کی برکت سے تبدیل ہوئیں اس رسالہ میں چھپنے والے آپ کے افادات کو اب مجموعوں کی صورت میں لانے کا کام بھی شروع ہو چکا ہے جس میں آپکے تحریرات کا ایک مجموعہ بنام ''نقش درویش'' مولانا طفیل صاحب نے مرتب کر کے شائع کر دیا ہے جبکہ آپ کے بیانات اور ملفوظات کے مجموعے بھی زیر ترتیب ہیں۔

ماہنامہ غزالی سے چند منتخب تحریریں:

آپ کی بے لاگ تنقید، حق گوئی، بے باک و نڈر مگر شائستہ، سنجیدہ اور پر خلوص تحریروں نے مسلمان معاشرہ کے اندر پیدا ہونے والی خرابیوں، مغربی تہذیبی اور ثقافتی یلغار کی روک تھام، اسلام دشمن تحریکوں اور حکومت وقت کی غلط پالیسیوں کی نشاندہی بھی کی اور ان کے حل کی راہ بھی دکھائی۔

سلمان رشدی کی کتابیں اور پشاور یونیورسٹی:

پچھلے دنوں عجیب واقعہ پشاور یونیورسٹی میں رونما ہو گیا کہ بدنام زمانہ، ملعون اور توہین رسالت جیسے گھناؤنے جرم کے مرتکب سلمان رُشدی کی دو کتابوں کو ایم اے انگلش کے نصاب میں شامل کیا۔ یہ تحریک انگلش ڈیپارٹمنٹ کے چئیر مین مجیب الرحمٰن کی طرف سے ہوئی جسے اکیڈیمک کونسل نے ابتدائی میٹنگ میں منظور کر لیا۔ یہ ساری بات ریکارڈ پر موجود ہے اور اخبار والوں کے پاس بھی اُس نوٹیفیکیشن کی نقل ہے۔ غیور مسلمانوں اور پٹھانوں کا یہ صوبہ ابھی مرا نہیں۔ سخت ردعمل ہوا اور یونیورسٹی والوں کو اپنے بے وقوفانہ فیصلے سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

یہ تحریر بندہ ایک اور وجہ سے لکھ رہا ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ بندہ کے ایک مرید مرتضیٰ کا دو ایسے آدمیوں سے سابقہ پڑا کہ اس مسئلے میں ان کا استدلال عجیب تھا۔ ایک تو جیو ٹیلیویژن کے ایک کارکن شاہ عبدالصبوح سید کاظمی ہیں۔ انہوں نے مرتضیٰ صاحب سے کہا کہ درسِ نظامی میں وفاق کی طرف سے ایک کتاب دیوانِ متنبّی شامل ہے جب کہ متنبّی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ بندہ نے اہل علم سے معلومات کروائیں تو پتہ چلا کہ واقعی متنبّی کچھ عرصہ دماغی مریض رہا جس میں اس سے نبوت کا دعویٰ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے اسے جیل میں ڈالا گیا، لیکن بعد میں جب اسے شفا ہوئی تو اپنی غلطی سے توبہ تائب ہوا۔

دوسرے ایک مفتی صاحب اشفاق جو حیات آباد مارکیٹ میں پراپرٹی ڈیلر ہیں اور ایک مسجد میں جمعہ پڑھاتے ہیں، انہوں نے مرتضیٰ سے کہا کہ جو کتابیں شامل کی گئی ہیں آیا وہ فنون کی ہیں یا عقائد کی۔ مرتضیٰ صاحب تو ایک سیدھا سادہ مسلمان ہے۔ اس نے یہ ٹیکنیکل بات مجھ سے پوچھی۔ ان دونوں حضرات کے تبصرے سے یہ اندازہ ہوا کہ شاید کچھ ناپختہ علما کو بلا کر یونیورسٹی والوں نے یہ پٹی پڑھائی ہے۔ بہرحال ان دو آدمیوں کے استدلال پر بندہ کو بہت افسوس ہوا۔

بندہ پشاور یونیورسٹی کی ایم فل اور پی ایچ ڈی کی میٹنگوں میں خیبر میڈیکل کالج کا نمائندہ رہا ہے۔ اس اثنا میں ایسے پروفیسروں سے واسطہ آتا رہا ہے کہ انہوں نے مختلف ناموں سے گروہ بنائے ہوئے ہیں اور برملا اسلام اور آئینِ پاکستان کے خلاف باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کلاسوں میں ان کی طلبا کے ساتھ تو تو میں میں بھی ہو جاتی ہے۔ یونیورسٹیوں میں ان عناصر کا بروقت بندوبست ہونا چاہیے اور ان کو پاکستان کی اساس کے خلاف کام کرنے سے روکنا چاہیے۔

تہوار:

تہوار ایسی تقریب کو کہتے ہیں جسے کوئی قوم اجتماعی طور سے منائے۔ ہر وہ کام جو اجتماعیت پیدا کرتا ہو اور اس کے لئے قوم کی ایک کثیر تعداد جمع ہو کر اجتماع کرتی ہو۔ یہ چیز اس قوم کو دبدبہ، غلبہ اور برتری عطا کرتی ہے۔ تہوار بعض اوقات مذہبی ہوتے ہیں جس کا تعلق اس قوم کے، مذہب عقائد اور اعمال سے ہوتا ہے۔ بعض موسمی یا تاریخی واقعات کی یادگاریں ہوتے ہیں۔ بہرحال تہوار کچھ بھی ہوں اوپر بیان کئے گئے اثرات ان کے ساتھ متعلق ہیں۔ اس لئے کسی قوم، مذہب اور طبقہ کے تہوار میں شامل ہونا ان کے دبدبہ، غلبہ اور برتری میں اضافہ کر کے اپنے دبدبہ، غلبہ اور برتری کو نقصان پہنچانا ہے۔ جہاں تک مذہبی تہوارں کا تعلق ہے اس میں مسلمان کے لئے کفار کے تہواروں میں شامل ہونا گویا ان کے باطل مذہب اور باطل عقائد کی تائید کرنا ہے جو کبھی حرام اور کبھی صلبِ ایمان یعنی ایمان کے ختم ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ ایک اللہ والے بزرگ جو معاشرے میں نیک مشہور تھے وفات پا گئے۔ وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ بہت اعلیٰ لباس پہنے ہوئے ہیں لیکن ہونٹوں پر ایک سانپ بیٹھا ہے جو ان کو ڈس رہا ہے۔ خواب دیکھنے والے کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ کے حالات تو جنت کے نظر آرہے ہیں لیکن یہ سانپ ڈس رہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک دن میں گزر رہا تھا اور ہندو اپنی ہولی کی رسم میں مصروف تھے۔ اس رسم میں سرخ رنگ پچکاریوں (سرنجز) میں بھر بھر کر ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں۔ میں پان کھا رہا تھا، میں نے پان کا سرخ تھوک ایک گدھے پر پھینکتے ہوئے کہا کہ چل تیری بھی ہولی ہوگئی۔ اتنی دیر کی ہولی کی شمولیت اس عذاب کی بنیاد بن گئی۔

آجکل مختلف قوموں کے تہوار ہماری قوم کے افراد منا رہے ہیں، خاص طور سے بیوقوف سیاستدان جو اتفاقاً حکومتی عہدوں پر بھی براجمان ہیں ان میں شامل ہوتے ہیں۔

یہ اپنی بیوقوفی کا ثبوت دینے کے علاوہ دوسری قوم کی برتری اور غلبے کو تقویت دے کر اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہی چیزیں بالآخر قوموں کے زوال کا باعث بنتی ہیں۔ اگر بروقت ان باتوں کو سمجھ کر ان کا خیال نہ کیا جائے تو حالات ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ پھر رونا پیٹنا کچھ مفید نہیں ہوتا۔

مرکزی حکومت اور سندھ کی صوبائی حکومت کی توجہ کے لئے:

آج کا اسلام اخبار سامنے رکھا تو دو خبروں نے بہت متوجہ کیا۔ ایک سندھ حکومت کا متنازعہ بل اور دوسری وزیر اعظم کا اعلان جس میں قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبۂ فزکس کو مشہور قادیانی ڈاکٹر عبد السلام کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ہمارا رسالہ سیاسی امور کی بجائے اصلاحِ نفس اور فکرِ آخرت، اور دوزخ سے بچنے اور جنت میں جانے کی فکر پر ہے۔ لیکن ان دونوں خبروں کا سیاست سے زیادہ آخرت کے ساتھ تعلق ہے۔ چنانچہ پہلے دور میں ایوب خان نے اپنی ڈکٹیٹر شپ کے زور سے عائلی قوانین نافذ کر دئے تھے جس کی کچھ شقیں واضح طور سے چاروں مذاہب کی ترتیب سے ٹکرا رہی تھیں۔ ہمارے بزرگ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایوب خان کی موت کے بعد فرمایا کہ ایوب خان خواب میں نظر آیا، کہہ رہا تھا عائلی قوانین کی وجہ سے آگ میں جل رہا ہوں۔ یہ تو رہی آخرت۔ دنیا میں بھی ان قوانین کے پاس کرنے کے بعد اس کی حیثیت گری یہاں تک کہ اسے حسرت و ذلت کے ساتھ اقتدار چھوڑنا پڑا۔

جو اسمبلی بھی قرآن و حدیث کے واضح احکامات کے خلاف قانون پاس کرلے اس کے ووٹ دینے والے ممبر کافر ہو جاتے ہیں، ان کی بیویاں طلاق ہو جاتی ہیں اور اس حرکت

کی وجہ سے وہ اسمبلی کی رکنیت کے اہل نہیں رہتے۔ اس موقع پر اگر دینی جماعتوں نے بھرپور احتجاج کر کے اس کو نہ روکا تو یہ بھی اپنی حیثیت کھو بیٹھیں گے اور عوام کو یہ تأثر ہوگا کہ ان دینی پارٹیوں کے نزدیک جمہوریت اور اقتدار سے چمٹے رہنا اسلام سے زیادہ محبوب ہے۔ اور اگر عوام نے احتجاج کا ساتھ نہ دیا تو یہ ملک کے بنیادی نظریے سے ہی غداری ہوگی اور ایسے لوگوں پر اللہ کا عذاب اس طرح آتا ہے جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغلوں سے حکومت چھین کر انگریزوں کے حوالے کر دی۔ (بعد کی خبروں میں یہ بات سامنے آئی کہ سندھ اسمبلی نے قانون کو واپس کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اللہ کرے یہ بات مکمل ہو جائے)

جہاں تک قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کو اعزاز دینے کا حق ہے تو اس سلسلے میں حدیث ہے کہ جب کسی فاسق کو اعزاز دیا جائے تو اس سے اللہ کا عرش کانپتا ہے، حالانکہ فاسق کافر نہیں صرف گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ جبکہ یہاں کافر نہیں زندیق کو اعزاز دیا جا رہا ہے۔ زندیق وہ کافر ہے جو خود کو مسلمان کہے۔ چنانچہ نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والوں کے خلاف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت میں سب صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر ان پر لشکر کشی کرنے کا فیصلہ کیا۔

اب فرمانرواؤں کی دینی معلومات اس قدر کمزور اور سطحی ہیں کہ اتنی واضح بات کو سمجھ نہیں پا رہے۔ ایسے لوگوں کی آخرت تو تباہ ہے ہی، دنیا میں بھی ان کی رسوائی اور ذلت کا انجام سب لوگوں کو دیکھنا نصیب ہو جاتا ہے۔ اللہ کرے انھیں ندامت نصیب ہو جائے اور یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچ جائیں۔

ایدھی صاحب کی وفات:

ایدھی صاحب وفات پا گئے۔ وہ بالکل ان پڑھ تھے لیکن اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے انہوں نے خدمت خلق کا ایک عظیم ادارہ قائم کیا۔ یہ ادارہ ان کے اوران کے خاندان کیلئے آسودہ معیشت اور عالمی شہرت کا ذریعہ بنا۔ان کی شہرت یہاں تک پھیلی کہ ۲۰۱۰ء میں ان کو قادیانیوں نے ایک اعزاز سے نوازا۔اس موقع پر انھوں نے قادیانیوں سے مندرجہ ذیل خطاب کیا:

’’میں احمدیہ جماعت کا شکریہ کرتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے انسانی ناطےایک ایوُڈ (ایوارڈ) دے رہے ہیں اور یہ ایوُڈ (ایوارڈ) ان شاء اللہ انسانوں کی بھلائی کے اندر استعمال ہوگا۔ مجھے بہت بڑی خوشی ہوئی کہ مجھے انسانی ناطے احمدیہ جماعت والوں نے موزوں سمجھا اور مجھے ایوُ ڈ (ایوارڈ) دینے کا کام کیا۔ میں خوش ہوں کہ کوئی انسانی ناطے مجھ سے تعلقات کرتا ہے۔میں کوئی تفریق نہیں مانتا اور میرا کام تفریق بھی نہیں ہے۔میرا کام انسانیت کا ہے اور انسانیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ جب انسان، انسان بن جاتا ہے تو پھر کوئی سے بھی تعلقات نہیں رہتے، صرف ڈائریکٹ اللہ سے اور انسانیت سے تعلق ہوتا ہے۔ میرے یہاں اتنے لوگ داخل ہونے آتے ہیں، میں نہیں پوچھتا کہ تمہارا مذہب کیا ہے، میں یوں سمجھتا ہوں کہ انسان ہیں۔آپ جو انسانی ناطے اپنی جماعت (قادیانی جماعت) کے تھرو کام کررہے ہیں، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ کامیاب کرے۔‘‘

ان کی زندگی میں جنگ اخبار نے ۲۷مئی ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں ان کا ایک انٹرویو شائع کیا جس میں انھوں نے مندرجہ ذیل باتیں کیں:

’’میرے نزدیک قربانی کرنے کی بجائے اس رقم کو عوام کی فلاح کیلئے استعمال کرنا چاہئے۔

فلاح و بہبود پر خرچ کرنے سے نظام بہتر ہوگا۔"

چونکہ ان پڑھ آدمی تھے اس لئے وہ اتنا ہی سمجھ سکے کہ قربانی کے پیسے لوگوں کو بصورتِ بھیک دینے چاہئیں جس سے بھکاریوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ جبکہ شریعت نے اس عمل کے ذریعے تین پیشوں کو وجود میں لاکر اس مال کو محنت کے ذریعے تقسیم کیا ہے تاکہ لینے والے معزز طریقے سے محنت کر کے یہ رقم وصول کریں۔ پہلا پیشہ گلہ بانی اور مویشیوں کو پالنا ہے۔ دیہات میں کسان بڑی عید کی امید میں مویشی پالتے ہیں کیونکہ اس موقع پر منہ مانگی قیمت پر بیچنا ان کیلئے عظیم فائدے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ محرک(Incentive) گلہ بانی اور مویشی پالنے کی بنیاد ہے جس سے اس پیشے کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ عید کے دن اناڑی آدمی تک چھری ٹوکہ لئے قصاب بنا ہوتا ہے جو جانور ذبح کر کے اپنی مزدوری کا معقول معاوضہ لیتا ہے اور یوں یہ رقم بھیک کی بجائے محنت کے صحت منداصول کے تحت تقسیم ہو جاتی ہے۔ کھالیں دو تین واسطوں سے بک کر کئی آدمیوں کیلئے تجارت کا پیشہ بن جاتی ہیں اور اس طرح یہ مال محنت کے زریں اصول کے تحت اعزاز کے ساتھ تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان کھالوں کی برکت ہے کہ باہر ممالک میں دس ہزار میں بکنے والا جوتا پاکستان میں پندرہ سو روپے میں مل جاتا ہے۔ چمڑہ سازی کے کارخانے(Tanneries) کی کامیاب ترتیب ہمارے ملک میں انہی کھالوں کی وجہ سے ہے۔ قربانی کا صحت مند گوشت جو غریب سے غریب آدمی کو بھی مل جاتا ہے وہ مزید فائدہ ہے۔ حج کی قربانیوں کا گوشت سعودی عرب کی حکومت جہازوں کے ذریعے غریب ترین علاقوں تک پہنچاتی ہے۔

جس طرح ہم چودہ اگست کو اور اسی طرح دوسرے موقعوں پر تقریبات کرتے ہیں، جن پر قربانی سے زیادہ خرچہ ہوتا ہے، دانشور کہتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ہمیں پاکستانی ہونے کے اعلیٰ جذبات اور احساسات حاصل ہوتے ہیں، جو اس خرچے سے زیادہ قیمتی ہیں۔

اسی طرح قربانی پر خرچ کرنے سے ہمیں جذبۂ قربانی حاصل ہوتا ہے کہ یہ جذبہ قوم کی ترقی کے لئے ایک بنیاد کا کردار ادا کرتا ہے، جس پر یہ تھوڑا سا خرچہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ حالانکہ اصل تو یہ ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے جس کے ذریعے جنت کی لازوال نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

جنگ اخبار میں مندرجہ ذیل عقائد و نظریات ایدھی صاحب نے کھل کر بیان کئے ہیں۔

''دنیا بھر میں مذہبی لوگوں کو ٹھکرایا جا چکا ہے۔ صرف دو سے تین فیصد لوگ ایسے ہیں جو مذہبی حضرات کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں وگرنہ پادری اور ملّا کا کردار ختم ہو چکا ہے اور ان کی مذہبی تشریحات کا پردہ کھل چکا ہے۔''

ایدھی صاحب سے سوال ہوا کہ آپ کو کون سے مقامات پسند ہیں تو انھوں نے جواب میں ''مکہ مکرمہ'' یا ''مدینہ منورہ'' کا نام نہیں لیا بلکہ کیا کہتے ہیں ملاحظہ ہو:

''مجھے ایئرپورٹ بہت اچھے لگتے ہیں۔ مجھے وہ زمین پر خدا کی جنت محسوس ہوتے ہیں۔ یہ ایئرپورٹ دبئی کا ہو، لندن کا ہو، امریکہ کا ہو، یا کینیڈا کا، ہر جگہ پر جنت کا سا ماحول نظر آتا ہے''۔

حج کے بارے میں ان کا بیان:

''عرفات کے میدان میں حج کے موقع پر جتنی چوریاں ایک دن میں ہوتی ہیں اتنی چوریاں سال بھر میں نہیں ہوتیں۔ کیا آپ کو علم ہے اس موقع پر ۱۰۰ میں سے ۹۹ افراد کی چوریاں ہوتی ہیں۔''

بندہ کو بارہا عرفات کے میدان میں حاضری کی توفیق ہوئی اور بندہ کے ہزاروں واقف حج کے مبارک عمل سے گزرے۔ میرے سامنے کبھی کوئی تذکرہ نہیں آیا کہ کسی کی

چوری ہوئی ہو۔

پھر ایدھی صاحب نے فرمایا:

’’جس طرح وہ (گاندھی) ہمیشہ دولڑکیاں اپنے ساتھ رکھتا تھا میں بھی اسی طرح کرتا ہوں (یعنی دولڑکیاں اپنے ساتھ رکھتا ہوں)۔‘‘

ایدھی صاحب سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ نے کبھی کسی سے عشق کیا تو جواب دیتے ہیں کہ:

’’میں نے لبنان میں بہت خوبصورتی دیکھی ہے۔ وہاں کا حسن بے مثال ہے۔ میں نے حسین چہرے لبنان میں بہت دیکھے۔۔۔ایک خوبصورت لڑکی نے میرے ساتھ وعدہ بھی کیا کہ وہ میرے ساتھ کام کرے گی‘‘۔

میوزک کے بارے میں:

’’میوزک سننے کا عادی ہوں۔ عرب گلوکارہ اِم کلثوم کا میوزک سنتا ہوں۔اس کی آواز پر میں فدا ہوں۔نور جہاں اور سہگل کو بھی پسند کرتا ہوں۔‘‘

بیٹے کا نکاح:

’’میں نے بیٹے کو ہدایت کی کہ مولوی کے پاس نہیں جانا۔ پھر میں نے اپنے بیٹے کی فون پر اپنی اہلیہ سے بات کروادی کہ بیٹا دو گواہ بن گئے (یعنی خود اوران کی بیوی) اور تیری شادی ہوگئی۔‘‘ (یعنی ٹیلیفون پر ہی شادی ہوگئی)

بلقیس ایدھی کا اپنے خاوند پر تبصرہ:

’’نہیں مانتے، بالکل نہیں مانتے، یہ تو ہمیشہ اپنی من مانی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔‘‘

جب ان کی دوسری شادی ہوگئی تو ان کی بیوی (پہلی بیوی بلقیس ایدھی) نے فرمایا:

’’میں نے اپنے بھائی سے ذکر کیا تو اس نے کہا مان جاؤ وگرنہ تمہارے منع کرنے پر تمہیں چھوڑ دے گا پھر بچوں کو لے کر کہاں جاؤ گی، اور یہ ماحول اور یہ معاشرہ بھی یہی کہتا ہے کہ

مرد دوسری بیویاں کرتے ہیں اور یہ گناہ نہیں، یہ اس کا ذاتی فعل ہے، اس کو منع نہ کر۔ میں نے دل بڑا کیا اور ان کی مرضی کو قبول کیا لیکن یہ مجھے اس (دوسری بیوی) کے سامنے بہت ذلیل کرتے تھے۔ وہ تین ہزار کی پرفیوم لگا کر ان کو متأثر کرتی تھی۔۔۔ وہ ہمیشہ چوریاں کرتی تھی لیکن یہ کبھی میری بات نہیں مانتے تھے۔''

بلقیس ایدھی صاحبہ مزید کہتی ہیں کہ آخر اس عورت نے اپنے بھائی کی مدد سے سات کروڑ روپے کی چوری کی (اور بھاگ گئی۔ یہ سارے پیسے مسلمانوں کے دئے ہوئے زکوٰۃ عشر اور صدقات کے پیسے تھے جو غریبوں کے لئے دئے گئے تھے)۔

امریکہ کے ۱۱ستمبر کے واقعہ پر ایدھی صاحب نے مسلمانوں کے زکوٰۃ، صدقات کے چندے سے ایک بہت بڑی رقم امریکہ کو چندے میں دے دی۔ حالانکہ یہ زکوٰۃ کی رقم تھی جس کے بارے میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ غریب مسلمانوں کو دی جائے گی، جو اس سے اپنے کھانے پینے، پہننے اور سر چھپانے کے لئے چھت کا بندوبست کریں گے۔ اس طرح کافر کو زکوٰۃ کا مال چندے میں دے دینے سے زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

ایدھی صاحب کلکتہ سے مشرقی پاکستان گئے، وہاں کے لوگوں نے ان کی دعوت کی اور بتایا کہ ہم نے مدرسہ اور مسجد بنائی ہے تو ایدھی صاحب نے کہا:

''غریبوں کی بھوک مٹائی جائے تو وہ مدرسہ اور مسجد سے بہتر ہے۔''

یہاں بھی ایدھی صاحب یہ رقم بھیک کی شکل میں دے کر بھکاریوں کی تعداد زیادہ کرنا چاہتے ہیں جبکہ مدرسہ بنانے سے یہ رقم مدرسے میں پڑھنے والے طلبا کی بھوک مٹانے کا ذریعہ بھی بنی اور ان کے لئے ضروری تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ بھی بنی۔ یہی رقم تنخواہ کی صورت میں اساتذہ اور سنبھالنے والے دیگر عملے کی بھوک مٹانے کا ذریعہ بھی بنی۔ رہی مسجد تو وہ مسلمانوں کا ایک عظیم مرکز ہے جس میں ہونے والے اصلاحی بیانات کئی مالداروں کو

صدقہ، زکوٰۃ دینے پر تیار کرتے ہیں۔

ایک انٹرویو میں ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ سب (یعنی خدمتِ خلق) خدا کی رضا اور آخرت کے لئے کر رہے ہیں تو ایدھی صاحب نے جواب دیا: ''یہ تو میں انسانیت کے لئے کر رہا ہوں۔'' اس پر سوال پوچھنے والے نے کہا: ''تو پھر آپ نے ڈاڑھی جو چھوڑ رکھی ہے!'' جواب میں ایدھی صاحب نے کہا:

''یہ تو میں نے اس لئے چھوڑ رکھی ہے کہ میرے پاس (شیو کرنے کیلئے) وقت نہیں ہوتا۔''

نصابِ تعلیم:

قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پرائمری کے بچوں کے ذہنوں سے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے نصاب کو مختصر کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں معاشرتی علوم کے مضمون میں اسلامیات پر بھی بحث ہو جائے گی۔ لہٰذا اسلامیات کو نصاب سے نکال دیا جائے گا۔ ذرا سا غور کیا جائے، تو اسلامیات ایک ایسا مضمون ہے جو بہترین معاشرتی علم بھی ہے اور اس پر بحث اردو میں ہوتی ہے۔ یعنی اسلامیات کے ضمن میں اردو اور معاشرتی علوم دونوں کو (cover) کور کیا جا سکتا ہے۔ پھر پاکستان جیسے نظریاتی ملک کے لئے سب سے اہم اسلامیات ہے۔ اس کے بعد اردو ہے، اُس کے بعد معاشرتی علوم ہیں۔ لہٰذا یہ نہ کیوں کیا جائے کہ اسلامیات کا نام باقی رکھتے ہوئے اس کے ضمن میں اردو اور معاشرتی علوم دونوں کو کور کر لیا جائے۔ اس طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ساری نظریاتی ترجیحات کا لحاظ ہو جائے گا۔ مختلف ملکی ترتیبوں سے اگر آہستہ آہستہ اس طرح اسلام، اسلامیات اور اسلامی کے الفاظ کو نکالا جانا جاری رہا تو ہم نظریاتی مملکت کی جگہ ایک سیکولر ریاست کی طرف قدم بہ قدم روانہ ہو جائیں گے۔

خیبر پختونخوا حکومت ہوشیار باش!

معاصر اخبار مشرق میں خبر آئی کہ طاہر القادری کی کتابوں کو حکومت نصاب میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس صوبے میں اکثریت دیوبند مکتب فکر کے لوگوں کی ہے۔ جب کہ طاہر القادری اس مکتب فکر سے سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لیے اس فیصلے کی وجہ سے حکومت عوام کی تائید کو کھو کر اپنے سیاسی مستقبل کو خطرے میں ڈال دے گی۔ جس لبرل طریقے سے طاہر القادری صاحب چل رہے ہیں اُس کی وجہ سے وہ اپنے بریلوی مکتب فکر میں بھی غیر مقبول ہو گئے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے نصاب بنانے میں محقق علما اور قابل و محتاط اسلامیات کے پرفیسروں کے ذریعے قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی سے ایسے نصاب کو منتخب کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے جو موجودہ دور کی رہنمائی کے لیے کافی ہو اور اُس پر کسی مکتب فکر کی چھاپ نہ ہو بلکہ حکومتِ وقت کا ایک نمائندہ نصاب ہو۔

شیعیت، پاکستانی حکومتیں اور اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلے

پاکستان بننے کے بعد جب پارلیمانی نظامِ حکومت چلا تو یہ نظام بہت زیادہ افراتفری کا شکار رہا۔ کسی نے ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے پوچھا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے مذاکرات کیوں نہیں کرتے؟ اس نے جواب میں کہا۔ ”میں کس سے مذاکرات کروں۔ میں نے ابھی پاجامہ نہیں بدلا ہوتا کہ پاکستان میں حکومت بدل جاتی ہے“۔ واقعی نااہل سیاستدان اسی طرح کی حرکتیں کر رہے تھے۔ جوڑ توڑ اور حکومتیں بننا ٹوٹنا بچوں کے کھیل کی طرح کھیلا جا رہا تھا۔ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا غلام غوث صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے آبائی گاؤں بفہ ضلع مانسہرہ میں حکومتی پارٹی کا ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ اس میں تقریر کرنے کے لئے اس وقت کے ایک وزیر آئی۔ آئی۔ چندریگر سٹیج پر آئے۔ ان

کے آنے پر ایک آدمی نے آئی۔آئی۔ چندریگر کی جگہ آئی۔گئی۔ چندریگر کہہ کر نعرہ لگایا۔کسی نے اعتراض کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ ان حکومتوں کا کیا ہے۔آج ہیں کل نہیں۔لہٰذا آئی آئی اور آئی گئی میں کوئی خاص فرق نہیں۔اسی اثناء میں کراچی میں عجیب واقعہ رونما ہوا۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران اس قدر ہلڑ بازی ہوئی اور کرسیاں چلیں کہ سپیکر کو دورانِ اجلاس قتل کر دیا گیا۔اس پر اس وقت کے صدر سکندر مرزا نے مارشل لاء لگایا اور ایوب خان کو، جو اس وقت کمانڈر اِن چیف تھا، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنایا۔اس لئے ایوب خان کا مارشل لاء خلافِ قانون نہیں تھا بلکہ قانونی تھا۔بعد میں ناگزیر حالات میں اس نے جبری اسکندر مرزا کو معزول کر دیا۔اگرچہ یہ بات خلافِ قانون تھی لیکن قوم اور عدلیہ نے اسکندر مرزا کی افراتفری کے مقابلہ میں اس چیز کو ہی بہتر سمجھا اس لئے قبول کر لیا۔

۱۹۵۸ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک کا ایوب خانی دور بہت اچھا گزرا۔ترقیاتی کام ہوئے امن وامان ہوا۔اس زمانے میں ہندوستان کی رائے پور شریف کی خانقاہ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میں نے تمہارے ملک کے لئے اللہ سے ایک مضبوط حاکم مانگا ہے۔اس کے ساتھ چپقلش نہ رکھنا۔ ہزاروی صاحب نے یقین دہانی کرائی کہ ایسا ہی ہوگا۔چنانچہ جب ایوب خان کا الیکشن میں فاطمہ جناح سے مقابلہ ہوا تو یہ ہزاروی صاحب کی ہی پارٹی تھی جس کے ووٹوں سے ایوب خان کو برتری ملی اور اس نے یہ الیکشن جیتا۔اس کا ایوب خان نے اقرار کیا اور شکریہ ادا کیا۔

اہلِ مغرب دین کے خاتمے کے ایجنڈے میں عموماً ڈکٹیٹروں اور دینی لحاظ سے کم فہم اہلِ حکومت سے کام لیتے ہیں۔چنانچہ ایوب خان سے عائلی قوانین نافذ کرا دئے جن میں بعض شقیں واضح طور سے اسلامی احکامات سے متصادم تھیں ٹکرا رہی تھیں۔اس پر مولانا

ہزاروی صاحب نے رائے پوری صاحب کو پیغام بھیجا کہ اب ایوب خان کے خلاف میرے ہاتھ آزاد ہیں۔ اب میں آپ سے معاہدے کا پابند نہ رہا۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں ایوب خان کے حالات دگرگوں ہو کر گراوٹ کی طرف چل پڑے ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی۔ جنگ تو ایوب خان نے جیتی لیکن جب مذاکرات کی میز پر تاشقند میں بیٹھا تو جیتی ہوئی جنگ ہار گیا۔

اعلانِ تاشقند کے مسئلے کو ہی اچھال کر مسٹر بھٹو نے ایوب خان کے خلاف اپنی پارٹی منظّم کر لی اور ایوب خان کو اقتدار سے محروم ہونا پڑا۔ پاکستان کے عوام کتنے ہی بے دین ہو جائیں پھر بھی جب کسی دینی مسئلے پر علماء اپیل کریں تو بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پاکستان کے عوام ساتھ دین کی ہی دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ جو حاکم بھی مملکتِ خداداد پاکستان کے ساتھ اور اس کے اساسی اور بنیادی نظریۂ اسلام کے ساتھ غدّاری کرتا ہے یا دینی مدارس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اس کے سر پر اللہ کی بے آواز لاٹھی ضرور بجتی ہے۔ مسٹر پرویز مشرف دندناتا ہوا پھر رہا تھا۔ اس کا طوطی بول رہا تھا اور اس کے آگے کوئی دُم نہیں مار سکتا تھا یہاں تک کہ اس سے جامعہ حفصہ کا کُشت وخون ہو گیا جس کے بعد سنبھل نہ سکا اور اقتدار سے محروم ہو کر ذلت وخواری کے گڑھے میں گرنا نصیب بنا۔

پنڈی میں دارالعلوم تعلیم القرآن میں اہلِ تشیع کے ۱۰ محرم کے ماتمی جلوس نے گھس کر جو کشت وخون کیا اور بربریت کا مظاہرہ کیا یہ واقعہ بھی کچھ جامعہ حفصہ کے واقعہ کی طرح ہی تھا اور ہم پاکستانی عوام نے صوبہ پنجاب اور مرکزی حکومت کے بارے میں ایسے ہی جذبات محسوس کئے جیسے جامعہ حفصہ کے وقت کئے تھے۔ ذمہ دار لوگوں کی پوری نا اہلیت سامنے آئی۔ اس واقعہ کو حادثاتی اور اتفاقی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی گئی اور ذمہ دار پولیس افسروں نے واقعات کو توڑ مروڑ کر بیان کیا کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی۔

لیکن جب چہلم کے جلوس کو دوبارہ ڈنڈے کے زور سے فوج کو کھڑا کر کے گزارا گیا تو یہ بات تو اتفاقی اور حادثاتی نہیں تھی۔ یہ تو ہم نے ایسے محسوس کیا کہ کسی نا معلوم وجہ سے حکومت نے دو فیصد شیعہ اقلیت کے لئے ہم ۹۸ فیصد اہل سنت والجماعت کے بدنوں پر سے یہ جلوس گزرا ہے۔ فوج تو ماتحت ادارہ ہے۔ اس کو منتخب حکومت کا ساتھ دینا ہوتا ہے لیکن حکومت کی یہ کوتاہی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے دل زخمی ہیں اور دل سے ہوک اُٹھ رہی ہے کہ جیسا حال پرویز مشرف کا ہوا ایسا حال ہی اللہ ان لوگوں کا کرے جو اس کے ذمہ دار ہوئے۔ اللہ ان کو اقتدار سے معزول کرے اور پرویز مشرف کی طرح دردر کی ٹھوکریں مقدر کرے۔

ایسے فالتو جلوسوں کو روکنے کا یہ ایک سنہری موقع تھا جن جلوسوں نے پاکستان کی معیشت کو مفلوج کیا ہوا ہے۔ اگر سپریم کورٹ کو سوموٹو ایکشن لینے کی توفیق ہو جائے جس میں وہ اہل تشیع سے اس بات کا مطالبہ کرے کہ وہ اپنی مذہبی کتابوں کافی، کلینی وغیرہ کی مدد سے یہ ثابت کریں کہ یہ جلوس کوئی فرض واجب عبادت ہے تو پوری ذمہ داری سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ ثابت نہیں کر سکیں گے۔ اگر سپریم کورٹ یہ کام نہ کر سکے تو دینی تحریکوں کو اونچی عدالتوں میں کیس دائر کر کے مسئلے کو آگے بڑھانا چاہیے۔ اگر یہ جلوس فرض واجب ہوتے تو ایران کی شیعہ حکومت کے شہروں میں بھی ہوتے۔ کربلا اور شام کے بشار الاسد کے شہروں میں بھی ہوتے۔ جب اہل تشیع کے بنیادی مراکز میں یہ غیر ضروری کام نہیں ہو رہے تو اس غریب ملک کی معیشت کا بھٹہ بٹھانے کے لئے کیوں ہو رہے ہیں؟

ملفوظاتِ درویش

سلسلہ کا فیض پورا آ رہا ہے، جو بھی اخلاص کے ساتھ اس میں شامل ہو جائے گا تو اُسے اِن فیض کی لہروں کا پورا حصہ ملے گا:

فرمایا کہ ڈاکٹر سفیر صاحب (حضرت کے مرید اب ان کی وفات ہو چکی ہے) کو خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا: سلسلے کی لہروں کو کم نہ سمجھنا۔ ہمارا سلسلۂ بیعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے حضور اقدس ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپؓ حضور اقدس ﷺ کے خلیفہ تھے۔ پھر آپؓ کے خلیفہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ حسن بصریؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ تھے، آپؒ کے خلیفہ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ سے پھر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ اور اُن سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ ہم تک پہنچا ہے۔ ہمارے سلسلۂ بیعت میں بہت اُونچے لوگ ہیں۔ پیچھے سے فیض کی لہریں اپنی پوری طاقت کے ساتھ آ رہی ہیں، جیسے بجلی کی طاقت تاروں میں آ رہی ہوتی ہے۔ چونکہ پیچھے طاقتور جنریٹرز ہائی پاور سپلائی کر رہے ہیں، بیچ میں کہیں لکڑی کے کھمبے کا سہارا بھی لگا دیا جائے تو سپلائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ایسے ہی سلسلہ کا فیض پورا آ رہا ہے، جو بھی اخلاص کے ساتھ اس میں شامل ہو جائے گا تو اُسے اِن فیض کی لہروں کا پورا حصہ ملے گا۔

امتحان کو آدمی جب پاس کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ہے:

جب تو دین کا کام کرے گا تو اُس سے لوگوں میں مقبولیت ہوگی۔ وہ تیری ساری چیزوں کو پیسے سے خریدنے کی کوشش کریں گے۔ تجھے شکرانے پیش کر کے، پیسے دے کر، اپنے کاموں کے لیے تیری وجاہت کو، حیثیت کو استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوگا کہ اگر اس جگہ تُو پھنس گیا تو بس پیسہ تو ہو جائے گا لیکن تعلق

مع اللہ نہیں رہے گا۔ پھر جب آدمی اس جگہ سے پار ہو جاتا ہے تو لوگ اس کی حیثیت اپنی سیاست کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم آپ کو ٹکٹ دے رہے ہیں، ہم آپ کو الیکشن میں کھڑا کر رہے ہیں تاکہ اس حیثیت کو استعمال کریں۔ اور اگر تُو یہاں استعمال ہو گیا تو دُنیا تو ہو گئی مگر تعلق مع اللہ نہ رہا۔ اس ٹیسٹ کو آدمی جب پاس کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ہے۔

سلوک اور اخلاص میں فرق:

فرمایا کہ سلوک تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا کرنے والے طریقے پر چلنا۔ سالک چلنے والا ہے اور سلوک چلنے کی ترتیب ہے۔ جو آدمی بیعت ہوا، اور جس آدمی نے اعمال شروع کیے اور اپنی اصلاح کے کام پر لگ گیا یہ سالک ہے۔ اور جو بزرگوں نے طریقے مُدوّن کیے ہوئے ہیں اور لکھے ہوئے ہیں یہ سلوک ہے اور اخلاص ان ساری چیزوں کو رضائے الٰہی کے لیے کرنا، کسی اور جذبے کے تحت نہ کرنا ہے۔ اب ہندو جوگی بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں، نفس کو مار دیتے ہیں، خواہشاتِ نفسانیہ کو کچل دیتے ہیں لیکن اُن کا جذبہ بڑا جوگی بننے کا ہوتا ہے جو کہ مافوق الفطرت سی شخصیت ہوتی ہے۔ جیسے کہ اولیاء اللہ کی کرامتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح کی چیزیں ان جوگیوں سے بھی ظاہر ہونے کے حالات بنتے ہیں کہ ہَوا میں اُڑتے ہیں، پانی پر چلتے ہیں لیکن یہ سب کچھ اُنھوں نے رضائے الٰہی کے لیے نہیں کیا ہوا ہوتا بلکہ بھگت اور بڑا جوگی بننے کے لیے کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول نہیں ہوتے۔ پہنچے ہوئے ضرور ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی جیسے بادشاہ کے محل میں ایک تو وزیر پہنچا، ایک مہمان پہنچا اور ایک ڈاکو پہنچا۔ مہمان کے لیے تو بادشاہ نے کھانے کا بندوبست کرنا ہو گا، وزیر کی ضروری باتوں کو سننا ہے اور ڈاکو پر جلدی

سے فائر کرنے کا حکم دینا ہے۔تو یہ جو اہل باطل ہوتے ہیں بڑے بڑے کارنامے آپ کو کر کے دکھا دیں گے۔ یہ پہنچے ہوئے ہیں ضرور...لیکن جہنم تک اور پہنچے ہوئے ہوتے ہیں دربارِالٰہیہ میں لیکن ڈاکو بن کر، ان کے لیے فوراً قتل اور گرفتاری کا حکم ہونا ہوتا ہے۔اس لیے ان سے اِک ذرہ بھی متاثر نہ ہوا کریں۔

جلوت کے ساتھ خلوت نہ ہو تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ بیٹری کو کم اور ڈِم کرتے کرتے کہیں جلوت مکمل مردہ (ڈسچارج) ہی نہ کر لے:

فرمایا کہ دین کا کام کرنے والے جو دین کے مختلف شعبوں میں مشغول ہیں بعض اوقات ان شعبوں میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں کہ اپنی ذات کی فکر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور اپنے شعبوں کے کاموں کو نبھاتے ہوئے کچھ اوقات میں سب سے تنہا ہو کر انفرادی اعمال کے ذریعے قربِ الٰہی میں کوشش کرنے کے اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ والے مطالبے سے غافل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اس میں محققین نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ جس آدمی کا عوام الناس میں اختلاط کرتے ہوئے تو بہت دل لگ رہا ہو اور اپنی ذات سے تنہائی میں انفرادی اعمال کے ذریعے قربِ الٰہی کی کوشش میں دل نہ لگ رہا ہو تو اس میں اس بات کا خطرہ ہے کہ اشاعتِ دین کے کام کہیں تقریر کی شعلہ بیانی، درس کی روانی، تحریر کی جولانی کی خاطر نہ ہو رہے ہوں نیز امیر، ناظم اور مہتمم بننے کے ذریعے جذبۂ جاہ کے لیے تو نہیں ہو رہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کو تو نسبت ولایت سے نسبت نبوت تک منتقل ہوتے ہوئے مجاہدہ محسوس ہوتا ہے لہٰذا اگر ہمیں اس کے برعکس محسوس ہو رہا ہو تو یہ بات متفکر کرنے والی ہے۔

عام طور پر چونکہ اشاعت دین کے کاموں کا زیادہ فائدہ سامنے آ رہا ہوتا ہے اس لیے اسی کی طرف زیادہ متوجہ ہو کر دوسری طرف نظر انداز ہو جاتی ہے اس کی مثال ایسے ہی

ہے جیسے ایک تو بیٹری کا چارج ہونا ہے اور ایک اس کا استعمال ہونا ہے، فائدہ تو استعمال ہوتے ہوئے ہی نظر آتا ہے لیکن استعمال تو تب ہی ہوگی جب چارج ہوگی لہٰذا جتنا اہم استعمال ہے اتنا ہی اہم چارج ہونا بھی ہے۔

مشائخ کاملین کی سوانح عمریاں پڑھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی زندگی انتہائی عوامی ہوتی ہے۔ درو دربان کی پابندیوں سے فارغ ہوتے ہیں۔ شاہ و گدا کسی کے لیے روک ٹوک نہیں ہوتی لیکن اوقات خلوت کو حاصل کرنے کے لیے در و دربان کی پابندیاں وہ بھی کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر اپنے باطن کا حال ہی دُرست نہیں رہتا تو دوسرے کو کیا فائدہ پہنچائیں گے۔ جلوت کے ساتھ خلوت نہ ہو تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ بیٹری کو کم اور ڈِم کرتے کرتے کہیں جلوت مکمل مردہ (ڈسچارج) ہی نہ کر لے۔ چنانچہ حضرت عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں اس خلوت کا خاص تذکرہ ہے۔

بندہ مارچ ۱۹۸۰ء بمطابق ۱۴۰۰ھ) میں اپنے شیخ اوّل حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنے شیخ ثانی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی حاضر ہوا تو حضرت جی کے خدام نے فرمایا کہ حضرت مغرب تا عشاء اپنے حجرے میں بند ہوتے ہیں اور نوافل میں سوا پارہ پڑھتے ہیں اور اس وقت میں کسی سے ملاقات نہیں فرماتے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ عمومی ملاقات فرماتے تھے۔

محققین اور غیر محققین:

فرمایا کہ صوفیاء میں محققین اور غیر محققین دو قسم کے گروہ ہیں۔ محققین انھیں کہتے ہیں جس طرح کہ کوالیفائڈ ڈاکٹر ہوں، اور غیر محققین جس طرح کہ عطائی (Quake) ہوں۔ تو مستند اور عطائی ڈاکٹر صاحبان ہوتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا، غالباً مواعظ میں ہے، کہ حضرت کوئی خاص فرق تو نہیں ہے، حکیم فلانا بھی علاج کرتا ہے اور پنساری فلانا بھی علاج کرتا ہے۔ پرانے زمانے میں حکیم اور پنساری ہوتے تھے۔ حکیم وہ ہوتا تھا جو مستند ہوتا تھا، بیماریوں کو جانتا تھا، تشخیص کو جانتا تھا، علاج کو جانتا تھا اور پنساری وہ ہوتا تھا جس نے صرف جڑی بوٹیاں اور معجون وغیرہ رکھے ہوتے تھے۔ پنساری بھی علاج کرتا ہے اور حکیم بھی علاج کرتا ہے، حکیم کے آدمی بھی ٹھیک ہوجاتے ہیں اور پنساری کے آدمی بھی ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ کبھی حکیم کا آدمی بھی مرجاتا ہے اور کبھی پنساری کا بھی مرجاتا ہے، تو کوئی خاص فرق تو نہ ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا بڑا فرق ہے، فرق یہ ہے کہ جو مستند ہے اس سے اگر آدمی مرے گا تو اس کی پکڑ نہیں ہے، وہ گنہگار نہیں ہے اور جو غیر مستند ہے اس سے جب آدمی مرے گا تو اس کی پکڑ ہوگی اور یہ گنہگار ہوگا۔ جب مستند حکیم نے اپنا علم صحیح طرح استعمال کیا، محنت کی، غور کیا، فکر کی، مریض کا علاج کیا اور پھر مریض مرگیا تو یہ بشری خطاء ہوگئی، انسانوں کی بشری خطاء کو شریعت مانتی ہے۔ ہمارے گاؤں کے ایک حکیم صاحب تھے، انھوں نے ایک مریض کو غلطی سے علاج والی گولی کھلانے کی بجائے چوہوں کو مارنے والی گولی کھلادی، اور جب کھلائی تو بس آدمی کی موت ہوگئی۔ بشری خطاء کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم کیا ہے، اس لیے فتوے میں اور علاج دونوں میں بشری خطاء کو شریعت نے مانا ہوا ہے۔ اگر فتویٰ دینے والا مفتی تھا، اس کا علم صحیح تھا، مشق اس کی پوری تھی، اس نے خوب دھیان سے فتویٰ لکھ کر دیا لیکن اس سے چوک ہوگئی، خطاء ہوگئی اور اگلے آدمی نے اس پر عمل کرلیا تو نہ فتویٰ دینے والا گنہگار رہے نہ عمل کرنے والا گنہگار رہے۔ ہاں جب خطاء کا پتہ چل گیا اور ندامت ہوگئی اور آدمی توبہ تائب ہوگیا اور اگلے آدمی کو اطلاع کردی کہ مجھ سے فتویٰ غلط ہوگیا تھا آپ اپنے عمل کو دُرست کرلیں، تو دونوں گرفت میں نہیں ہیں۔

غیر محقق وہ ہوتا ہے جو نوافل اور مستحب اعمال میں کوشش کر رہا ہوتا ہے جبکہ محققین کو پتہ ہوتا ہے کہ قرب کا سب سے بڑا ذریعہ ارکان و فرائض کو پورا کرنے میں ہے، اور حرام و کبیرہ گناہ سے بچنے میں ہے۔ حرام اور کبیرہ گناہوں سے بچ کر ارکان و فرائض کو پورا کرنا یہ سب سے زیادہ قربِ الٰہی کا راستہ ہے، اور سب سے زیادہ تیز رفتار اسی میں ہے۔ اس کو کرنے کے بعد پھر نوافل کی کوشش ہے، وہ پھر اور قرب کو بڑھاتی ہے۔ نوافل کو تو لازم کیا نہیں گیا ہے۔ فرائض اور ارکان کی کمی نوافل نہیں پورا کر سکتے۔ یہ عام اُصول جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ستر نوافل کو ایک فرض کے بدلے میں شمار کیا گیا ہے۔ کسی نے ایک فرض میں کوتاہی کی ہوئی ہے تو ستر نوافل مل کر اس کا ازالہ کریں گے۔ اس اُصول کو سامنے رکھا جائے تو زکوٰۃ کے اور فرض صدقات کا ایک روپیہ ادا نہ کرنے کا نقصان ستر روپے نفلی صدقہ سے پورا کیا جائے گا۔ تو آدمی نماز میں، زکوٰۃ میں، حج میں اور روزے میں کیوں کوتاہی کرے جبکہ یہ قربِ خداوندی کا سب سے قریبی، مؤثر اور مختصر (short cut) راستہ ہے۔ فرض نماز کا جماعت سے اور تکبیر اولیٰ سے ہونا، زکوٰۃ کا پورا ادا ہونا، حج فرض ہے تو اس کا مکمل کرنا، اس لیے کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا تھوڑا عمل بہت اجر و ثواب دِلانے والا ہوتا ہے۔ اور عابد گو اس کی بڑی عبادت ہو لیکن علم نہ ہو تو اس کی بہت زیادہ محنت اس کو تھوڑا دلاتی ہے۔

تربیت کے لئے آدمی کی استعداد بھی دیکھی جاتی ہے:

فرمایا کہ آدمی کی استعدادیں ہم دیکھتے ہیں اور ملکات دیکھتے ہیں ان میں ہم آدمی کے فہم اور معاشرت کو بہت دیکھتے ہیں کہ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا، ملنا ملانا، دوسروں کا لحاظ اور خیال کرنا نیز آداب و اطوار کیسے ہیں۔ اگر اس میں وہ آدمی کمزور ہو تو اس کے ذکر و فکر اور رونے دھونے پر ہم دھیان نہیں کرتے، کہ رو رہا ہے، نہیں رو رہا ہے، چیخ رہا ہے، نہیں چیخ رہا ہے وغیرہ۔

یہ واقعہ میں نے آپ کو کئی بار سنایا ہے کہ ایک آدمی کو حضرت مولاناؒ کے پاس لے آئے۔ آدمی بڑا ذاکر شاغل اور کشف وانوارات کے ادراک والا تھا۔ لیکن مجلس میں آیا تو اُس نے ایک آدمی کی بات کاٹی اور اپنی بات کرنا شروع کر دی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ کامل نہیں ہے خودرو ہے۔ ذاکر شاغل اور کشف والا ہے مگر کامل نہیں ہے کیونکہ اس کو مجلس میں بات کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا۔ کمال صرف کثرتِ ذکر کا نام نہیں ہے، کمال تو شخصیت کی تربیت کا نام ہے کہ تربیت ہوئی ہے کہ نہیں ہوئی۔ کثرتِ ذکر کا بھی ثواب ضرور ہوتا ہے۔ یہ تربیت یافتہ آدمی جب کارخانوں میں ملازمتوں میں اور مختلف کاموں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے سارے اعمال کی اٹھان اور بنیاد رضائے الٰہی پر ہوتی ہے، مادی وسائل کے حصول کے لیے نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس محنت کے نتیجے میں اس کو صرف مال اور مادی وسائل نہیں حاصل ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اطمینان، راحت، سکون اور برکت بھی نصیب فرماتا ہے یعنی اسبابِ راحت ہونگے اور راحت بھی ہوگی، اسباب عزت ہونگے اور عزت بھی ہوگی۔ ورنہ اسبابِ راحت ہونگے، اسبابِ عزت ہوں گے لیکن نہ راحت ہوگی نہ عزت ہوگی، نہ اطمینان ہوگا نہ سکون ہوگا، تو فائدہ ہی کیا ہوا؟

باطن میں اندھیرا:

فرمایا کہ آج ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دل ہمارا صحیح جگہ پہ نہیں لگتا، ہمیشہ فضولیات میں لگے گا۔ ہمارا ایک کلاس فیلو ہوتا تھا، ایک دن اس نے کہا کہ یار فدا! آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ مسجد میں نماز کے لیے جب جاتا ہوں ناں تو دل چاہتا ہے کہ بھاگ کر باہر نکل جاؤں..... بیٹھنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ یہی تو دل کے اندھیرے کی اور ظلمت کی علامت ہوتی ہے۔ مچھلی کا دل پانی میں رہنے کو چاہا کرتا ہے اگر پانی سے نکالیں تو تڑپا کرتی

ہے کیونکہ اُسی کے ساتھ اس کا دل لگا ہوا ہے، اس کی حیات وزندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔ تو جب دل خیر کی جگہوں پر نہ لگتا ہو تو آدمی فوراً جان لے کہ باطن میں اندھیرا ہے اور اگر دل لگ گیا تو اب اِنشاءاللہ تعالیٰ روشنی آنے کے حالات ہیں۔

دِل اور نفس پر جبر کرنا:

فرمایا کہ دل لگنے کے لیے جبر کریں کہ پہلے آدمی جبراً کیا کرتا ہے اور جس لائن میں آدمی نفس پر جتنا جبر کرتا ہے پھر وہ اس کا اتنا ہی ماہر ہو جاتا ہے۔ ہمارے محلے میں محبّ الرحمٰن، قاضی مجیب الرحمٰن صاحب (سابق پروفیسر وصدر شعبہ اسلامیات) کا بیٹا ہوتا تھا، ہاکی کی دُنیا کا چیمپئن تھا اور پاکستان کی قومی ٹیم میں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو، اپنے بدن کو، اپنے نفس کو دوڑ دوڑ کر اور کھیل کھیل کر اتنا تھکایا تھا کہ انتہا کر دی۔ اس کی دو بڑی عجیب قربانیاں یاد ہیں، ایک تو باپ کے جنازے پر نہیں آسکا تھا کیونکہ وہ عالمی سطح کا میچ کھیلنے گیا ہوا تھا، تو باپ کا جنازہ اس نے قربان کیا۔ اور دوسرا اس کو آخر میں پٹھوں کا کینسر ہوا ہے۔ اتنا دوڑا ہے وہ، اس نے ان پٹھوں کو اتنا تھکایا ہے کہ پٹھا قربان ہوا تو اس کو کینسر ہو گیا۔ تب کہیں جا کر عالمی سطح کے منظر پر آیا ہے۔ تو کیا ہم نے حق کے لیے ایسی قربانی دی ہے؟ تو جو جتنا نفس پر جبر کرتا ہے، وہ اس چیز میں اتنا ہی آگے بڑھتا ہے۔

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوبؔ
تب کہیں جا کے تیرے دل میں جگہ پائی ہے

اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ لقمان۔ ۱۷)

ترجمہ: ''کہ اے بیٹے نماز کو قائم کرو، نیک بات کا حکم دو، بُری بات سے روکو اور جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرو بے شک یہ جوان مردی کے کام ہیں۔''

فنا اور بقا:

فرمایا کہ فنا کہتے ہیں کہ مُرید کے قلب سے گناہ اور معصیت کا اِرادہ ختم ہو جائے۔ اور بقا سے یہ مراد ہے کہ آدمی کا اِرادہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع ہو جائے۔ شروع میں آدمی جب ذِکر اذکار میں لگتا ہے اور اس سے جوش وخروش، رِقت اور دل کی نرمی کے حالات طاری ہوتے ہیں تو آدمی کے دل سے دُنیا کا دھیان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ معصیت اور نفس کے مزے کا خیال تک نہیں آتا اور طبیعت پر نیکی اور جوش وخروش کا خوب غلبہ ہوتا ہے۔ غیر محقق آدمی اسی کو کمال سمجھتا ہے۔ جبکہ کچھ عرصے کے بعد نفس کے تقاضے لوٹ آتے ہیں۔ نفس پھر اپنے مزوں کی طرف آدمی کو کھینچنے لگتا ہے۔ اور آدمی کا خیال ہوتا ہے کہ شاید میں اپنے مقام سے گر گیا حالانکہ اب زیادہ کمال حاصل ہوا کہ جب نفس میں برائی کا تقاضا ہو اور اپنے اِرادے سے آدمی اس کو چھوڑ کر نیکی اختیار کرے تو اصل کمال یہ ہے۔ جیسے کہ ہانڈی پکنے کے دوران خوب جوش مارتی ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ابھی پکی نہیں ہے اور مہمانوں کو پیش کرنے کیقابل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن جب یہ درمیانی حالت ختم ہو کر پک جاتی ہے اور جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو تب کھانے کے اور لطف لینے کے قابل ہوتی ہے۔ اسی طرح فنا کا راستہ طے کر کے جب آدمی بقا کو حاصل کر لے تو تب کمال حاصل ہوتا ہے۔ اس مجاہدے اور اس درمیانی جوش وخروش کے گزر جانے کے بعد اتنا ہو جاتا ہے کہ نفس کے تقاضے کے خلاف کرنا اور اس سے نیکی کروانا آسان ہو جاتے ہیں اور نفس کو ایک صفت حاصل ہو جاتی ہے، جسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

آخری سانس تک محنت اور کوشش میں لگے رہنا چاہیے:

فرمایا کہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کسی بھی مقام اور حالت کے پکے ہوجانے کے بعد بے فکر نہیں ہوجانا چاہیے بلکہ اس حالت کی حفاظت کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ بعض حضرات کے ساتھ ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ کوئی اچھی حالت حاصل ہوگئی تو بے فکر ہوگئے اور نفس وشیطان نے اپنا داؤ چلا لیا اور آدمی کو پھر مزے اور چسکے والی زندگی کی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح رُوحانی تنزل شروع ہوجاتا ہے جس کو اصطلاح میں ''رجعت'' کہتے ہیں۔ رجعت والے آدمی کی حالت بہت خطرے میں ہوتی ہے' اگر وہ اپنی فکر نہ کرے اور مزوں اور معصیت میں بڑھتا چلا جائے تو نیک مجالس میں جانے سے گھبرانے لگتا ہے کہ یہ لوگ مجھ سے پھر وہی پابندی والی زندگی شروع کروادیں گے۔ رجعت سے بھی آگے گمراہی کا ایک قدم ہے جس کو ''وحشت'' کہتے ہیں اور اگر یوں ہی آدمی چلتا رہے تو دِین والے لوگوں سے دل میں بغض پیدا ہوجاتا ہے اور وہ بُرے لگنے لگتے ہیں، یہ حالت بہت خطرناک ہے اس کو ''عداوت'' کہتے ہیں ایسے آدمی کے سوءِ خاتمہ (کفر پر موت) کا خدشہ ہوتا ہے، اس لیے آخری سانس تک محنت اور کوشش میں لگے رہنا چاہیے جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے:

اندرایں رہ می تراش ومی خراش

تا دمِ آخر دمِ فارغ مباش

''اس راہ میں تراش خراش کرتے رہو۔ آخری سانس تک ایک پل کے لیے بھی غافل مت ہو''۔

اہل اللہ کے پاس تربیت اور اصلاح کی نیت سے جانا چاہیے:

فرمایا کہ بزرگوں کے سلاسلِ تصوف کا تعارف اور چرچا تو اُمت مسلمہ میں موجود ہے ، اور ان کی خدمت میں حاضری کا بھی کسی نہ کسی درجے میں رواج ہے۔ لیکن حاضری کی

نوعیت دُرست نہ ہونے کی وجہ سے ان سے پورا فائدہ حاصل نہیں ہو رہا۔ عموماً لوگ اپنی مشکلات کے حل کی دُعا، بیماریوں کے لیے دَم تعویذ، ان کے بااثر مریدین تک پہنچنے کی سفارش وغیرہ کو مدنظر رکھ کر بزرگانِ سلاسل کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اتفاقاً جہاں سے ان کے یہ مسئلے حل ہو جائیں وہاں ان کا اعتقاد بڑھ جاتا ہے، خواہ وہ حضرات کاملین محققین ہوں یا نہ ہوں۔ یہاں ایک لطیفہ یاد آیا کہ بندہ کے ایک محترم دوست اور اسلامیہ کالج کے پروفیسر کے عزیز پاکستان کی ایک بہت اُونچی پوسٹ کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ ان کو کسی خوش فہم نے بتایا کہ اسلام آباد میں کسی مزار پر کوئی گدی نشین بیٹھے ہیں جو تکوینی سلسلہ کے بزرگ ہیں، ان سے رابطہ کیا جائے۔ یہ صاحب اُن داڑھی منڈے ''بزرگ'' کے پاس گئے اور اپنے کام کے لیے درخواست کی، آگے سے جواب ملا کہ ایک گھنٹے کے بعد ''باباصاحب'' بتائیں گے کہ کام ہوا کہ نہیں۔ بزرگ موصوف نے اسٹیبلشمنٹ سیکشن کے ڈپٹی سیکرٹری کو ٹیلی فون کیا اور سائل کی پروموشن فائل کا پوچھا۔ ڈپٹی سیکرٹری نے بتایا کہ ابھی فائل وزیراعظم سے دستخط ہو کر آ گئی ہے۔ چنانچہ سائل جو ایک گھنٹہ بعد گئے تو مذکورہ بزرگ نے بتایا کہ ''کام کروا دیا گیا ہے''۔ سب بڑے متاثر ہوئے۔ لیکن بعد میں ڈپٹی سیکرٹری نے ہمارے پروفیسر صاحب کو حقیقت حال بتائی تو بزرگ کی ساری بزرگی کا پول کھل گیا۔ اس طرح کی باتیں کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ اہل اللہ کے پاس تربیت اور اصلاح کی نیت سے جائے، صرف مسائل کے حل کے لئے نہ جایا کرے۔ وہ مریدین اور آمد و رفت والے حضرات جو اصلاح اور تربیت کے لیے آتے ہوں اور ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوں تو اہل اللہ ان کے مسائل کے متعلق خود ہی متفکر ہو جاتے ہیں، وہ بیان کریں یا نہ کریں، خود ان کے لیے دُعا کرتے ہیں اور یہ بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اور نتیجے میں اصلی فائدہ یعنی اصلاح اور آخرت کا فائدہ ملتا ہے اور ضمناً دُنیا کے مسائل کا حل بھی بطریقِ احسن ہو جاتا ہے۔

جذبات کا طاری ہونا:

فرمایا کہ اگر آدمی یہ چاہے کہ اس پر کوئی جذبات ہی طاری نہ ہوں تو یہ تو کاملین پر بھی طاری ہوتے ہیں، ہاں جو ماہرین ہوتے ہیں ان کو فاسد خیالات جلد زائل کرنے کی مشق ہوتی ہے۔ جوں ہی خیال آیا تو اسے متبادل خیال سے ٹال دیا اور طبیعت کو دوسری طرف لگا دیا، اس طرح پہلا خیال زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مشق نہ ہو تو آدمی اپنے خیال کے مزے میں چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اِرادہ بن جاتا ہے۔ لیکن اِرادہ پر بھی پکڑ نہیں ہے جب تک کہ عمل سرزد نہ ہو جائے یا آدمی عمل کرنے کی کوشش نہ کر لے۔ تو وسوسہ کو شروع سے ہی ٹال دینا چاہیے، کیونکہ برے خیال میں مبتلا ہونے سے آدمی کو گناہ تو نہیں ہوتا لیکن قلب کو نقصان ضرور ہوتا ہے۔ اور پھر اِرادہ کے پختہ ہونے سے گناہ میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ تو یہ اثرات زور سے نہیں آتے بلکہ ہم خود ان کے اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ ان اثرات سے بچنے کے لیے ذِکر کا اہتمام ضروری ہے۔ اگر ذِکر صرف آدمی کی زبان پر ہی ہو اور دِل میں بالکل دھیان نہ ہو تو یہ ذِکر بھی آدمی کے جذبات کو دُرست رکھنے کے لیے کافی مددگار رہوتا ہے۔

حق طریقہ ونیت اور فاسد طریقہ ونیت:

فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارا برخوردار اپنے کالج میں اصلاح کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے فساد کھڑا کر دیا۔ اصلاح تو اُس نے کرنی ہے جس کی کارکردگی سے اصلاح ہو جائے، جس کی کارکردگی سے اصلاح نہیں ہوتی ہے اور فساد پیدا ہوتا ہے تو اس کے ذمے تو عند اللہ اصلاح واجب ہی نہیں ہے۔ میں کسی جگہ جا کر حالات کو دُرست کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور وہاں حالات اور خراب ہو جاتے ہیں، مثلاً میں کسی جگہ ڈھول باجے روکنے کے لیے گیا، وہ تو رُکے نہیں اور خدانخواستہ کوئی قتل ہو گیا یا فوجداری ہو گئی، تو اب بتائیں کہ میں نے

اصلاح کی یا میں نے فساد پھیلایا۔ تو ایسے آدمی کے ذمے ہے ہی نہیں جس سے اصلاح ہونے کی بجائے اور فساد ہو جائے۔ ایسے آدمی کو اس بُرے عمل کو دل میں بُرا سمجھتے ہوئے ان کے لیے دُعا کرنی چاہیئے، عمل سے نفرت و عداوت رکھیں اور عمل والوں سے قطع تعلق کریں، ان کے لیے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرما دیں۔ بڑی باریک بات ہوتی ہے کہ آدمی ایک برائی کو روک رہا ہوتا ہے لیکن نفس کے غصے کے جذبے کو مطمئن کرنے کے لیے اور دوسرے کو گھٹیا اور ذلیل کرنے کے لیے اور اپنی بہادری اور کروفر کو ثابت کرنے کے لیے۔ یہ نہی عن المنکر نہیں ہے بلکہ یہاں تو نیت اور بنیاد ہی فاسد ہے۔

ایک مولوی صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا یہ بے پردہ عورتیں.... ان کی ایسی تیسی ان کو پکڑو اور ان کو ٹھیک کرو، دیہاتی لوگوں کو اس بات سے بڑا مزہ آیا لیکن جن کی عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں ان کو بہت ناگوار لگا کیونکہ یہ طرز طنز اور تنقید کا تھا جس کا ردِ عمل ناگوار ہوتا ہے کیونکہ یہ اصلاح اور خیر خواہی کی وجہ سے نہیں کہہ رہا۔ ہمارے بزرگوں میں حضرت قاضی زاہد الحسینی صاحبؒ تھے، درس دے رہے تھے، بہت بڑی شخصیت، بہت بڑے عالم اور اللہ کے تعلق والے۔ تو اس میں عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں، چونکہ اسلامیات کے ریٹائرڈ پروفیسر تھے اس لیے پڑھے لکھے لوگ اور عورتیں درس میں آتی رہتی تھیں۔ تو اُنھوں نے کہا کہ میری بچیاں کچھ آئی ہوئی ہیں اور پردہ نہیں کر رہی ہیں، دیکھئے... اس کا بہت بڑا نقصان ہے اور سب کی خدمت میں میری طرف سے درخواست ہے کہ پردہ کیا کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بہت برکتیں اور رحمتیں نصیب فرمائے اس پر عمل کر لیں تو بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔ تو سب کو بہت ندامت ہوئی، سب نے کہا بالکل ٹھیک ہے ہم پردہ کریں گی۔ یہ طریقہ حق ہے اور نیت حق ہے۔ جب طریقہ فاسد ہوتا ہے اور نیت فاسد ہوتی ہے تو اس سے اثرات برے آتے ہیں۔

دعا یا بد دعا فقط الفاظ نہیں جو ہم کہتے ہیں بلکہ یہ قلب کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو ہمارے دِل میں کسی کی خدمت یا اذیت سے پیدا ہوتی ہے:

فرمایا کہ نفس کا کچلنا مشکل ہوتا ہے۔ نفس کا کچلنا ہو جائے تو انشاء اللہ آپ مال، جان، اولاد ہر چیز میں واضح برکت کو آتا دیکھ لیں گے۔ میں ایک جگہ گیا تو وہاں ایک عورت نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! میرے بچوں کے لئے دُعا کریں۔ میں نے کہا دعا تو میں کروں گا مگر تم بچوں کے والد صاحب کو ستایا مت کرو، کیونکہ مرد نے شکایت کی تھی کہ مجھے بہت ناگوار باتیں کرتی ہے، تلخ باتیں کہتی ہے کیونکہ عورت مالدار ہے، اس کا مال گھر میں چل رہا ہے، میں نے کہا کہ اگر تو بچوں کی ترقی چاہتی ہے تو خاوند کو ستایا نہ کر، میں دعا کروں گا لیکن نسخہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ بعض مرد کہتے ہیں کہ دعا کرو بچوں کا مستقبل کھلے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ بیوی کو ستایا مت کرو تو تمہارے بارے میں بھی خیر کے حالات آئیں گے۔

ہم نے آپس میں ایک دوسرے کے دِل دُکھائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ایک دوسرے کے لئے دل سے دعا کی چاہت نہیں ہوتی۔ دُعا الفاظ تو نہیں ہیں جو ہم کہتے ہیں بلکہ دعا قلب کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو ہمارے دل میں کسی کی خدمت یا اذیت سے پیدا ہوتی ہے۔

اللہ کا تعلق کثرتِ ذکر اور کثرتِ نوافل کو نہیں کہتے بلکہ یہ باطن کے درست ہونے کو کہتے ہیں:

فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک میواتی نے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ میں بھی میواتیوں کے علاقے میں گیا ہوا ہوں۔ بڑا کارنامہ ان کا یہ ہوتا ہے کہ دَلی ہوئی گندم کو اُبال کر اُس میں بھینس کا خالص دودھ ڈال کر اور اس میں گڑ یا شکر ڈال کر مہمان کو کھلاتے ہیں،

اسے کھیر کہتے ہیں۔ یہ اُن کی بڑی زبردست دعوت ہوتی ہے۔ میواتی نے اپنی بیوی سے کہا کہ کھیر پکالو۔ اس نے کھیر پکائی لیکن غلطی سے کھانڈ (چینی) کے بجائے نمک ڈال دیا کیونکہ کھانڈ بھی سفید ہوتی ہے، تو جتنی مقدار میں چینی ڈالنی تھی اتنا نمک ڈال دیا۔ حضرت مولانا الیاسؒ نے اس کو بغیر کسی ناگواری کے کھالیا، الحمدللہ پڑھا اور اُس آدمی سے کہا کہ آپ میرے ساتھ آئیں، ساتھ لیا اور تین دن کے لئے جماعت میں بھیج دیا، اس خطرے کے پیشِ نظر کے بعد میں یہ گھر جائے گا اور خود کھائے گا تو کرے گا بیوی کی پٹائی اور دیہاتی آدمی ہے، اُس کی ہڈی پسلی توڑ دے گا اور اس بیچاری نے اس کو پکایا، اتنی تکلیف برداشت کی اور اب شکریہ اور دُعائیہ کلمات کے بجائے اس کی پٹائی ہوگی، لہٰذا اس کو ساتھ لے جانا چاہئے۔ کچھ عرصہ بعد اس آدمی کو پتہ چلا کہ حضرت صاحبؒ نے وہ نمک والی کھیر کھالی تھی اور بولے تک نہیں! تو میرے بھائی اس کو ولایت کہتے ہیں۔ ولایت کثرتِ تہجد کو نہیں کہتے، یہ میں آپ کو صاف بتادوں۔ اللہ کا تعلق، کثرتِ ذکر اور کثرتِ نوافل کو نہیں کہتے بلکہ یہ باطن کے درست ہونے کو کہتے ہیں۔ ذِکر کا ثواب ضرور ہے، تہجد کا ثواب ہوجاتا ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ باطن بن رہا ہے کہ بگڑ رہا ہے!

باطنی فیض:

فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے علاقے میں ایک تقریر ہورہی تھی۔ ہم نے سنا تھا کہ مقرر بڑی زبردست تقریر کرتے ہیں، بڑا مزہ آتا ہے۔ ہم بھی چلے گے سننے کے لئے۔ تقریر سنی واقعی بڑا جوش وخروش اور بڑا لطف ومزہ آیا۔ واپس آئے تو ویسے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ یہ جوش وخروش لطف ومزہ اور چیز ہوتی ہے اور نورانیت اور چیز ہوتی ہے بہرحال ہمیں کیا اندازہ۔ ہمارے گاؤں میں ایک نقشبندیہ خانقاہ ہے، اس کے بڑے کاملین لوگ ہیں، ہم ان بزرگوں سے ملنے کے لئے گئے۔ اور لوگ بھی گئے۔ لوگوں نے تقریر کی کارگزاری سنائی تو بزرگوں نے

فرمایا: ماشاءاللہ جوش وخروش بہت ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے آخرت کے لحاظ سے انتہائی محتاط رویے کی وجہ سے زیادہ تبصرہ نہیں کیا۔ بندہ کو تسلی ہوئی کہ واقعی انوار اور فیض کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہاں سے اُٹھنے کے بعد آدمی کی نیکی کی توفیق میں اضافہ ہوا ہو خواہ مزہ آیا ہو یا نہ آیا ہو، جوش وخروش طاری ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن نیکی کی توفیق میں اضافہ ہوا تو سمجھیں کہ فائدہ ہو گیا ہے اور اگر نیکی کی توفیق میں اضافہ نہیں ہوا تو سمجھیں نِرا جوش وخروش تھا، یا کہنے والے میں کمی ہے یا سننے والے میں یا دونوں طرف سے ایک ہی حال ہے۔ فائدہ کیا ہوا؟ کسی سلسلے کے حق ناحق ہونے کے بارے میں آدمی اگر آگاہی حاصل کرنا چاہے تو یہ دیکھے کہ اس میں جانے آنے والوں کی آخرت کی فکر اور آخرت کے اعمال کی فکر اور آخرت کے اعمال کی توفیق میں اضافہ ہو رہا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں ہو رہا ہے تو نری تحریک ہی ہے فائدہ اور فیض نہیں۔

عملی شرک اور اعتقادی شرک:

فرمایا کہ شہر کے موٹر بارگین والوں نے کاروبار چلایا ہوا ہے کہ آدمی پر گاڑی بیچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے آپ پر یہ گاڑی بیچ دی ہے۔ آپ مجھے دس ہزار روپے ابھی دے دیں اور پھر مجھے ماہوار قسط دیتے رہیں۔ اس طرح دو لاکھ کی گاڑی چار لاکھ کی بیچ دیتے ہیں۔ پھر دوسرے دن وہ آدمی آتا ہے کہ میں یہ گاڑی نقد پیسوں پر بیچنا چاہتا ہوں۔ بارگین والے دو لاکھ کی خرید لیتے ہیں، اس طرح دو لاکھ جو سود ہوا، اس کو اِس حیلے میں چھپا دیا۔ ہم نے نعوذ باللہ دکان کو، کاروبار کو، زمینداری کو، کھیت کو، زمین کو خدا مانا ہوا ہے کہ میری روزی رسان یہ چیزیں ہیں۔ لہٰذا دھوکا، جھوٹ، فریب نہیں کروں گا تو کھاؤں گا کہاں سے؟ اس کو علماء عملی شرک کہتے ہیں۔ ایک اعتقادی شرک ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر اعلان کر دے کہ میں لات و منات کو خدا مانتا ہوں یا حسن ابدال میں سکھوں کے پنجہ صاحب کو خدا مانتا ہوں، اس کو اعتقادی شرک کہتے ہیں۔ عملی شرک یہ ہے کہ آدمی معبود مان کر اس کو سجدہ تو نہیں کر رہا مگر اس کا عمل اس سے متاثر

ہو رہا ہے۔ فرض کریں سونے کا بت بنا کر یہاں کھڑا کر دیا جائے اور میں آپ سے کہوں کہ اس کو سجدہ کریں، اس کی عبادت کریں کیونکہ اس سے کام بنتے ہیں تو سارے کہیں گے کہ یہ تو شرک اور کفر کی دعوت دے رہا ہے۔ اس کو پکڑو، مارو اور قتل کر دو کیونکہ یہ کہتا ہے کہ بت سے کام بنتے ہیں۔ اور بت کو توڑ کر سونے کی اشرفیاں بنا دوں اور کہوں کہ اس سے کام بنتا ہے تو سارے کہیں گے کہ ہاں یہ ٹھیک کہتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو توڑ کر مفاد کو لینا ہی دراصل مفاد کو خدا ماننا ہے، اسی کو تو عملی شرک کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت میں فرمایا ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ (الجاثیہ ۲۳) یعنی کیا تو نے اس آدمی کا حال دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

عذابِ ادنیٰ اور عذابِ اکبر:

فرمایا کہ جن لوگوں نے جہنم سے گزرنا ہو اور اُن کی معافی وہاں پر لکھی گئی ہو یعنی ان کی معافی وہاں پر ہوگی تو یہ آدمی دُنیا میں خراب اعمال کرے تو یہاں اس کی پکڑ نہیں ہوتی، اس کے لئے پکڑ وہاں پر ہے۔ ہمارے ایک ساتھی تھے، یہ کافی عرصہ پہلے کی بات ہے، آئے اور کہا کہ بھائی کا دو کروڑ روپے کا کاروبار تھا ڈوب گیا، دیوالیہ ہو گیا اور ان کو پشاور چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ میں نے پوچھا کہ ان کے کاروبار کی بنیاد میں کوئی حرام چیز تو نہیں تھی؟ اس نے بتایا کہ ہاں جی سودی حساب کتاب تھا۔ تو اس ساتھی سے میں نے کہا کہ چونکہ آپ کا خاندان دیندار ہے، بڑوں نے آپ کو حلال کمائی پر پالا ہے اور آپ کے حالات سے یہ نظر آ رہا ہے کہ آپ لوگوں کا جہنم سے گزرنا نہیں ہے۔ اس لئے آپ کی پکڑ یہاں پر ہو رہی ہے کہ کاروبار فیل ہو رہا ہے، دھکے کھا رہے ہیں، پریشان ہو رہے ہیں۔ یہاں کی پریشانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آخرت کی پریشانی سے چھڑا دے گا۔ جن کی یہاں پکڑ ہو جاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے کہ دُنیا کے عذاب کو عذابِ ادنیٰ کہا گیا ہے اور آخرت کے عذاب کو عذابِ اکبر۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَo (السجدة: ۲۱)

ترجمہ: ''اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دُنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب (جس کی آخرت میں وعید ہے) سے پہلے چکھا دیں گے تاکہ یہ لوگ (متاثر ہو کر کفر سے باز آئیں''۔ (معارف القرآن)

ان کو ہم چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے بڑے عذاب سے پہلے۔ تو بعضوں کو جہنم سے گزرنا ہی نہیں ہوتا ہے لہٰذا دنیا میں پکڑ دھکڑ ہو جاتی ہے۔ دنیا میں مصیبتیں، پریشانیاں اور مشکلات جھیل کر آخرت کے لحاظ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور جن کی پکڑ آخرت میں ہو وہ دنیا میں مزے کر رہے ہوتے ہیں۔ کفار بھی سارے خراب اعمال کے ساتھ دنیا میں مزے کر رہے ہیں اور ایسے ہی وہ فاسق مسلمان جنہیں جہنم سے گزرنا ہے ان کی دنیا میں پکڑ کم ہو گی، ان کی پکڑ آخرت میں ہو گی۔ خراب اعمال کے اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

کتاب اللہ کا واسطہ اور رجال اللہ کا واسطہ:

فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے دِین کو دو جگہ سے حاصل کرنا۔ ایک تو دِین کو اُن اہلِ علم کی کتابوں سے حاصل کرنا جو کہ اللہ کے تعلق والے گزرے ہیں۔ ہمیشہ اپنے آپ کو معیاری دِین سیکھنے کے لئے معیاری دینی لائبریری کا عادی بنانا۔ یہ بات میں آپ کو واضح بتا دوں۔ اللہ کے مقبول بندوں کی کتابیں آپ کو صحیح دِین دیں گی، یہ کتابُ اللہ کا واسطہ ہو گیا اور دوسرا ہے رجال اللہ کا واسطہ، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کا تعلق اور صحیح عمل حاصل ہے یعنی اللہ والے لوگ۔ حکومتی اِداروں نے تو حکومت کی کارکردگیوں کو سراہنا ہوتا ہے، ان کو آگے بڑھانا ہوتا ہے اور ان کے مقصد کے لئے کام کرنا ہوتا ہے۔ جس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی وفات ہو گئی، لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا اور بیوروکریسی کفر کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہی تھی تو انھوں نے آکر اقتدار پر قبضہ کیا۔ غلام محمد گورنر جنرل ہو گیا اور باقی سارے گھسے پٹے خوار

سیکریٹری، ڈپٹی سیکریٹری اور سیکشن افسر قسم کے لوگ پوسٹوں پر آبیٹھے اور آگے انھوں نے حالات سازگار کر کے سراج الدولہ کے غدار میر جعفر کے پڑپوتے سکندر مرزا کو صدر بنا دیا۔لیکن اس وقت علماء جاندار تھے، وہ سیاست حکومت بنانے، پوسٹ (عہدہ) لینے، جوڑتوڑ کرنے کے لئے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ خاص دِینی کام یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کا کام کیا کرتے تھے۔انھوں نے شریعت کا شدید مطالبہ کیا اور گورنر جنرل غلام محمد کو اندازہ ہوا کہ اس مطالبے سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ اس نے باقاعدہ غلام احمد پرویز کو فنانس ڈیپارٹمنٹ کے سیکشن افسر سے ریٹائر کر کے اور بہت سارا فنڈ دے کر اس بات کے لئے بٹھایا کہ وہ دِین کی ایسی تعبیر کرے کہ جو حضور ﷺ کی بیان کردہ اور صحابہ کرامؓ کی تشریح کردہ اور ائمہ مجتہدین کی پیش کردہ نہ ہو بلکہ وہ بالکل قرآن کی شکل میں کمیونزم (Communism) اور سیکولرازم (Secularism) کی صحیح تصویر (True Copy) بن جائے۔ وہ لادینیت، اباحیت اور سوشلسٹانہ نظام کی نمائندہ بن کر سامنے آجائے۔اس آدمی کا فنڈ کھا کھا کر، کتابیں لکھ لکھ کر، رسالے شائع کر کر کے کلیجہ پھٹ گیا لیکن اپنی بات کو پھیلا کر نہ دے سکا۔

بھائی میرے! اپنے آپ کو لائبریری میں جا کر اہل اللہ کی کتابوں کا عادی بنائیں اور اللہ والوں کی تحریکوں میں جا کر دِین کو سیکھنے کا عادی بنائیں، مساجد میں بیٹھنے کا اپنے آپ کو عادی بنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا ہو، آپ محفوظ ہوں اور آپ کی پریشانیاں دور ہوں۔

بغیر اسباب کے توکل کرنا آسان ہے جبکہ تمام اسباب کے ہوتے ہوئے توکل کرنا مشکل ہے:

فرمایا کہ سارے کے سارے اسباب سایہ، ظل اور بہانہ ہیں، اور ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جانے والے ہیں، ان کا وجود انسانوں کی تسلّی کے لیے اللہ نے قائم کیا ہے۔ بیماری

میں آدمی ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتا ہے اس کی کچھ تسلی ہو جاتی ہے، پیسے خرچ کر لیتا ہے تو کچھ آسرا ہو جاتا ہے، دوائی کھالیتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ کچھ ہو گیا۔اس لیے بزرگ کہتے ہیں کہ بغیر اسباب کے توکل کرنا آسان ہے، کہ جب کچھ ہے ہی نہیں تو آدمی کہتا ہے اللہ کا آسرا ہے وہ جو کرے گا ہو گا۔اور جب سارے اسباب اعلیٰ سے اعلیٰ موجود ہوں اور اختیار کیے ہوئے ہوں اور پھر آدمی یہ سمجھ رہا ہو کہ اللہ پاک کرے گا اور جب تک اللہ تعالیٰ نہیں چاہے گا تو نہیں ہو گا یہ توکل مشکل ہے۔ کیونکہ اب آدمی بے نیاز ہوتا ہے اور اس کی طبیعت توکل کی طرف مائل نہیں ہوتی۔

ماسٹر اسلم صاحب ہمارا ایک ساتھی ہے وہ ایک دفعہ آیا، میں نے کہا کس لیے آئے ہو؟ تو اس نے کہا کہ تبدیلی کرانی ہے، ڈویژنل ایجوکیشنل افسر فلانا ہے جو ہمارا دوست ہے ،ڈسٹرک افسر فلانا ہے جو ہمارا دوست ہے، بس جاتا ہوں اور آج تبدیلی کراتا ہوں۔اس نے جُوں ہی یہ بات کہی تو میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ اس نے تو اسباب کا ایسے تذکرہ کیا کہ گویا اسباب سے کام بنتا ہے، اللہ خیر کرے۔اب گیا اور سارا دن پھرتا پھراتا شام کو تھکا ماندہ واپس آیا اور کہنے لگا.....خدا فلانے کو غرق کرے، خدا فلانے کو غرق کرے، میرا کام نہیں کیا۔ میں نے سوچا کہ ان کو کیا اختیار تھا کام کرنے کا۔کام کرنا نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کا اختیار تھا، اللہ نے نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔

ہمارے اعمال، خیرات وقربانی سب نمود ونمائش کے لئے ہوتے ہیں:

فرمایا کہ اہلِ علم کا تھوڑا عمل بہت اَجر وثواب دِلانے والا ہوتا ہے۔اور عابد گو اس کی بڑی عبادت ہو لیکن علم نہ ہو تو اس کی بہت زیادہ محنت اس کو تھوڑا دلاتی ہے۔تو اپنے وقت کو کس عمل میں استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ اَجر لینا چاہیے۔اس کا عابد کو تجربہ نہیں ہوتا،

اس کا فہم نہیں ہوتا کہ کیا چیز، کون سی بات کتنی اہم ہے تو اس سے آدمی نقصان اُٹھا لیتا ہے۔ ایک آدمی زکوٰۃ عشر نہیں دے رہا اور نفل حج کے لیے جا رہا ہے۔ اب جو اس نے لاکھ ڈیڑھ لاکھ نفل حج پر خرچ کیا اگر اس نے بیس ہزار زکوٰۃ ادا نہیں کی ہوئی اور تیس ہزار عشر ادا نہیں کیا ہوا تو اس پچاس ہزار کی کمی کو نفل حج پورا نہیں کر سکتا۔ ہمارے گاؤں کا کیس ہے، ہمارے محلے کا ایک آدمی تھا کینسر سے اس کی وفات ہوگئی، اس کا گجرانوالہ میں کاروبار تھا، کافی پیسے اس کے ذمے قرض رہ رہے تھے۔ اس کی برادری نے ایک بچھڑا ذبح کر کے خیرات کی۔ میں نے کہا کہ آدمی تو مقروض تھا، اگر اس کے کوئی پیسے تھے، خیرات کے آٹھ دس ہزار روپے تو قرض والوں کو دینے چاہیے تھے۔ جواب ملا کہ قرض تو نہیں لوٹایا اور خیرات کی ہوئی ہے کیونکہ جو خیرات نہیں کرتا تو گاؤں میں شلوار اُترتی ہے یعنی بہت بے عزتی ہوتی ہے۔ تو بے عزتی سے جان چھڑانے کے لیے خیرات کر رہے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے نہیں۔ اگر اللہ کی رضا کے لیے ہوتی تو قرضہ جو فرض واجب تھا اس کو ادا کرتے۔ سچ بات ہے ہماری باتیں نمود و نمائش کے لیے ہوتی ہیں، اللہ معاف کرے خیرات بھی نمود و نمائش کے لیے، قربانی بھی نمود و نمائش کے لئے کرتے ہیں۔

ہمارے ایک ساتھی کے والد صاحب حج پر گئے ہوئے تھے، تو ان کے ساتھ قبائلی علاقے کے ایک مَلک صاحب بھی تھے۔ جب حج ہو گیا تو مَلک صاحب گھر والوں کو خط لکھ رہا تھا کہ فلانی تاریخ کو میں پہنچ رہا ہوں، پچھلے سال فلانے مَلک کا جو استقبال ہوا تھا اتنا استقبال اگر میرا نہ ہوا تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے:

فرمایا کہ گلستان میں سعدیؒ نے تہجد کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ حضرت سعدیؒ کہتے ہیں کہ نوعمری میں والد صاحبؒ کے ساتھ تھا۔ والد صاحبؒ اور میں نمازِ تہجد کے لیے اُٹھے اور باقی دو

تین آدمی سوئے ہوئے تھے۔ میں نے والد صاحبؒ سے کہا کہ یہ تو پہلو ہی نہیں بدل رہے ہیں، تہجد کے لیے اُٹھتے ہی نہیں.... اگر اُٹھ کر دو رکعت پڑھ لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ تو سعدیؒ کہتے ہیں کہ والد صاحبؒ نے مجھ سے کہا کہ کاش... تُو بھی نہ اُٹھا ہوتا تو اچھا ہوتا کہ اس اُٹھنے سے تُو نے اپنے آپ کو ان سے اتنا بہتر سمجھ لیا کہ ان پر طنز کر رہا ہے کہ سوئے ہوئے ہیں اٹھتے ہی نہیں۔ تو فرض واجب کو ہم پورا نہیں کرتے، اور نوافل میں خوب زور لگا رہے ہوتے ہیں۔ نوافل اوّل تو اگر صحیح نیت کے ساتھ بھی ہوں تو فرض اور واجب کی کمی کو پورا نہیں کر سکتے اور وہ جو ہمارے نوافل وغیرہ فاسد نیت سے ہوتے ہیں تو محض شیطان کے راستے پر سب کچھ چلا جاتا ہے۔

میڈیا کے اثرات کی وجہ سے عوام بے دِینی کا شکار ہیں:

فرمایا کہ موجودہ حالات میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب بے دِینی کی وجہ سے ہو رہا ہے، دینداری عوام میں نہیں ہے لہٰذا یہ اپنے مسائل کے حل کرنے کی دِینی ترتیب کو اختیار نہیں کرتے اس لئے مسائل میں اُلجھتے ہیں اور پھر میڈیا ہے وہ ہر مرد کے سامنے خوبصورت سے خوبصورت عورت کی تصویر لا رہا ہے اور اس کو احساسِ محرومی کا شکار (Frustrate) کر رہا ہے اور ہر عورت کے سامنے خوبصورت سے خوبصورت مرد کی تصویر لا رہا ہے اور اس کو فرسٹریٹ کر رہا ہے اور اتنے اُونچے معیارِ زندگی کو دکھایا جاتا ہے کہ وہ ہر ایک آدمی کو فرسٹریٹ کر رہا ہے۔

ایک بات آپ کو عجیب سناؤں جو میرے تجربے سے گزری، یہ معاشرے کے ناسور ہیں۔ ایک ڈاکٹر صاحب آیا اس نے کہا جی شادی ہوگئی ہے اور گھر والی بالکل نباہ نہیں کر رہی ہے۔ اس کو مختلف ترتیبیں میں نے سمجھائیں، اندازہ ہوا کہ کوئی نبھنے کے حالات نہیں ہیں۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! آپ خفا نہ ہوں اور میری اس بات کا برا نہ منائیں، آپ کی گھر والی کے کہیں تعلقات ہیں۔ اس نے کہا نہیں ہمارا بڑا روایتی ماحول ہے۔ میں نے کہا مرضی

ہے آپ کی، بحر حال اس پہلو پر آپ غور کریں۔ایک دن وہ آیا اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اس کی ڈائری مجھے ملی ہے۔اس میں میں نے دیکھا کہ ایک نوعمر امریکی اداکار کی تصویر ہے اس کے نیچے اس نے لکھا ہوا تھا: In Heaven, I have been married to you. (عالم بالا میں... میری آپ کے ساتھ شادی ہوگئی ہے)۔میڈیا کے ہاتھوں تصویر کی عاشق ہو کر اس کے ساتھ شادی رچائے بیٹھی ہے جس تک پہنچ بھی نہیں سکے گی اور خاوند سے بیزار ہو رہی ہے۔میں نے کہا چلیں نباہ نہیں ہو رہا، سال دو سال کا عرصہ آپ نے کر لیا اب آپ فراغت حاصل کریں اور Let her suffer (اُسے خوار ہونے دیں)۔ پانچ دس سال بعد جب پیچھے مڑ کر دیکھے گی تو ٹرین جا چکی ہوگی اور ویرانہ ہی ویرانہ ہوگا ۔

حق کی خصوصیت اور باطل کی علامت:

فرمایا کہ جس وقت غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا نبوت کا تو اس زمانے میں ایک دوسرے آدمی عبد الطیف تیما پوری نے بھی دعویٰ کیا۔دو آدمی خریدے گئے تھے، آدھے ہندوستان یعنی پنجاب، یو۔ پی، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے لیے غلام احمد قادیانی کو خریدا گیا۔جبکہ بنگال، بہار اور اس طرف کا جو علاقہ تھا اس کے لیے عبد الطیف تیما پوری کو خریدا گیا تھا۔اس علاقے کے لوگ بڑے ہوشیار سمجھدار تھے انھوں نے اس کا گھیراؤ کیا اور گھیراؤ کرنے کے بعد کہا کہ باہر نکلے تو اسی جگہ اس کو قتل کیا جائے گا۔تو اس نے کہا مجھ پر نئی وحی آئی ہے۔کیا وحی آئی ہے؟ کہا یایھا النبیُّ تیما پور میں رہیو، اے نبی تیما پور سے باہر نہ نکلو، مجھے بس یہ وحی آ گئی ہے۔خیر وہ دھرنا مار کر بیٹھے ہوئے تھے، آخر جوں باہر نکلا تو اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔اس کی روشنی میں پھر انگریزوں نے غلام احمد قادیانی کے لیے پوری منصوبہ بندی کر کے اس کی حفاظت کے سارے کام مکمل کر کے پھر اس کو میدان میں چھوڑا ہے تا کہ

اس کے ساتھ بھی وہی رویہ نہ ہو۔ دعویٰ تو ہر کوئی کرسکتا ہے۔ بحث تو بہت آسان چیز ہے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

صحبت کی دُرستگی:

فرمایا کہ اپنی صحبت کو دُرست کرنے کے لئے صرف بیٹھنا اٹھنا ہی نہیں ہے، بلکہ تو جس چیز کو دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، جس کو بول رہا ہے، تیرے پاس کونسی کتاب ہے یہ ساری چیزیں مل کر صحبت بنتی ہیں۔ یہاں تک کہ کاملین میں بھی اگر نورانیت کا مکمل خاتمہ نہ ہو تو کمی ضرور آتی ہے۔ غلط مجلس میں جانے سے باطن میں ضعف ضرور آتا ہے۔ یہ ہسپتال والے ڈاکٹر حضرات جب مجھے رمضان میں بلاتے ہیں تو میں اپنے ساتھ دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر جاتا ہوں، تا کہ ہمارے ذاکرین پاس بیٹھے ہوں اور ہمیں قوت محسوس ہو، اور معصیت کے اثرات نہ آئیں۔ ورنہ آدمی پر اثرات آتے ہیں۔ کیونکہ ذِکر اذکار سے قوت پیدا ہوتی ہے اور اعمال صالحہ کی قوت بڑھتی ہے۔

ہیپاٹائٹس بی اور سی کی ویکسین:

فرمایا کہ آج کل طرح طرح کی بیماریاں سامنے آرہی ہیں، جو اس حدیث شریف کا مصداق ہیں کہ جب فحاشی اور بدکاری عام ہو جائے گی تو ایسی ایسی بیماریاں سامنے آئیں گی کہ لوگوں کے باپ دادا نے نہ سنی ہوں گی۔ آجکل ہیپاٹائٹس بی اور سی کا بہت چرچا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں پر خوف و ہراس چھا رہا ہے۔ ہر بیماری کے علاج کے لئے اسباب کا اختیار کرنا تو اچھی بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے روحانی اعمال میں مادی مسائل کا حل رکھا ہے۔ فقراء کا ایک مجرب نسخہ ہے اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ان بیماریوں سے حفاظت کی اُمید ہے۔ وہ یہ ہے کہ ظہر، مغرب اور عشاء کی دو سنتوں

کے بعد دو رکعت نفل پڑھی جائیں اور دونوں رکعتوں کے دوسجدوں کے درمیان مندرجہ ذیل دعا پڑھی جائے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَھْدِنِیْ وَرْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ وَجْبُرْنِیْ

ناشکری اور اعتراض:

فرمایا کہ میرے پاس ایک ڈاکٹر صاحب آیا اور کہنے لگا کہ لوگ شراب پیتے ہیں، گندگیاں کرتے ہیں اور ان کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کرتے، نمازیں بھی پڑھتے ہیں پھر بھی ہمارا کام نہیں ہوتا۔ اب میں نے کہا کہ میں اس کو کیسے سمجھاؤں کہ تو ایک لڑکی کے پیچھے پڑا ہوا ہے اس نے ایسی بے برکتی پیدا کی ہے کہ جہاں بھی تو جاتا ہے تمہارا کام نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجھ میں ناشکری ہے، اعتراض ہے۔ ناشکری اور حق تعالیٰ شانہٗ پر اعتراض سے تو آدمی اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جو ظاہری معصیت میں پڑا ہے۔ حضرت مولانا زکریاؒ نے معصیت کی دو قسمیں لکھی ہیں معصیت شہوانی اور معصیت عقلی۔ بدکاری وغیرہ یہ معصیت شہوانی ہیں اور یہ کم گناہ ہیں بمقابلہ معصیت عقلی کے۔ کبر عقلی گناہ ہے، ناشکری عقلی گناہ ہے، اللہ و رسول پر اعتراض عقلی گناہ ہے۔ اب تجھے میں کیا سمجھاؤں کہ جس کے اندر ناشکری اور اعتراض ہوتا ہے اس کی زندگی ڈانواں ڈول رہتی ہے۔

دِین میں سمجھ بوجھ ضروری ہے:

فرمایا کہ اکثر لوگ نفل حج کے لیے ماں باپ کو بھیج رہے ہوتے ہیں لیکن سود کے پیسوں سے اور مقصد پیچھے وہی دُنیا ہے کہ ہمارے ماں باپ حاجی صاحبان کے طور پر مشہور ہوں۔ یا خود بار بار حج کرتے ہیں تاکہ الحاج کہلائیں حالانکہ زکوٰۃ وعشر وغیرہ ادا نہیں کرتے۔ یا ماں باپ کی وفات ہو جاتی ہے اور ان کے ذمے دس سال کی قضا نمازوں کا کفارہ آتا ہے تو بجائے اس کو ادا کرنے کے نفل حج کرا رہے ہیں۔

رواجی دِینداری اور شرعی دِینداری:

فرمایا کہ ہمارے ہاں رواجی دِینداری ہے شرعی دِینداری نہیں ہے۔ ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب کی شادی ہوئی، ان کے پاس ہاسٹل میں ایک کمرہ تھا اور ساتھ ایک چھوٹا سا برآمدہ۔ اس میں یہ دونوں اور ساتھ اس کے والدین اور والدین نے دوسرے بیٹے کو بیوی بچوں سمیت بلا لیا کہ ہماری خدمت اِس کی بیوی نہیں کرتی وہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بیوی کو ایک چارپائی دے دی کہ اس پر تیرا حق ہے۔ کچھ عرصہ ہنگامے اور جھگڑے ہوئے تو بیوی رُوٹھ کر چلی گئی۔ انہی دِنوں میں نے اپنی کتاب "اصلاح نفس" تقسیم کی تھی جس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ نہ تو ماں باپ کی خاطر آدمی بیوی کے حقوق ضائع کرے اور نہ ہی بیوی کی خاطر ماں باپ کے۔ ان ہی دنوں ڈاکٹر صاحب کے والد صاحب نے بہو کی پٹائی بھی کر دی، کیونکہ سسر یہ سمجھتا تھا کہ باقی حقوق کے ساتھ ساتھ ایک میرا حق بہو کی پٹائی کرنے کا بھی ہے۔ حالانکہ پٹائی کا حق تو خاوند کو بھی نہیں ہے۔ آدمی بیوی کو صرف نماز ترک کرنے پر مار سکتا ہے اور میلا کچیلا رہنے پر مار سکتا ہے کہ عورت جب باہر جا رہی ہو تو خوب بن سنور کر جائے اور گھر میں میلی کچیلی رہے تو اس پر مار سکتا ہے۔ کھانے میں نمک کی کمی زیادتی پر پٹائی نہیں کر سکتا۔ اور پٹائی کا طریقہ بھی یہ ہے کہ پتلی شاخ سے پنڈلیوں اور رانوں پر اتنا مارے کہ نشان نہ پڑے اور ہڈی نہ ٹوٹے۔ یہ پٹائی بھی جائز ہے بہتر نہیں ہے۔ آدمی کی نااہلی کا ثبوت ہے کہ وہ بات پٹائی تک لے آئے۔

باطل لوگ دِین کو خراب کرنے کے لئے (Media) ذرائع ابلاغ کے مختلف چینلز (Channels) استعمال کر رہے ہیں:

فرمایا کہ ہمارے اکثر دینی حلقوں کے ساتھی رابطہ کرتے رہے اور باتیں پوچھتے

رہے یا شکایات پہنچاتے رہے۔ وہ یہ تھیں کہ باطل لوگ دِین کو خراب کرنے کے لئے (Media) ذرائع ابلاغ کے مختلف چینلز (Channels) استعمال کر رہے ہیں۔ غیر ملکی بھی اور اپنے ملک میں حکومتِ پاکستان بھی ایسے افراد کو ٹیلی ویژن پر بلوا رہی ہے جو واضح طور پر قرآن کی واضح تعلیمات کے خلاف بول رہے ہیں اور پاکستان کے چینلز سے بول رہے ہیں اور اتنا خراب بول رہے ہیں کہ جس کو تھوڑی سی بھی دِین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا آدمی سن نہیں سکتا۔ اور حیرت یہ ہے کہ گزشتہ حکومت میں دو صوبوں میں دینی حضرات کی حکومت رہی ہے اور اُس وقت بھی سنا ہے یہ لوگ بولتے رہے لیکن ان صوبائی اسمبلیوں نے ایک قرارداد تک منظور کر کے نہیں بھیجی۔ خیر یہ تو ایک علیٰحدہ بات ہے، حکومت جانے ان کا کام جانے، اقتدار میں آنے والوں کو کئی باتوں میں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَولاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلیٰ اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَo وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ط اِدْفَعْ بِاالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَالَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌo وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ o وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِا اللّٰہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ العَلِیْمُo (حم السجدۃ: ۳۳ تا ۳۵)

ترجمہ: ''اور اُس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور (اظہارِ اطاعت کے لئے) کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو) آپ ﷺ (مع اپنے متبعین کے) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے پھر (آپ ﷺ دیکھیں گے کہ) آپ ﷺ میں اور جس شخص میں عداوت (دشمنی) تھی تو ایسا ہو جائے گا کہ جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات اُن ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے

جو (اخلاق کے اعتبار سے) بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات ان کو نصیب ہوتی ہے جو (ثواب کے اعتبار سے) بڑے صاحب نصیب ہیں۔ اور (ایسے وقت میں) آپ کو شیطان کی طرف سے (غصہ) کا کچھ وسوسہ آنے لگے تو (فوراً) اللہ سے پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے‘‘۔ (معارف القرآن)

میں نے جو آیت پڑھی وہ اس ساری بات کے مثبت توڑ کے لئے ہے۔ سارا میڈیا، سارے وسائل ساری فوجیں، سارا اسلحہ، سارا پیسہ اگر باطل کو پھیلانے میں لگ جائے اور باطل کو پھیلانے کے لئے کوششیں شروع کر دے اور آپ کے پاس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہو، نہ میڈیا کے چینلز ہوں، نہ آپ کے پاس پیسہ ہے نہ آپ کے پاس کچھ اور وسائل ہیں، کچھ بھی نہیں ہے۔ بس صرف آپ کی جان ہے، آپ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، کھانا کھا سکتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہے اور وہ سارے وسائل کے ساتھ، پیسے کے ساتھ، میڈیا کے چینلز کے ساتھ، اسلحے کے ساتھ فوجوں کے ساتھ آ رہے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں دو ہتھیار آپ کو دئے ہیں اور باقی قرآن پاک کی آیتوں کے ذریعے سے ایک تیسرا ہتھیار بھی دیا ہوا ہے۔ اس میں دو ہتھیار یہ دیئے ہیں۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحاًوَ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْن

ترجمہ: ’’اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو بلائے اللہ کی طرف۔ تو پہلا ہتھیار دعوت اِلی اللہ ہے‘‘۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت ہے: **وجاھدھم بہٖ جھاداً کبیرا**

ترجمہ: ’’اے پیغمبر ﷺ اس چیز کو لے کر آپ ان کے خلاف جہادِ کبیر کریں‘‘۔

یعنی قرآن کریم کی تعلیمات اور علوم کو لے کر، اس کو نہ ماننے والے اہل کفر کے کفر کے خلاف آپ دعوت دیں، اس بات کو بیان کریں، اس بات کو لوگوں کے سامنے لائیں اور ان سے مطالبہ کریں اس چیز کو لینے کا، اس کو قبول کرنے کا، اس پر چلنے کا، یہ دعوت الی اللہ ہے۔

یہ آیت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے لہٰذا مکی ہے۔اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ تھا کہ جس وقت آیت نازل ہوتی تھی، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اس کا صحیح ترجمہ اور تفسیر پوچھ لیتے تھے اور اسی وقت سے اس پر عمل شروع کر دیتے تھے۔ ہر مسلمان اللہ کے دِین کی دعوت دے اور اس کو بیان کرنا شروع کرے۔ مساجد میں اجتماعی ماحول میں، اکیلے میں انفرادی ماحول میں، ایک ایک آدمی کو بٹھا کر، ایک ایک آدمی کو لے کر اس کے ساتھ بات کریں، اس کو سمجھائیں۔ اگر آپ نے دعوت الی اللہ کا ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے تو سارے میڈیا کو آپ فیل کر دیں گے۔ ان کے سارے وسائل اور ترقیوں کو آپ سرنگوں کر دیں گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ سے کیا گلہ، میں مولوی آدمی اور دوسرے اہلِ علم بھی کسی سے ملتے ہیں تو ہم بھی دنیا کی باتیں اور فضولیات ہی بول رہے ہوتے ہیں، یہ کوشش نہیں کرتے کہ اس تھوڑے سے وقت کو، جس میں یہ آدمی ملنے کے لئے آیا ہے، دعوت کے لئے استعمال کر لیں۔

تو پہلا توڑ جو قرآن مجید نے بتایا وہ جہاد کبیر بتایا اور جہاد کبیر دعوت الی اللہ ہے۔ دین کی بات کو بیان کریں۔ ان کو درسوں کی شکل میں بیان کریں، ان کو بیانوں کی شکل میں بیان کریں، لوگوں کے پاس پھر کے ان کو جمع کر کے لائیں، ان کے لئے ماحول بنائیں، اس بات کو بولیں، اس بات کو سنائیں، اس بات کو لکھیں، اس بات کو شائع کریں، اس بات کو پہنچائیں لوگوں تک، اشاعت کے سارے مسنون طریقوں کو اختیار کریں۔ آیا وہ لکھ لکھا کر ہے، بول سنا کر ہے، پڑھ پڑھا کر ہے، یہ تین ترتیبیں ہیں۔ لکھ لکھا کر یعنی تصنیف و تالیف، بول سنا کر یعنی دعوت وتبلیغ اور پڑھ پڑھا کر یعنی درس وتدریس۔ یہ تین اِدارے یعنی تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس ہمارے پاس ہیں۔ ان کو بھرپور طریقے سے استعمال کریں اور کسی آدمی کو آپ ایسے نہ چھوڑیں جس تک دعوت کو پہنچا نہ سکیں۔ تو یہ

ایک ہتھیار آپ کو دیا گیا، اس کو استعمال کریں۔

دوسرا ہے وَعَمِلَ صَالِحًا، اس چیز کو لیکر چلنے والوں کا عمل نیک ہو۔ زبانی تقریر تھوڑا اثر کیا کرتی ہے، عمل زیادہ اثر کیا کرتا ہے۔ آپ کا عمل نیک ہو۔ صحابہ کرامؓ عملی شخصیات تھے۔ شمالی افریقہ میں مصر، سوڈان، الجزائر، تیونس، مراکش، لیبیا، ان میں کوئی بھی عرب ملک نہیں ہے، غیر عرب ہیں۔ ان کو بَر بَر کہتے ہیں۔ ان میں صحابہ کرامؓ گئے ہیں۔ ان کی زبانیں بھی نہیں جانتے تھے۔ چونکہ عملی شخصیات تھیں اس لئے ان کے عمل کو دیکھ کر انسان کا دل گواہی دیتا تھا کہ انسان یہی ہیں۔ تو جب انسان کسی دوسرے انسان کو معیاری پاتا ہے تو اس کی طرف اس کو کشش ہوتی ہے۔ تو انھوں نے اپنے عمل سے عالم انسانیت کو متاثر کیا۔ پورے شمالی افریقہ کے چھ ممالک جو میں نے آپ کو گن کر بتائے یہ عربی بولنے والے ممالک ہیں اور ان کے ساتھ بھی چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں عربی بولنے والے، ان کی زبان تک صحابہ کرامؓ نے بدلی ہے۔ تو دوسری بات یہ ہے کہ دعوت دینے والا آدمی خود اس کا عملی نمونہ ہو۔ اگر آپ اپنے دعوت کا عملی نمونہ ہیں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ سے آدمی متاثر نہ ہو۔

اور یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد اس کو ایسی عاجزی حاصل ہو کہ کہے میں تو ایک عام مسلمان آدمی ہوں۔ ہم تھوڑے سے اہلِ علم ہو جاتے ہیں، تھوڑی سی اچھی تقریر کر لیتے ہیں تو ہم بھی پھر اپنی دُم کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے۔ جیسے پشتو میں کہتے ہیں کہ لکے ته لاس لگولو ته نه پریگدی۔ (دُم کو ہاتھ لگانے نہیں دیتا) ہمارے ایک ساتھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ مُنگ عالمان یُو، دُوئی عامیان دی، مڑه پریگده عامیان۔ (ہم عالم ہیں، یہ عامی ہیں، رہنے بھی دو اِن عامیوں کو) تو میں کہا کرتا ہوں کہ دغه عامیان مُنگ نه زیات خه دی۔ (یہ عامی لوگ ہی ہم سے زیادہ اچھے ہیں)۔

اگر ہمارے دل میں ہے کہ ہم برتر ہیں، ہم اہل علم ہیں، ہمیں فوقیت حاصل ہے اور یہ جو عامی ہیں یہ گھٹیا ہیں ہمارے مقابلے میں تو اس سے تو ہم گھٹیا ہو گئے اور وہ بڑھیا ہو گئے۔ ہم پڑھ پڑھا کر گھٹیا ہو گئے۔ جس کے پاس تواضع نہیں ہوتی اس آدمی کی بات کبھی نہیں پھیلا کرتی۔ متکبر آدمی کی بات کبھی نہیں پھیلا کرتی۔

تو اس آیت نے یہ ہتھیار دیئے۔ دعوت الی اللہ، عمل صالح خود کرنا، داعی میں تواضع کا ہونا اور داعی کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آئے تو اس کا بدلہ اچھائی سے دے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائے گا اس کی بات پھیلے گی۔

تو میرے بھائی! غامدی اور عامر لیاقت ٹیلی ویژن پر ٹراتے رہیں۔ فضول باتوں کو اُردو میں ٹرانا کہتے ہیں۔ جیسے پشتو میں آپ کہتے ہیں "غاپی دے "(یعنی بھونکتے رہیں)۔ تو وہ ٹراتے رہیں، پھیلا تو ہمیشہ حق کرتا ہے، بشرطیکہ حق کو حق طریقے سے پیش کیا جائے۔

نو صاحبا! چه هغه غاپی نو غاپی دے کنه. ته سه کے ورسره. چی سپے غاپی نو ته به هم غاپے. دا ده عقل خبره ده؟ (جناب عالی! اگر وہ بھونکتے ہیں تو بھونکنے دو، آپ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اگر کتا بھونکے تو کیا آپ بھی اس کے ساتھ بھونکیں گے؟ کیا یہ کوئی عقل کی بات ہے؟) آپ خاموشی سے گزر جائیں وہاں سے۔ کیونکہ اس کی سطح اور آپ کی سطح میں بہت فرق ہے۔ کـه سپے دربـانـدے چك لگئی نو ته به پے چك لگے؟ اگر کتا کاٹنے کے لئے آگے بڑھے تو کیا آپ بھی اس کو کاٹیں گے؟ دفعہ کریں ان کو، امریکہ کا فنڈ کھا کر، باطل فنڈ کھا کر بھونک رہے ہیں تو بھونکنے دو۔

دورِ جدید میں بے دِینی اور کمزوریاں:

فرمایا کہ دورِ جدید میں جو بے دینی اور کمزوریاں آئی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ آدمی صاحبِ نصاب ہوتا ہے اور حج کرنے کی اس کو فکر نہیں ہوتی۔ یہ کوئی ضعیف سا مسئلہ ہے کہ زندگی میں ایک بار حج کرنا ہے۔ حج ایک بار کرنا تو فرض ہے۔ پھر اس میں تاخیر کرنا اور مؤخر نہ کرنا اس پر پوری بحث ہے اور راجح موقف مؤخر نہ کرنے کا ہے۔ تو جس سال حج فرض ہو گیا اسی سال کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

مَنْ مَلَکَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِغُهُ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ وَ لَمْ یَحُجَّ فَلاَ عَلَیْهِ اَنْ یَمُوْتَ یَهُوْدِیًا اَوْ نَصْرَانِیًا (الترمذی)

ترجمہ: ”اور کوئی اتنا زادِ راہ اور سواری رکھتا ہو کہ اسے بیت اللہ شریف تک پہنچا سکے اور پھر بھی وہ حج کے لئے نہ جائے، تو کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے“۔

بعض لوگ مشکلات میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں، اس کی بنیاد کسی نہ کسی جگہ پر عمل میں کوتاہی ہوتی ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (الروم: ۴۱)

ترجمہ: ”خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں“۔

بعض اوقات اس طرح کے مصائب فرض حج ترک ہونے کی وجہ سے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر صاحب بندہ کے شیخ کے پاس آئے اور کہا کہ میرے علاقے میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ مجھے مجبوراً تبدیلی کرانا پڑی کیونکہ میری جان خطرے میں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ پر حج تو فرض نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ حج تو مجھ پر فرض ہے، میں نے کہا کہ آپ حج نہ کرنے کے وبال میں گھرے ہوئے ہیں۔ یہ ہم اصلاحِ نفس اور قربِ

خداوندی بیان کرتے ہیں اپنی مجالس میں جو مقصودِ تصوف ہے، قربِ الٰہی کے لیے عام طور پر تصوف میں نوافل اور اذکار کی کثرت کرائی جاتی ہے لیکن محققین صوفیاء جانتے ہیں کہ یہ کثرت فرائض اور واجبات پورا ہونے کے بعد ہے۔

اے، سی، آر اور ڈی، سی، آر:

ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ فرمایا کہ سرکاری افسروں کی ایک خفیہ رپورٹ ہوتی ہے جسے A.C.R (Annual Confidentional Report) یعنی سالانہ خفیہ رپورٹ کہتے ہیں۔ اسکے مقابلے میں ہم لوگوں کی D.C.R (Daily Confidentional Report) یعنی روزانہ کی خفیہ رپورٹ ہے۔ آج ہم لوگ جن مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہیں تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دِن میں دو مرتبہ ہماری D.C.R اُوپر جاتی ہے اور پھر اس رپورٹ کے مطابق زمین پر فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت خیر و عافیت کی دُعا مانگتے رہنا چاہیے۔

فقہ حنفی بہت عملی (پریکٹیکل) ہے:

فرمایا کہ مدینہ یونیورسٹی میں چند غیر مقلد ہیں جو بہت تنگ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے تحریر، فتویٰ اور کتابیں مارکیٹ میں نکالی ہیں جس میں چاروں فقہوں کے خلاف لکھا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان میں مولانا اسعد مدنی صاحبؒ نے تقریباً پانچ لاکھ لوگوں کا اجتماع کیا اور سعودی حکومت کو نوٹس دیا کہ آپ کے لوگ دنیائے اسلام کے ۹۸ فیصد اہلِ السنّت والجماعت کے خلاف بول رہے ہیں۔ سعودی سفیر کو یہ یاداشت پیش کی۔ سفیر جب سعودی عرب گیا اس نے کہا آپ مجھے ایسے ملک میں سفیر بنا رہے ہیں جہاں پانچ لاکھ کا اجتماع ہمارے خلاف ہوا ہے۔ میں وہاں پر کیا سفارت کروں گا؟ یا اس مسئلے کو حل کرو

یا مجھے واپس کرو۔ سعودیوں نے رابطہ کیا اور کہا کہ کچھ نا سمجھ لوگوں نے یہ بات کہی ہے، ذمہ دار لوگوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ ہندوستان والوں نے کہا کہ تمہاری یونیورسٹی کے جو پی۔ایچ۔ڈی اور تخصص کے مقالے ہیں ان میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور تمہارے مسجدِ نبوی کے امام شیخ خذیفی نے دستخط کیا ہوا ہے۔ حکومت نے معافی مانگی اور سرکاری مراسلہ (نوٹیفکیشن) جاری کیا کہ ہم سختی سے اس بات کو کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کوئی آدمی فقہائے اربعہ (چار امام) کے خلاف کوئی تحریر نہ لکھے اور نہ کوئی بات کرے۔ یہ بات اللہ کے فضل سے ہوئی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں ٦٧ فیصد حنفی ہیں، ١۵ فیصد شافعی ہیں، ١٠ فیصد مالکی ہیں اور ٦ فیصد حنبلی ہیں جبکہ دو فیصد میں غیر مقلدین اور دوسرے سارے آرہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی بہت عملی (پریکٹیکل) ہے۔

ایک دفعہ میں پنجاب میں اہلِ حدیثوں کے علاقے میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ظہر کی نماز گرمیوں میں ساڑھے بارہ بجے پڑھتے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے جماعت کی نماز میں بیس بائیس آدمی تھے۔ بارہ ہم جماعت والے تھے اور دس ان کے محلے کے۔ اس وقت گرمیوں کا موسم تھا۔ جب لوگ کاموں سے فارغ ہو کر کھانا کھا کر ذرا آرام کر کے آئے تو میں نے دیکھا کہ دو ڈھائی بجے کے درمیان پچاس کے قریب آدمیوں نے آکر اکیلے اکیلے نماز پڑھی۔ میں نے سوچا کہ واقعی عملی وقت احناف کا ہی ہے۔ کام کیا آدمی نے تو تھکا، اس کو کھانا کھانے کی ضرورت ہے، کھانا کھایا، اب اس کو آرام کرنے کی ضرورت ہے، آرام کرنے کے بعد اب موسم میں ٹھنڈ بھی پیدا ہوگئی۔ ظہر کی نماز کے بارے میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک میں ہے کہ نماز اول وقت میں پڑھنی چاہئے، دوسری ہے کہ ظہر میں گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈک پیدا کرو، ٹھنڈک جا کر ڈھائی بجے کو ہوتی ہے۔ لہٰذا مستحب وقت گرمیوں میں ظہر کا ڈھائی تین کے درمیان ہے۔ ہماری زندگی ذرا بدل گئی ہے۔ جب ہم گاؤں میں

رہتے تھے تو مجھے یاد ہے کہ صبح کھیتوں میں جا کر کام کرتے تھے۔ گیارہ بجے تھک جاتے تھے۔ کھانا کھا کر ساڑھے گیارہ بجے فارغ ہو کر لیٹتے تھے، دو بجے اُٹھتے تھے اور ڈھائی بجے نماز پڑھتے تھے۔ بہت ہی خوشگوار ترتیب تھی۔ یونیورسٹی میں ظہر کی نماز ڈیڑھ بجے پڑھتے ہیں، ڈیڑھ بجے نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک پروفیسر صاحب کے والد صاحب، جو کہ اہلِ علم تھے، آ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ دو بجے جماعت کی نماز پڑھیں گے۔ مسجد پہنچے تو جماعت ہو چکی تھی۔ انہوں نے کہا اتنی تمہیں سمجھ نہیں ہے کہ تبرید چاہئے ظہر کی نماز میں یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھنی چاہئے جبکہ تم نے اتنی جلدی پڑھ لی ہے۔ امام صاحب ہمارے ان سے بحث کرنے لگے۔ بات اُلجھ رہی تھی تو میں نے کہا کہ ہمارے یہاں پر چھٹی ایک سوا ایک بجے ہو جاتی ہے، کثرتِ اجتماع ہمیں حاصل ہوتا ہے ڈیڑھ بجے لہٰذا یا تبرید والی ترتیب یا کثرتِ اجتماع کو لیا جائے گا، کثرتِ اجتماع ہمیں ڈیڑھ بجے حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب یہ آدمی گھر چلا گیا کھانا کھایا اور کھانا کھا کر سو گیا تو یہ تو چار بجے سے پہلے اُٹھ نہیں سکتا اس کی جماعت تو گئی لہٰذا ہمیں زیادہ فائدہ جماعت کا ڈیڑھ بجے حاصل ہو رہا ہے۔ وہ اہلِ علم تھے اس لئے بات کو سمجھ گئے۔

بیعت کی برکت کے اثرات:

فرمایا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام کی بہت بڑی شخصیت گزرے ہیں۔ ان کی تفسیرِ کبیر نے فلسفہ والوں کو شکست دی اور ان کے زور و شور اور دبدبے کو توڑا۔ دنیائے اسلام کے بہت بڑے آدمی ہیں۔ ان سارے علوم کے باوجود کہتے ہیں جب میں بیعت ہوا اور ذکر اذکار بتلائے گئے تو کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ ایک تو میں جب ذکر اذکار کرتا ہوں تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میری کھوپڑی کے اوپر سے دھواں نکل رہا ہے، اور ایک یہ کہ فلسفے کا جو علم میں نے پڑھا تھا وہ میں بھولنا شروع ہو گیا ہوں۔ ان کے شیخ

نے فرمایا کہ وہ دھواں دراصل فلسفہ ہی کی تاریکی ہے جو کہ نکل رہی ہے۔ کچھ دن وہ رہے، ان کو اندازہ ہوا کہ فلسفہ تو بہت بھول رہا ہوں تو وہ قربانی نہ دے سکے۔ یعنی فلسفہ کے علم کی قربانی نہ کر سکے اور تربیت ادھوری چھوڑ کر چلے گئے۔ جس وقت اللہ کے وجود پر اور توحید پر سو دلائل دے کر تقریر کرتے تھے تو لوگ لاجواب ہو جاتے تھے۔ جب موت کا وقت ہوا تو شیطان نے مناظرہ شروع کیا اور ایک ایک کر کے سو کی سو دلیلیں توڑ دیں۔ اس نے کہا کہ اب بتاؤ اللہ کو کیسے مانتے ہو؟ اب کوئی دلیل ہی نہیں، کوئی جواب ہی نہیں بچا۔ جن بزرگوں کے ساتھ بیعت کا تعلق تھا ان پر اللہ نے اس بات کو کھولا اور انھوں نے ان کے حال پر Signal کیا یعنی پیغام القاء کیا کہ تم اس سے یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ میں بغیر دلیل کے اللہ کو مانتا ہوں! آخری بات جو ان کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں بغیر دلیل کے اللہ کو مانتا ہوں اور میں بغداد کی بوڑھیوں کے ایمان پر مر رہا ہوں۔ بوڑھی عورتوں کا کیا ایمان ہے؟ بس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اتنی بات کا پتہ ہے اور کسی چیز کا پتہ ہی نہیں ہے۔

برکت والی بیعت اور تربیت والی بیعت:

سوال: میں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا، پھر لاہور چلا گیا، مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو لاہور میں ایک عالم سے پوچھا جو کہ تصوّف سے واقف تھے، انہوں نے کہا کہ تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب شیخ کی موت ہو جائے تو تین دن کے اندر اندر دوسرے سے بیعت ہو جائے۔ مجھے فکر ہوئی، میں سیالکوٹ میں بیعت ہو گیا۔ پھر وہ شیخ بھی فوت ہو گئے، پھر میں لاہور میں اشرفیہ خانقاہ گیا، وہاں عبدالمقیم صاحب ہیں جو خلیفۂ مجاز ہیں اس خانقاہ کے اور اس کو چلاتے ہیں، انہوں نے بھی فرمایا کہ تین دن کے اندر بیعت ہونا چاہیے، وہاں آیا کرتے تھے حکیم اختر صاحب، پھر میں نے ان سے بیعت کی۔

جواب: عرض یہ ہے کہ آپ نے ساری بیعتیں برکت والی کی ہیں، تربیت والی بیعت آپ نے نہیں کی۔ تربیت والی تو تب ہوتی کہ آپ بار بار مشورہ کر کے جو ترتیب حضرات بتاتے اس سے گزرے ہوتے، وہ آپ کی نہیں ہوئی ہے۔ اب آپ کو تربیت سے گزرنا چاہیے۔

فرمایا کہ ہماری بیعت ۱۹۶۹ء میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی والے بزرگوں سے ہوئی تھی جو کہ تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر تھے، بہت کامل اور بہت پائے کی شخصیت تھے۔ تبلیغ والے حضرات بھی صرف برکت کی بیعت کراتے تھے کہ بیعت کا ایک نام ہو جائے باقی جیسے ہم دوڑاتے ہیں ایسے ہی کام کرتے رہیں، اُس طرف کو نہ جائیں۔ بہرحال ہم نے پوچھا تو پتہ چلا کہ تربیت کرانی ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت جیؒ دہلی میں ہیں اور ہم یہاں ہیں تو تربیت کیسے ہوگی؟ انہوں نے کہا خط کے ذریعے سے ہو سکتی ہے۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۱ء تک میں خط لکھتا رہا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ خط کا جواب عنایت فرماتے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں ہوگئی جنگ، جنگ کے بعد پاکستان ہندوستان کے درمیان خط و کتابت بند ہوگئی۔ ہم نے کسی طریقے سے حضرت جیؒ سے پچھوایا کہ آپ سے رابطہ ممکن ہونا مشکل ہوتا ہے تو یہاں حضرت مولانا اشرف صاحبؒ ہوتے ہیں کیا ہم ان سے اصلاح کی باتیں پوچھ لیا کریں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ضرور پوچھا کریں۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ کے پاس میں نے جانا آنا شروع کیا۔ کچھ عرصے کے بعد بڑا دل لگ گیا۔ میں نے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر ہم حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے آپ سے بیعت کر لیں.... تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں بیعت آپ کی وہی ہونی چاہیے البتہ تربیتی باتوں کا مشورہ آپ مجھ سے کرتے رہیں، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اجازت ملنے تک میں نے ان سے بیعت نہیں کی۔ تربیت اِن سے لی ہے بیعت حضرت جیؒ

کی ہی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۰ء میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کی اجازت دے دی۔اس وقت حضرت جی صاحبؒ زندہ تھے پھر حضرت جیؒ اور مولانا اشرف صاحبؒ دونوں کی وفات ۱۹۹۵ء میں ہوئی ہے۔مئی ۱۹۹۵ء میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی اور ستمبر ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی وفات ہوگئی۔

بیعت داخلہ ہے اور اصل بات اس کے بعد تربیت ہے،تربیت کے دورانیئے سے گزرنا چاہیے۔ بندہ کے کتابچہ' اصلاحِ نفس' میں جو درجہ اوّل، دوئم ،سوئم لکھا ہے، یہ بڑی محنت سے لکھا ہے۔کوئی آدمی اس کی پابندی شروع کردے،آج سے نیت کرلے کہ میں نے درجہ اوّل کی پابندی شروع کردی اور چھ مہینے میں میں اس کو مکمل کروں گا۔ پھر یہ دیکھے کہ چند دن کے بعد دل کا حال کیسے بدلتا ہے،اور اگر کوئی کام ہی نہ کرے تو آدمی کیا کہہ سکتا ہے۔مجلس میں آئے جائے،اسی طرح بیان سن لیا،اجروثواب ضرور ہوجاتا ہے، کچھ نہ کچھ فائدہ بھی ہوجاتا ہے لیکن آدمی خود جا کر پھر کام نہ کرے تو اس سے بات نہیں بنتی۔ایک دن ورزش کر کے آدمی ایک مہینہ بیٹھ جایا کرے تو اس سے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

ہمارے ایک ساتھی طارق جلالی صاحب دل کے مریض ہوگئے،کہا کرتے تھے کہ ڈاکٹروں نے انہیں واک (پیدل چلنا) کرنے کا کہا،انہوں نے واک شروع کردی۔ڈاکٹر نے بتایا کہ جب شروع کروگے تو فائدے کا مہینے بعد پتہ چلے گا کہ فائدہ ہوا لیکن جب چھوڑ وگے تو تین دن میں پتہ چلے گا کہ نقصان ہوگیا۔طارق جلالی صاحب نے کہا کہ واقعی اس مشق کو کیا تو مہینے بعد فائدہ ہوا،اب تین دن چھوٹ جاتی ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ نقصان ہوگیا، کمزوری محسوس ہوجاتی ہے۔اسی طرح رُوحانیت والے بھی کہتے ہیں کہ ایک دن بلاعذر آدمی سے ناغہ ہوگیا،ایک دن، دودن، تین دن ناغہ ہوگیا تو چوتھے دن اس کی برکات زائل ہوجاتی ہیں، پھر دوبارہ نئے سرے سے کوشش کرنی ہوتی ہے،اور اگر عذر سے ہوا اور

دل میں اس کو غم ہوا کہ بیماری تھی نہ ہوسکا، سفر تھا نہ ہوسکا، وفات ہوگئی تھی کسی کی، بچہ بیمار تھا نہ ہوسکا، اس کو افسوس ہوتا رہا تو اس کی برکت بحال رہتی ہے۔اس میں دوبارہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنا لازمی نہیں ہوتا البتہ تربیت لینا لازمی ہے۔ پچھلا سبق پورا کرکے، پچھلے احوال بتا کر آگے کا آدمی مشورہ کرے۔

بعض کم فہم لوگ دوسرے دینی کاموں کی مخالفت کرنے کو ایک مقدس فریضہ سمجھتے ہیں:

فرمایا کہ کوہاٹ کے ایک ڈاکٹر صاحب سلسلے میں بیعت ہوئے، ان کو ایک امیر صاحب ٹکر گئے۔اس نے کہا کہ اوہو، تو ایسے آدمی سے بیعت ہوگیا ہے کہ چار چار آنے پر اس کی لڑائیاں ہوتی ہیں اور چار چار آنے کیلئے لڑ رہا ہوتا ہے اور اس سے تُو بیعت ہوگیا ہے۔واقعی میں چار چار آنے کی خاطر لڑائیاں کرتا ہوں کیونکہ نہ چار آنے کسی کو دیتا ہوں بغیر کسی اُصول کے اور نہ چار آنے کسی سے لیتا ہوں اور بعض اوقات لڑائی کر کے چار آنے لے لیتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ روپیہ لے لو مگر یہ چار آنے میں نے نہیں چھوڑنے تھے کیونکہ یہ اُصول کی بات تھی، اس سے معاشرہ خراب ہوتا ہے، قانون خراب ہوتا ہے۔خیر یہ آدمی بیعت سے فارغ ہوگیا۔اس کا ایک ساتھی ماہوار اجتماع میں آیا جس میں میں نے کہا کہ اگر کوئی آدمی بیعت ہونے کے بعد اتنا دل میں رکھے ہوئے ہو کہ میں بھی سلسلے میں ہوں تو کچھ نہ کچھ فائدہ اس کو بھی پہنچتا رہتا ہے۔وہ چلا گیا اور اُس ڈاکٹر سے کہا تو اس نے دل میں بیعت بحال کرنے کا اِرادہ کرلیا۔پھر اللہ کی شان کہ اس کا معمولی تار لگا ہوا تھا، دوبارہ آنے جانے کی اس کو توفیق ہوئی اور اللہ نے پوری زندگی ہی بدل دی۔ میں نے کہا ماشاءاللہ امیر صاحب تو نہ اپنے ساتھ لے جاسکتا تھا آپ کو اور نہ ہمارے ساتھ چھوڑتا تھا۔

ہمارے ساتھ سے ہٹانے کو تو مقدس فریضہ سمجھتا تھا کہ دوسرے دینی کاموں کی مخالفت کرنا مقدس فریضہ ہے اور اپنے ساتھ بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔ تو اُس آدمی کو ایسی ترتیب پر چھوڑ رہا تھا کہ بس آزاد ہو، کسی کا نہ ہو اور کوئی فائدہ ہی نہ ہو۔

خوش اخلاقی مفت کی نیکی ہے اور ولایت کا دروازہ کھولنے والی ہے:

فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک پروفیسر صاحب نے امام صاحب کو ڈانٹا تو مجھے بڑی ناگواری ہوئی۔ بس پروفیسر صاحب گیا اور اُس کو کمر کا درد ہو گیا اور جماعت کی نماز میں آنے سے ہی رہ گیا۔ ایک دفعہ میں گاؤں گیا تو پانی کی بہت تکلیف تھی، بارشیں نہیں ہو رہی تھیں، کنویں خشک ہو رہے تھے اور لوگ کنوؤں میں مزید آٹھ آٹھ، دس دس فٹ کھدائی کروا رہے تھے۔ ہمارے گاؤں کا ایک آدمی تھا جس کا وقت انگلینڈ میں گزرا تھا اور دہریہ ہو کر آ گیا تھا۔ دیہاتی لوگوں نے اُس کی انگریزیت کی وجہ سے اُس کا نام اینٹی پینٹی رکھا ہوا تھا۔ نمازوں کے خلاف باتیں، روزوں کے خلاف باتیں، دین کے خلاف باتیں اس کا مشغلہ تھا۔ اس کا بھی کنواں خشک ہو گیا اور وہ اس کی کھدائی کروا رہا تھا۔ ہمارے امام صاحب کا بیٹا مسجد میں بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا تھا، اُس نے اِس آدمی کے بچے کی پٹائی کر دی تو یہ آدمی آیا اور امام صاحب کے بیٹے کو بہت بے عزت کیا۔ پھر وہ کنواں کھودنے پر لگے مزدوروں کو دیکھنے کے لئے گیا، اس نے کہا کہ یہ مزدور ٹھیک کام نہیں کرتے، میں خود دیکھنے نیچے اُتروں گا۔ جب اسے اتارنے لگے تو آدمی کے ہاتھ سے کنویں کی چرخی چھوٹ گئی، اینٹی پینٹی سیدھا جا کر نیچے گرا، سر میں چوٹ لگی اور مر گیا۔ دوسرے بھائی نے کہا کہ پیچھے میں اُترتا ہوں۔ اس کو اُتار رہے تھے تو آدھے میں وہ بھی چھوٹا اور اِس کی پسلیوں پر جا کر گرا۔ تیسرے آدمی نے چرخی کو روکنے کی کوشش کی، اس نے جوں ہی پکڑا تو چرخی نے اس کو

گھمایا اور کنویں کے اُس طرف لے جا کر پھینکا۔ میں نے گاؤں والوں کو کہا کہ اس کی پکڑ نہیں ہو رہی تھی مگر اس نے ایک اللہ والے کو کرخت بات کر کے ستایا، بس اس کی پکڑ ہو گئی۔ اتنے دنوں یہ دندناتا پھر رہا تھا، اب اس کی پکڑ ہو گئی ہے، اب آپ فکر نہ کریں، بارشیں بھی ہو جائیں گی، علاقے کا پانی بھی ہو جائے گا۔ تو یہ خوش اخلاقی مفت کی نیکی ہے اور ولایت کا دروازہ کھولنے والی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھیں کروبیاں

بارات بیوقوفوں کی ٹولی ہوتی ہے، یہ چور بن کر جاتے ہیں اور ڈاکو بن کر لوٹتے ہیں:

فرمایا کہ ایک دن خیال آیا اور افسوس بھی ہوا کہ ہمارے سلسلے والوں میں شادی ہوئی، اس میں لڑکے والوں نے لڑکی والوں کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمیوں کی بارات آئے گی اور ان کے لئے ایسا ایسا کھانا تیار کرنا ہوگا۔ ایک دوسرا واقعہ کہ ایک برخوردار جو سلسلے میں بیعت ہیں ان کی شادی ہو رہی تھی تو لڑکی والوں کو پیغام بھیجا کہ ہمارے اتنے آدمی آئیں گے اور پشاور یونیورسٹی کا جو پیوٹا (PUTA) ہال ہے آپ اس میں بارات کو وصول کریں گے اور وہاں کھانا دینا ہوگا۔ تو کوئی ڈیڑھ لاکھ روپے کھانے کا خرچہ ہوا۔ اس کا بھی بہت افسوس ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ ہمارے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بارات بیوقوفوں کی ٹولی ہوتی ہے، یہ چور بن کر جاتے ہیں اور ڈاکو بن کر لوٹتے ہیں۔ چور بن کر جاتے ہیں کیونکہ مطالبہ کیا ہوتا ہے کہ کھانا دو گے، یہ ڈنڈا ماری نہ ہوئی تو کیا ہوا کہ اگلے آدمی پر زبردستی کرے، اور کھا لیا تو ڈاکو بن کر آ گئے۔

حضرت شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے بیان میں ایک مرتبہ میری چیخیں نکل گئی تھیں۔ چیخیں اس بات پر نکلی تھیں کہ انھوں نے کہا کہ ہمارے ہاں ہندوستان میں میسوراور فلاں فلاں جگہوں پر جب رشتہ لے کر جاتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ آپ کتنا جہیز دیں گے تو مثلاً انہوں نے کہا کہ پچاس ہزار کا دیں گے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ رشتہ نہیں کرتے، ہم تو وہاں کریں گے جہاں ایک لاکھ کا جہیز ہوگا۔ انھوں نے بتایا کہ اس طرح ایک غریب لڑکی کا رشتہ آتا تھا اور چونکہ وہ مطالبہ پورا نہیں کرسکتے تھے تو وہ واپس چلے جاتے تھے۔ ایک رات ماں نے کہا کہ یہ کیسی منحوس لڑکی ہے کہ اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہوتا۔ لڑکی اپنے کمرے میں گئی اور صبح ہوئی تو لڑکی نہیں اٹھی۔ انھوں نے دستک دی مگر دروازہ نہ کھلا۔ دروازہ توڑ کر اندر گئے تو لڑکی کوئی دوائی کھا کر مرگئی تھی۔ اس قتل کا ذمہ دار کون ہوا؟ اس کا جواب کون دے گا؟ اس بات پر میری بہت چیخیں نکلیں۔

عملی شخصیت:

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہدایت کے نظام کیلئے نمبر ایک پر ضرورت ہے عملی شخصیت کی۔ سیرت کے موضوع کے بہت بڑے عالم حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ہیں جن کا سیرت پر کام عالمی شہرت یافتہ ہے۔ خطباتِ مدراس ان کی کتاب ہے (سیرت پر)۔ خطباتِ مدراس کا جواب چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں نہیں ہے، کبھی اس کو پڑھیں۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا ہے Muhammad: The Ideal Prophet، اس کو بھی ضرور پڑھیں۔ اس کے متعلق میں آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سناؤں۔ ڈاکٹر ملک غلام مرتضٰی مرحوم ٹیلیویژن پر دینی پروگرام کیا کرتے تھے۔ ہمارے واقف اور دوست تھے، انھوں نے مجھے واقعہ سنایا۔ یہ مکہ مکرمہ کی یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ ان کے ساتھ

انگریزی کے ایک انگریز پروفیسر تھے، انگریزی ادب میں پی۔ایچ۔ڈی اُن کی بیوی بھی پی۔ایچ۔ڈی تھی۔ ملک غلام مرتضیٰ صاحب نے کہا کہ وہ پروفیسر صاحب اچھا آدمی تھا، میرا دل چاہا کہ میں اس کو اسلام کی دعوت دوں۔ میں سوچتا تھا کہ کیسے دعوت دوں۔ آخرکار میں نے خطباتِ مدراس کا ترجمہ Muhammad: The Ideal Prophet کتاب لی اور اس کے پاس گیا۔ میں نے کہا:

Look Professor! We have translated this book into English. We want this book to be corrected by you.

''ہم نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔آپ چونکہ انگریزی کے ماہر ہیں، آپ اس کو دُرست کردیں، ہم آپ کو اس کا اچھا معاوضہ دیں گے''۔

وہ کتاب لے کر چلا گیا۔ یہ کل نوے (۹۰) صفحات کی کتاب ہے اور آٹھ لیکچرز (Lectures) ہیں۔ تین لیکچرز اس نے پڑھے تو کتاب بغل میں دبائے ہوئے میرے پاس آیا اور کہا:

Dr. Murtaza! What's your programme?

''ڈاکٹر مرتضیٰ آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

میں نے کہا۔ جی کیا بات ہے؟ کیا ہوگیا ہے؟ اس نے کہا:

You don't want this book to be corrected by me rather you want to make me Muslim.

''آپ مجھ سے یہ کتاب نہیں ٹھیک کروانا چاہتے بلکہ آپ مجھے مسلمان بنانا چاہتے ہیں''۔

میں نے کہا ہم تو آپ سے کتاب دُرست کرانا چاہتے ہیں، اب آپ کی مرضی ہے۔ اس نے کہا نہیں آپ مجھے مسلمان کرنا چاہتے ہیں۔

Now you will have to read this book word by word with me and you will have to explain it to me.

”اب آپ کو یہ کتاب حرف بہ حرف میرے ساتھ پڑھنی پڑے گی اور آپ کو میرے لئے اس کی تشریح کرنا پڑے گی“۔

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہتے ہیں ہم پڑھتے رہے جب آٹھ لیکچرز مکمل ہو گئے تو اس نے کہا کہ:

Dr. Murtaza! I am ready to accept Islam. However, the greatest hinderence in my way is my wife.

”میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ میری بیوی ہے“۔

میں نے اس سے کہا کہ ہم آپ کے گھر آجائیں گے، میری بیٹی انگریزی بولتی ہے، وہ آپ کی بیوی سے بات کرلے گی۔ اس کو بھی دعوت دے دیں گے۔ اس نے بیوی سے کہا کہ ڈاکٹر مرتضٰی کو ہم کھانے پر مدعو کرتے ہیں۔ اس کی بیوی نے کہا:

I don't want this person at our home.

میں نہیں چاہتی کہ یہ شخص ہمارے گھر میں داخل ہو۔ میں نے کہا کہ خیر آپ کی دعوت ہمارے گھر میں ہوگی یہاں آجائیں یہاں بات کریں گے۔ وہ پھر بیوی کے پاس گیا۔ اس کی بیوی نے کہا:

We will never go to his house.

”ہم اس کے گھر بھی کبھی نہیں جائیں گے“۔

عورتیں قبول بھی دیر سے کرتی ہیں اور چھوڑتی بھی دیر سے ہیں۔ اس عورت کو بڑا ڈر رہا۔

اس نے اپنے خاوند سے استعفیٰ دلوایا اور واپس امریکہ چلے گئے۔ چار مہینے بعد اس پروفیسر کا خط آیا۔ لکھا تھا:

Dr.Murtaza! I have accepted Islam. But I had to make a sacrifice and that was the seperation of my wife.

''میں نے اسلام قبول کرلیا لیکن مجھے ایک قربانی دینی پڑی اور وہ تھی میری بیوی کی علیحدگی''۔ بہر حال میں نے اپنے نظریے اور عقیدے پر ساری چیزوں کو قربان کر دیا اور اسلام کو قبول کرلیا۔ تو بھائی میرے یہ وہ عملی شخصیت کی سیرت تھی جس نے ایک انگریز کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔

جو آدمی Priorities یا ترجیحات نہیں جانتا کہ کونسی چیز اہم اور ضروری ہے تو اس کو اللہ کا تعلق نہیں ملتا:

فرمایا کہ آجکل کے دور میں ہم نے بس کسی کسی چیز کو ہی نیکی سمجھ لیا ہے، بس اس کو کر رہے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ سارا دین یہی ہے اور اس سے ہمیں اللہ کا تعلق ملے گا۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ جتنا جتنا کرتے ہیں، خواہ کسی مستحب کو ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، تو اس کا اجر اللہ ضائع نہیں کرتا۔ لیکن اس کی مثال ایسی ہوتی ہے گویا کسی آدمی کے پاس گھوڑے کا نال آجائے (گھوڑے کے پیر میں جو ٹھونکتے ہیں) اور وہ سمجھے کہ اب میں شہسوار ہو گیا ہوں۔ میں نے ڈاڑھی رکھ لی ہے، اب میں شاہسوار ہو گیا ہوں۔ یہ تو ایک عمل آپ نے کیا ہے، پورا دین تو یہ نہیں ہے۔ میں نماز پڑھنے والا ہو گیا ہوں، میں شہسوار ہو گیا ہوں، میں ذکر کرنے والا ہو گیا ہوں، میں شہسوار ہو گیا ہوں۔ جو عمل ہماری سمجھ میں آ گیا اس کو کر رہے ہیں اور اس پر ہمارا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم کامل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ کس موقع پر کیا کرنا ہے، اس کا فہم آدمی کو صحیح راستے پر ڈالتا ہے۔

غیر محقق صوفیاء کے دھوکوں میں سے یہ ایک دھوکہ ہے کہ بعض اوقات کسی مستحب کا شوق اور مشغولیت ان کو ان کے واجبات اور فرائض سے ہٹا دیتی ہے اور ان کا بڑا نقصان ہوتا ہے۔ وہ آدمی یوں سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں بڑی نیکی حاصل کر رہا ہوں حالانکہ وہ مستحب نیکی حاصل کر رہا ہے اور اس مستحب نیکی کے نتیجے میں اس سے اس کا فرض یا واجب ناقص ہو رہا ہوتا ہے۔ اب اس ترتیب سے جس کو آپ لوگ Priority یا ترجیح کہتے ہیں، جب آدمی Priorities یا ترجیحات نہیں جانتا کہ کونسی چیز اہم اور ضروری ہے تو اس کو اللہ کا تعلق نہیں ملتا۔ یہ برخوردار سامنے بیٹھا ہے، کہتا ہے کہ مجھے چار ماہ کے لئے جانے کی اجازت دو۔ ہم نے کہا اجازت تو آپ کو دے دیں لیکن پھر دماغی صحت نہیں رہے گی (کیونکہ برخوردار دماغی Psychiatric مریض ہے) جس کی بنیاد پر حلال روزی کما رہے ہو۔ وہ شعبہ بند ہوا تو بال بچے فاقہ میں مبتلا ہو کر کیا کریں گے! شادی کی ہوئی ہے، بیوی کے حقوق ہیں، ماں باپ کے حقوق ہیں، گردو پیش کے حقوق ہیں، اگر یہ عقل اپنی جگہ سالم نہ رہی تو سب پر فرق پڑے گا، ختم ہو جائیں گے، اور جو نماز، روزہ، ذکر اذکار کی توفیق ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ تو ایک فہم کی بات ہے۔ جب آپ کا وقت آیا تو آپ کو ان شاء اللہ اجازت دیں گے۔

توبہ مشکلات کو آسان کرتا ہے:

فرمایا کہ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے۔ بندے کا لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں بطور ڈاکٹر کام کرنے کا پہلا سال تھا۔ ہسپتال کے پاس مسجد تھی، اس میں ہم نماز پڑھتے تھے۔ اس کے امام فارغ التحصیل عالم تھے۔ ایک دن انہوں نے کہا: ڈاکٹر صاحب میرے ساتھی کو چار مہینوں کی میڈیکل چھٹی کا سرٹیفکیٹ دے دو۔ بندے نے کہا کہ یہ تو جھوٹ ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا یہ جھوٹ نہیں ہے یہ ضرورت کے لئے وسیلہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے بھی کافروں سے جان چھڑانے کے لئے اِنِّیْ سَقِیْم میں بیمار ہوں کہا تھا۔ بندہ ان کی باتوں میں آ گیا اور چھوٹتے ہی پورے چار مہینے کا سرٹیفکیٹ لکھ دیا۔ ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ مسلسل چار مہینے کا سرٹیفکیٹ یک بارگی نہیں دیتے۔ خیر یہ سرٹیفکیٹ ہسپتال کے انچارج ایم ایس کے پاس وضاحت کے لئے آیا۔ ایم ایس نے بندہ کو بلایا اور پوچھا ڈاکٹر صاحب یہ سرٹیفکیٹ آپ نے دیا ہے؟ بندہ نے کہا جی ہاں میں نے دیا ہے۔ اس نے پوچھا کتنے پیسے لئے ہیں؟ میں نے کہا پیسے تو نہیں لئے۔ اس نے کہا دیکھیں آپ سیدھے سادھے آدمی ہیں، یہ پیسے کسی کمپاؤنڈر نے لئے ہوں گے اور سرٹیفکیٹ آپ سے بنوایا ہوگا۔ بندہ نے کہا ایسی بات بھی نہیں ہے یہ آدمی... بندے کا واقف تھا اس لئے بنا دیا۔ اس پر ایم ایس نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ ایسا جرم ہے کہ اس پر آپ کی ڈگری ختم ہو سکتی ہے، آپ کی ملازمت ختم ہو سکتی ہے۔ خیر یہ ایم ایس سید امیر علی شاہ صاحب، بندے کے والد صاحب کے مہربان دوست جو اہل سادات میں سے تھے، ان کے واقف تھے۔ انہوں نے اسے میرا خیال رکھنے کا کہا ہوا تھا۔ امیر علی شاہ صاحب نے بندے کو نصیحت کر کے رخصت کر دیا اور کیس اپنے پاس رکھ لیا۔

بندہ نے واپس آ کر غور وفکر کیا کہ ایک کام ایک مولوی صاحب کے کہنے پر خدمت خلق کے لئے کیا تھا اُس پر پکڑ ہو گئی حالانکہ عمومی تجربہ تھا کہ بندے نے جو خدمت خلق کے کام کئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے بہت آسانیاں اور برکتیں نصیب فرمائیں۔ بندے کو خیال ہوا کہ اس عمل میں کوئی گڑ بڑ ضرور ہو گئی ہے جس کی وجہ سے حالات مشکل ہو گئے۔ بندے نے معلومات اور تحقیقات کیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان کی کتاب ''گناہِ بے لذت'' میں لکھا ہوا تھا کہ جھوٹا سرٹیفکیٹ دینا جھوٹی گواہی ہے، جس کا گناہ دو دفعہ بدکاری کے برابر ہے۔ بہت افسوس ہوا۔ خاص طور پر اس مولوی صاحب پر

جس نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کا حوالہ دے کر بندے کو متاثر کیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ بعض مولوی صاحبان بہت بے احتیاط ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں تاویلات، حیلے ہی ہوتے ہیں اور باوجود استعداد نہ ہونے کے خود استنباط کرتے ہیں (یعنی مسائل اخذ کر کے بیان کرتے ہیں جبکہ قرآن وحدیث سے براہِ راست مسائل اخذ کرنے کے لئے آدمی کے اندر ایک مجتہد کی قابلیت ہونی چاہیے)۔ خوفِ خدا نہ ہونے کی وجہ سے کوئی غم فکر ہی نہیں۔

خیر بندہ نے سوچا کہ خطا کا علاج استغفار ہے۔ اس لئے فوراً صلوٰۃِ توبہ پڑھی، سات روزے جرمانے کے منت کئے اور تیس روپے خیرات کئے، اس دور میں سونا تقریباً چار پانچ سو روپے تولہ تھا۔ چند دن بعد بندہ کا انٹرویو اُس ایم ایس صاحب کے ساتھ تھا اور جونیئر ہاؤس آفیسر سے سینئر ہاؤس آفیسر کی ترقی ہونی تھی۔ استغفار کے بعد تسلی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی۔ پیشی ہوئی... ایم ایس صاحب نے سلیکشن کمیٹی سے بندے کا تعارف کرواتے ہوئے کہا یہ ڈاکٹر فدا ہے جس کی عادت جھوٹے سرٹیفکیٹ دینے کی ہے۔ ایک سرٹیفکیٹ دینے کو انہوں نے عادت کہہ دیا۔ خیر بندہ نے جس کنسلٹنٹ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام کیا تھا وہ بول پڑے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ جو یا وارڈ میں ہوتا ہے یا پھر مسجد نماز کے لئے جاتا ہے، اور ایک دن شبِ جمعہ تبلیغی اجتماع میں جاتا ہے۔ یہ اس کے ساتھ کسی نے دھوکہ کیا ہے، یہ خود قطعاً ایسا آدمی نہیں ہے۔ دوسرا بولا تمہارا مطلب یہ ہے کہ یہ بادشاہ سا آدمی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ بس سب نے متفقہ سینئر ہاؤس جاب کا فیصلہ کر لیا اور کیس بالکل رَفع دَفع کر دیا۔ واقعی توبہ، صدقہ اور روزہ مشکلات کے پہاڑ توڑ کر میدان ہموار کر دیتے ہیں۔

آدھا تصوف تو یہی ہے کہ سالک اپنے آپ کو ناقص سمجھتا رہے:

فرمایا کہ جس وقت آدمی فقط نیت کرتا ہے کہ میں اپنی اصلاح کیلئے بیعت ہونا چاہتا ہوں تو اس نے مان لیا کہ میں ناقص ہوں، میری اصلاح نہیں ہوئی اور میں اصلاح کروانا چاہتا ہوں۔ یہ اتنی عظیم نیت ہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ یعنی اس بات کو تسلیم کرنا کہ میں ناقص ہوں، میری اصلاح نہیں ہوئی۔ تو بھائی میرے آدھا تصوف تو یہی ہے۔ ڈاکٹر صاحبان جو سامنے بیٹھے ہیں جانتے ہیں کہ تشخیص ہی تو اصل ڈاکٹری ہے، مثلاً ڈاکٹر تشخیص کر کے بتادے کہ ٹی بی کا مریض ہے تو گاؤں میں بیٹھا ہوا کمپاؤنڈر بھی بتا سکتا ہے کہ اس کے لئے یہ چار دوائیاں شروع کرادی جائیں۔ تشخیص ہی تو مشکل ہے۔ کہتے ہیں کہ باطنی امراض کی تشخیص مشکل ہوتی ہے۔ ہماری جو سلسلے کی کتاب ہے دو جلدوں میں تربیت السالک تو اس میں لوگوں نے اپنا ایک ایک عمل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا ہے، کہ فلاں عمل میں میں نے یہ روا اختیار کرلیا، اس میں آپ تشخیص فرمائیں کہ میرے اندر تکبّر ہے کہ نہیں ہے۔ ایک استاذ صاحب نے لکھا کہ بچے نے سبق پڑھا ہوا نہیں ہوتا تو مجھے غصہ آتا ہے، میں اس کی پٹائی کرتا ہوں، پٹائی کے بعد مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے، میں معافی مانگتا ہوں، اس کو راضی کرتا ہوں پھر اس کو رخصت کرتا ہوں، تو یہ جو مجھے غصہ آتا ہے اس کے بارے لکھ رہا ہوں کہ آیا یہ کبر کے شعبے سے تو نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ نے آگے جواب دیا ہے۔ ان جوابات کو تو تربیت السالک سے ہی پڑھنا چاہئے۔ میں آپ کی دلچسپی کے لئے جواب بتا دیتا ہوں۔ استاد کو جواب دیا کہ غصے کی حالت میں نہیں مارنا چاہئے۔ غصہ زائل ہونے کے بعد سوچنا چاہئے کہ تربیت کے لئے کتنی سزا دینی چاہئے۔ اس فیصلے کے بعد نیت کر کے تربیت کی خاطر اُتنی ہی سزا ہونی

چاہئے۔ جذبات میں سزا دینا درست نہیں اور بعد میں اس طالب علم سے معافی مانگنا کلاس کے نظم وضبط اور اس طالب علم کی وجہ سے مفید نہیں۔

اپنی اصلاح کے لئے جب اپنے باطن کی طرف آدمی کا دھیان ہوتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ میرے اعمال میں کہاں کمی ہے، کہاں کوتاہی ہے، کہاں مجھے اصلاح کی ضرورت ہے۔ پہلے لوگ اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے کہ میری باطنی اصلاح ہو، میرے اندر سے گندگیاں نکلیں اور میرا باطن اللہ کے تعلق، اللہ کی محبت اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے آراستہ ہو اور موت سے پہلے پہلے مجھے اصلاحِ تام حاصل ہو جائے۔ اس کے لئے قربانیاں دیتے تھے اور اس بات کو لے کر جاتے تھے۔

کہ ہم اپنے آپ کو حوالے کرنے جا رہے ہیں۔ اپنے آپ کو حوالے کرنے کے بعد تخت پر بیٹھنے کا حکم ہوا تو تخت پر بیٹھیں گے اور اگر جان دینے کے لئے کہا تو جان دیں گے، گندگی اور گوہ کے ٹوکرے اُٹھانے کو کہا تو گندگی کے ٹوکرے اُٹھائیں گے لیکن یہ کہ اپنے آپ کو بنا سنوار کر آئیں گے، اور سال ہا سال تک بڑی حیثیت کے لوگوں نے گوہ کے ٹوکرے اُٹھائے ہیں۔ آج کل تو ہر چیز میں انحطاط اور آسانی ہے اس لئے آتے ہی ذِکر اذکار شروع کرا دیئے جاتے ہیں ورنہ ذِکر اذکار سے پہلے ایک پورے مجاہدے سے گزار کر آدمی کو کبر، حسد، لالچ، کینہ، رِیا سے خالی کیا جاتا تھا اور باطن کو تواضع، ہمدردی، خیر خواہی سے متصف کیا جاتا تھا۔ معاملات کی ایک ایک بات کو درست کرتے تھے۔ پھر ذِکر اذکار بتائے جاتے تھے۔

جب روزی حلال نہیں ہوگی تو اللہ کا تعلق پیدا نہیں ہوگا:

فرمایا کہ ایک کتاب میں واقعہ لکھا ہوا ہے کہ غالباً ایک عالم کی وفات ہورہی تھی تو ان کے ساتھ باقی علمائے کرام بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جوں ہی ان کی وفات ہوئی تو ایک عالم اُٹھے اور چراغ بجھا دیا۔ باقی حضرات حیران کہ یا اللہ! اب تو چراغ کی ضرورت ہے کہ آدمی کی موت ہوگئی، کفن دفن وغیرہ سارے کام کرنے ہیں اور یہ انھیں کیا سوجھی کہ چراغ بجھا دیا۔ پوچھا آپ نے چراغ کیوں بجھایا ہے؟ کہا چراغ تو اب وارثوں کا ہوگیا ہے، مالک تو مرگیا، اب تو میراث کی تقسیم ہوگی اور وارثوں کی اجازت ہوگی تب چراغ جلاسکیں گے۔ اب کوئی چراغ جلانا چاہے تو اپنے پیسوں سے جلائے۔ سب نے کہا واقعی اتنی گہری بات کی طرف نگاہ کا جانا ہم سے نہ ہوسکا کہ یہ مال تو اب وارثوں کا ہے۔

میں نے میراث کا یہ مسئلہ بیان کیا تو ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب آئے ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ جی ہمارے خاندان میں تو سارے علماء ہیں، بعضے مفتی بھی ہیں، ہمارے گھر میں تو یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ لوگ فتویٰ پوچھتے ہیں، لوگوں کو لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ میں نے کہا برخوردار! یہ وہ علم ہے جس کا علماءِ کرام کے گھروں میں بھی تذکرہ نہیں ہے، عوام کے ہاں کیا ہوگا۔ آپ بھی ابھی اسی بات کا ثبوت دے رہے ہیں۔ صوابی کے علاقے سے ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب آئے تو انھوں نے کہا کہ آپ کی باتیں ہم نے وہاں پر کیں تو وہاں ایک فارغ التحصیل عالم تھے جو قانون کو بھی پڑھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ خیر یہ بیٹیوں کو میراث تقسیم کرکے حصہ دینا ضروری نہیں۔ پٹھانوں میں ساری عمر عورتیں آتی جاتی ہیں تو ان کو کھلانا پلانا آدمی کرتا رہتا ہے جسے پشتو میں کہتے ہیں ''ټول عمر پالنه کوی'' (ساری عمر ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں) تو اس لئے اس کو میراث کا حصہ دینا کوئی ضروری تو نہیں ہوتا۔ جب علماء کا ہی فہم نہ رہا تو عوام بیچارے کیا کریں گے۔ جتنا 'پالنہ' کررہے ہیں آپ وہ تو مستحب

ہے۔اس پر مستحب کا ثواب آپ کو ملے گا لیکن وہ جو میراث کا حصہ آپ نے اس کا نہیں دیا وہ تو فرض ترک ہوا ہے۔اس کے بغیر تو روزی حلال ہی نہیں ہوگی۔اور روزی حلال نہیں ہوگی تو اللہ کا تعلق پیدا نہیں ہوگا۔اور پھر جو اس سے آگے موتیں ہو جاتی ہیں پھر میراث در میراث در میراث، آٹھ دس واسطے اور پشتیں بن جاتی ہیں۔آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ مال کس کا تھا؟ اب آپ تقسیم بھی کرنا چاہیں تو سب تک پہنچا نہیں سکتے۔تو اس لئے یہ ضروری اور فرض واجب ہے کہ دین کو درست کرنے کے لئے میراث کی فوری تقسیم کرنی چاہیے۔

بعض لوگ ایسے سمجھدار ہوتے ہیں کہ اپنے مال سے آخرت کما لیتے ہیں:

فرمایا کہ سیٹھی کریم بخش مرحوم پشاور کے بہت مشہور مخیّر شخصیت تھے۔ان کے دو بڑے عجیب واقعات آپ کو سناؤں۔ایک دفعہ انگریزوں نے کہا کہ سارے مخیّر حضرات اسلامیہ کالج کی تعمیر کے لئے چندہ دیں۔سیٹھی کریم بخش مرحوم نے سوچا کہ انگریز کو کیسے چندہ دیں جو انگریزیت عام کر کے دین کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اور نہ دیں تو کاروبار کیسے کریں کیونکہ انگریز بہت ظلم کرتا تھا۔سیٹھی صاحب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے مرید تھے،ان کو خط لکھا کہ کیا کروں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم دعا کرتے ہیں اور آپ غور و فکر کریں،اللہ تعالیٰ کوئی بہتری کی صورت نکالے گا۔سیٹھی صاحب غور کرتے رہے۔آخر ایک خیال سوجھا اور جا کر کہا کہ کالج آپ لوگ بنا دیں،مسجد میں بنا دوں گا۔یہ اسلامیہ کالج کی مرکزی مسجد جو ایسی عظیم الشان مسجد ہے کہ مغل دور کی یاد تازہ کرتی ہے انھوں نے بنائی ہے۔دوسرا واقعہ میں نے مولانا بجلی گھر صاحبؒ سے خود سنا ہے کی کسی وجہ سے اٹھارہ سال بعد سیٹھی کریم بخش صاحب مرحوم کی قبر کو کھولا گیا ہے تو لاش بالکل صحیح سالم اور محفوظ تھی اور ایسی تازہ تھی کہ غسل کا پانی بھی بدن پر تازہ پڑا ہوا تھا۔تو بعض لوگ ایسے سمجھدار ہوتے ہیں کہ اپنے مال سے آخرت کما لیتے ہیں۔

بیاناتِ درویش

جامعۃ الرشید کراچی کے سالانہ تقسیم اسناد سے خطاب

خطبۂ ماثورہ۔ اما بعد!

الم نجعل الارض کفاتاo احیاءً و امواتاo (مرسلٰت: ۲۵، ۲۶)

ترجمہ: ''کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی، زندوں اور مردوں کو''۔ (معارف القرآن)

وعلم آدم الاسماء کلھا (البقرہ: ۳۱)

ترجمہ: ''سکھلا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے''۔ (معارف القرآن)

فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدایَ فلا خوف علیھم و لا ھم یحزن.

(البقرہ: ۳۸)

ترجمہ: ''پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ (معارف القرآن)

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے لئے بنایا ایک نظامِ معیشت اور ایک نظامِ ہدایت۔ پہلی آیت جو میں نے پڑھی کہ کیا میں نے زمین کو نہیں بنایا سارے انسانوں کو سمیٹنے والی، زندہ اور مردہ سب کو سمیٹنے والی۔ زندہ اور مردہ سارے انسانوں کی جتنی ضرورتیں قیامت تک ہیں اس کے لئے ایک دفعہ زمین کو پیدا کر کے اور اس میں استعداد رکھ کے اللہ پاک نے مکمل نظام دے دیا۔ آدم علیہ السلام کو علم دے دیا، استعداد دے دی اس سے فائدہ لینے کی۔ جس دور میں جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے انسان غور و فکر کرتا ہے، زمین سے ضرورت پوری ہوتی ہے۔ لکڑی جلا رہا تھا انسان، ختم ہونے کو تھی پر ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ کوئلہ نکل آیا۔ وہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اس نے کوشش کی اور پٹرول / پٹرولیم نکالا۔ میں نے کسی ایٹمی سائنسدان سے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کسی وقت ایٹمی توانائی ہمارے ایسے قابو میں آجائے کہ میں اس سے گھر کا چولہا جلا سکوں، پانی گرم کر سکوں، کھانا پکا

سکوں؟ اس نے کہا کہ ہاں یہ ممکن ہے، ہوسکتا ہے کسی وقت یہ بات بھی ہو جائے۔ اللہ پاک نے ایک نظام بنایا ہوا ہے کہ اتنی زیادہ آبادی ہو جائے کہ ساری زمین انسانوں سے بھر جائے تو اللہ نے اس میں اتنی استعداد رکھی ہے کہ زندوں اور مردوں کی ساری ضروریات پوری کرے گی۔ ہمارے حضرت صاحب مولانا اشرف صاحبؒ نے فرمایا کہ انسان چاند پر پہنچنے کا جو دعویٰ کر رہا ہے اور کوشش کر رہا ہے، اُس سے اسے کوئی چیز ایسی نہیں ملی جو اس کی ضرورت کی ہو یا اس کے کام کی ہو۔

دوسرا نظام اللہ پاک کا ہدایت کا نظام ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آتی رہے گی۔ جس نے اس کا اتباع کیا تو اس کو ایسی کامیاب زندگی ملے گی کہ غم اور خوف سے اس کو نجات مل جائے گی۔ آج کے انسان کا علم **علم آدم الاسماء کلها** والا ہے۔ یہ مادی وسائل کے بارے میں اس کا علم ہے۔ اور دوسرا علم ہدایت کا ہے۔ وہ روحانی مسائل کے بارے میں ہے۔ مادی وسائل کا علم بھی الفاظ ہیں، معانی ہیں اور ہاتھ کی ہنرمندی اور Skill کو استعمال کر کے آدمی مادی چیزوں کو سامنے لاتا ہے جو انسان کی ضرورتوں اور سہولتوں کو پورا کرتی ہیں۔ آج کی دنیا میں یہ مادی اشیاء ایک بہت بڑا آلہ ہیں۔ ساری جنگ ان مادی اشیاء کے ذریعے ہو رہی ہے اس لئے **اعدوا لھم مااستطعتم** میں پہلے اگر گھوڑے، تلوار اور تیر تفنگ تھے تو آج کی دنیا میں ایٹمی توانائی ہے اور مختلف سائنسی علوم ہیں جن کے ذریعے ہم نے وہ قوت حاصل کرنی ہے کہ اقوامِ عالم کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور ان کو جواب دینا ہے۔ تو وسائل کے اس علم کے بھی الفاظ ہیں، معانی ہیں اور پھر ہنرمندی ہے ہاتھ کی جس سے ان چیزوں کو وجود میں لایا جائے۔

جہاں تک روحانی مسائل ہیں وہ بھی الفاظ ہیں معانی ہیں لیکن یہ الفاظ و معانی صرف ہاتھ کی ہنرمندی تک نہیں ہیں۔ یہ الفاظ و معانی انسان کی روح، انسان کی عقل،

انسان کے قلب اور انسان کے نفس، ان چاروں اداروں کو مخاطب کرتے ہیں۔ ان چاروں اداروں میں اس علم کی روشنی میں کچھ اثرات، کچھ کیفیات اور کچھ حقائق پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اگر ان الفاظ و معانی کے بعد ان چار اداروں پر کچھ محنت کوشش ہوئی اور اندر وہ حقائق پیدا ہو گئے تو ان افراد کو کاملین کہتے ہیں۔ یہ افراد کاملین ہوتے ہیں۔ قوموں کو ایک تو ہنرمند افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک کاملین کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاملین حضرات کے اندر وہ صفات ہوتی ہیں کہ جو ان اشیاء کو ٹھیک طریقے سے استعمال کر کے بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں مجھے جو موضوع دیا گیا تھا وہ ہے كلية الشريعة. كلية الشريعة کے ساتھ میرا پہلا تعارف اس طرح ہوا کہ خیبر میڈیکل کالج پشاور یونیورسٹی میں ہی واقع ہے، مجھ سے مختلف طلباء میڈیکل اور انجینئرنگ کے آ کر پوچھتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے میں كلية الشريعة میں داخل ہو جاؤں۔ پوچھا کہاں پر ہے کہتے ہیں کراچی میں ہے۔ پوچھا اس میں تو بہت سے لوگ داخل ہو گئے ہوں گے۔ کہا نہیں جناب عالی! اس میں تو ٹیسٹ دینا پڑتا ہے، قابل لوگوں کو لیتے ہیں اور محدود نشستیں ہیں۔ سبحان اللہ۔ تو اس طرح تعارف ہوا۔ پھر ہم نے پوری معلومات کروائیں۔ اس نے کہا چار سال کا کورس ہے۔ وہ آپ کے پورے وقت کو استعمال کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ پہلے سال میں ادارے کے اندر عربی کے علاوہ بات چیت کرنا بند ہے۔ اردو کی کچھ کتابیں تو پڑھاتے ہیں لیکن بات چیت اردو میں بند ہے۔ باقی تین سالہ تعلیم میں اگر کتاب سے کسی بات کی تشریح بھی کرتے ہیں تو عربی میں کرتے ہیں۔ اردو میں تشریح نہیں ہوتی۔ تین سال کے بعد ہمیں دورۂ حدیث میں باقی طلبہ کے ساتھ بٹھایا جاتا ہے جو کہ درسِ نظامی سے نکل کر آتے ہیں۔ کہا کہ آپکو حیرت ہوگی کہ اِن کی کارکردگی اُن سے زیادہ اچھی سامنے آ رہی ہے۔ پوچھا اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ پھر ہماری رہنمائی کی جاتی ہے کہ مستقبل میں کیا کریں گے۔

عرض یہ ہے کہ کلیۃ الشریعۃ جو کام کر رہا ہے، کالجوں، یونیورسٹیوں کے گریجویٹ یہاں پر آتے ہیں اور ان کو دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کی استعداد بہت اچھی ہوتی ہے کیونکہ آپ کا ذہین ترین طبقہ میڈیکل میں جا رہا ہے، دوسرے نمبر پر انجینئرنگ میں جا رہا ہے۔ ان کو اگر آپ درسِ نظامی کی تربیت سے گزاریں تو آپ کو اس دور میں بھی امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی یادگاریں دیکھنا نصیب ہو جائیں۔ مولانا یوسف بنوری صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے پاس مدرسوں میں ایسے آتے ہیں کہ کوشش کرتے کرتے، دینی علم کی برکت ہوتی ہے کہ، استعداد والے آدمی پیدا ہو جاتے ہیں، ورنہ ہمیں تم لوگ اچھی استعداد والے نہیں دیتے ہو۔ کلیۃ الشریعۃ سے جو پڑھ کے نکل رہے ہیں یہ ایک ایک آدمی نہیں ہے بلکہ اگر پشاور کی انجینئرنگ یونیورسٹی سے آیا ہے تو ان سب کا نمائندہ ہے، اگر ڈاکٹر ہے تو سب ڈاکٹروں کا نمائندہ ہے۔ یہاں کے ڈاکٹر، انجینئر ساری دنیا میں جہاں کہیں جائیں گے ساری عمر اُن سے رابطہ رکھیں گے اور ان سے رہنمائی لے گے۔ آپ حیران رہیں گے کہ میں دینی لحاظ سے زیاد پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں لیکن یہ میرے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی برکت ہے کہ دنیا بھر میں، امریکہ، برطانیہ، جہاں کہیں بھی ڈاکٹر گئے ہوئے ہیں انھیں ضرورت پڑتی ہے مسئلے مسائل کی یا رہنمائی کی تو مجھ سے ٹیلیفون کر کے پوچھتے ہیں۔ کئی موقعوں پر میں ان کی رہنمائی کے قابل نہیں ہوتا تو میں جا کر مفتی حضرات سے پوچھتا ہوں، اہلِ علم سے پوچھتا ہوں، سب سے پوچھ کر جلد از جلد ان کا مسئلہ حل کر کے ان کو بتاتا ہوں۔ مجھے اس بات کا احساس ہوتا رہتا ہے کہ ان ڈاکٹر صاحبان نے مجھے اپنا نمائندہ بنایا ہوا ہے اور اتنا شعور ان کو نہیں ہے کہ ہمارے پاس بھی مفتی ہیں، علماء ہیں، مدارس ہیں، ان سے پوچھیں۔ مجھ پر ان کا اعتبار ہے کیونکہ اس طبقے سے لے کر پھر اس طبقے کی طرف مجھے واپس کیا گیا۔ لہٰذا کلیۃ الشریعۃ پورے طبقات کی

رہنمائی کرر ہا ہے۔ایک ایک آدمی جو یہاں سے بن کر جا رہا ہے وہ بہت زیادہ اثرات اپنے پورے طبقے پر ڈال رہا ہے جہاں سے وہ آیا ہے۔

اگلی بات یہ ہے کہ ان چار اداروں پر کام کر کے ان میں وہ صفات پیدا کرنی ہیں۔ جب تک اہلِ تصوف کے بیعت کے سلاسل سے پوری رگڑا رگڑی کے ساتھ نہ گزرا جائے تو آدمی کے اندر وہ بات پیدا نہیں ہوتی۔ یہ محض الفاظ و معانی نہیں ہیں، یہ قلب و نفس کے حقائق ہیں۔England میں ہمارا ایک سفر تھا۔ وہاں ایک جگہ پر ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس ادارے میں سارے ڈاکٹر مسلمان ہیں، صرف دو انگریز ہیں اور زیادہ آپ کے پشاور کے ہیں اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ وہ غیر مقلد بھی ہو گئے ہیں۔ان کے سامنے تصوف پر بیان کرنا ہے۔ میں نے کہا فکر نہ کریں اور ان کے غیر مقلد ہونے سے ڈریں نہیں، میں ان سے بات کروں گا۔ خیر جب ہم گئے تو وہ میرے شاگرد تھے، نماز پڑھانے کے لئے انھوں نے مجھے ہی آگے کیا۔ میں نے کہا میرے پیچھے تم جتنی زور سے آمین کہو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ جب بیان شروع ہوا تو ان سے میں نے کہا: ''تصوف کیا ہے؟ تیرا نفس جب گناہ کے جذبات سے بھڑک اٹھے تو اسے کیسے control (قابو) کرتے ہیں، کیسے جگہ پر لاتے ہیں''۔ بیان ختم ہوا تو ان کی تنظیم کے نائب صدر نے مجھے علیحدہ کر کے کہا کہ تو جو کہہ رہا ہے کہ نفس گناہ کے لئے بھڑکے تو قابو ہوتا ہے تو یہ کیسے ہوتا ہے؟ میں نے کہا یہ ایک تقریر سے تو نہیں ہوتا، اس کے لئے تو ادارے میں داخل ہونا ہوتا ہے، تربیت سے گزرنا ہوتا ہے، پھر یہ بات ہوتی ہے۔ روحانی خصائل کی تو دنیاوی علوم والے کو بھی ضرورت ہے۔اس کے اندر اگر یہ صفات اور خصائل ہوں گے تو وہ کام کا ہے۔ اگر نہیں ہوں گے تو وہ ان چیزوں کو اتنا خراب استعمال کرے گا اور آپ کے لئے اتنی مصیبتیں کھڑی کر دے گا کہ اس کا کوئی حل نہیں ہوگا کیونکہ روحانی تربیت نہیں ہے۔

جس وقت افغانستان کا جہاد شروع ہوا تو اس میں ان کے دانشور، لیڈر، علماء ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ یہاں سے سارے روس کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔ اس زمانے میں ضیاء الحق کا یہ جذبہ تھا کہ ان لیڈروں کو ہم اپنے اداروں میں بلائیں، اپنی جگہوں پر بلائیں، ان کی دعوتیں کریں تا کہ ان کا جذبہ ہمیں منتقل ہو اور ہمارے تصوف کے سلاسل، ہمارے علماء کی فراست اور دینی سیاسی زعماء کی ترتیب اُن کے سامنے آئے۔ ہمارے بڑے حضرت صاحب حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے افغان دانشوروں اور لیڈروں کی ایک دعوت کی۔ اس میں ان کے صاحبزادے عبدالرحمان صاحب نے مجھ سے کہا کہ پروفیسر برہان الدین ربانی کے ساتھ آپ بیٹھیں۔ یہ ربانی صاحب بعد میں ان کے صدر بھی بنے۔ میں ان کے ساتھ بیٹھا، تعارف کروایا، بات چیت شروع ہوئی۔ میں نے کہا پروفیسر صاحب آپ کے ملک کو روس نے اسلحے سے فتح نہیں کیا بلکہ نظریے سے فتح کیا۔ آپ کے طالبِ علم روس جاتے رہے، میڈیکل، انجینئرنگ، مختلف ہنر اور فن سیکھنے کے لئے، روس نے ان کو صرف ڈاکٹر، انجینئر، فزکس کا ماہر، کیمسٹری کا ماہر ہی نہیں بنایا۔ اس نے اپنی دہریت کا نظریہ بھی سکھایا۔ جب اس نے دیکھا کہ اتنے افراد اس کے افغانستان میں ہو گئے ہیں کہ اب اگر میں فوج اتاروں تو تائید حاصل ہوگی تو اس کے بعد اس نے فوج اتاری ہے۔ چونکہ آدمی سمجھدار تھا اس نے بات کو مانا۔ میں نے کہا کہ پروفیسر صاحب آپ کے مسئلے کا ایک عارضی حل ہے اور ایک دائمی حل ہے۔ عارضی حل آپ کے مسئلے کا تو وہ جہاد ہے جو آپ کر رہے ہیں، ہمیں بھی آپ کے ساتھ مل کر روس کے خلاف لڑنا چاہیے، ہمیں بھی اللہ توفیق دے لیکن یہ عارضی حل ہے، دائمی حل یہ ہے کہ آپ کا نوجوان عقیدہ اور یقین کے لحاظ سے مضبوط ہو، اس کا باطنی تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہو تو پھر آپ دائمی طور سے اس کے چنگل سے نکلیں گے۔ ساری

باتوں کی انھوں نے تائید کی۔ ہمارے حضرت صاحب کی برکت تھی کہ ان کے آگے کوئی بول نہیں سکتا تھا اس لئے انھوں نے سب باتوں کو سنا۔ عرض یہ ہے کہ تعلیم کے الفاظ اور معانی جب مجاہدے اور کوشش کے بعد باطن کے اندر کیفیات پیدا کرتے ہیں، باطن کے اندر حقائق پیدا کرتے ہیں تو تب آدمی بنتا ہے اور بنے ہوئے آدمیوں سے آگے پھر چیزیں بنا کرتی ہیں۔ میرا والد صاحب کی وجہ سے بچپن میں سکول کی زندگی میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ سے تعارف ہوا، ان کو میں نے دیکھا، ان کے بیانوں میں میں گیا، اس آدمی کے فقرِ بوذری کو میں نے دیکھا، اس کی للکارِ حیدری کو میں نے سنا، اس کے وسائل دیکھے۔ ان کی سوانح 'مجاہدِ ملت' عبدالقیوم حقانی صاحب نے لکھی ہے۔ دو واقعات اس میں لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ دو آدمی آئے، بیٹھے رہے، ان کو کوئی کھانے پینے کا نہیں پوچھ رہے۔ حکمت ان کا پیشہ تھا۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے دوا خریدی۔ انھوں نے کہا اب میرے پاس پیسے آئے ہیں کہ میں آپ کو چائے کھانے کا پوچھوں۔ جب اس کا جنازہ نکلا تو اس دو کچے کمروں والے گھر سے نکلا جو اس کو والد صاحب سے ملا تھا۔ اس پر وہ اینٹیں نہیں رکھ سکا۔ لیکن سارے پاکستان کے اخباروں پر اور اسمبلیوں پر، بڑے چھوٹے شہروں پر، سب جگہوں پر یہ آدمی پوری زندگی چھایا رہا۔ اس کے علاقے کے خوانین اس سے الیکشن نہیں جیت سکتے تھے۔ تو یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے عزم ویقین سے وسائل کو شکست دیتے ہیں۔

دوسرا جب صوابی میں خوانین قادیانی ہو گئے تو مرزا کا نام کوئی بے ادبی سے نہیں لے سکتا تھا۔ ہزاروی صاحب کہتے ہیں میں نے وہاں جلسہ کیا تو پہلے تو کوئی جلسے کی جگہ نہیں دے رہا تھا۔ خوانین آ کر مسلح کھڑے ہو گئے۔ مولانا لطف اللہ صاحب نے جب کہا کہ غلام احمد قادیانی کافر تھا تو آدمی اٹھا، پستول تان کر آگے آیا تو ہزاروی صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ تو نے کہاں سے غیرت سیکھی ہے، تیرے تو مذہب میں غیرت نہیں ہے، آ! فائر کر میں

دیکھتا ہوں تیرے اندر کتنی غیرت ہے۔ ایک نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور خواتین جو چارپائیوں پر بیٹھے تھے ان کی چارپائیاں لوگوں نے الٹا کر گرائیں اور پولیس کو مجبوراً ان سے اسلحہ لینا پڑا۔ جب آدمی بنا ہوا ہو، اس میں عزم و ہمت ہو تو یہ وسائل کا محتاج نہیں رہتا، یہ چھا جاتا ہے۔

۱۹۸۰ء کے ہندوستان کے سفر میں سہارن پور حاضری ہوئی۔ شام کا کھانا سب کا اکٹھا دیا گیا۔ صبح کے وقت مولانا طلحہ صاحب نے کہا کہ مشائخ، علماء، شیخ الحدیث اور مفتی حضرات کا ناشتہ حضرت مولانا زکریا صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) کے گھر پر ہوگا۔ گھر پر اشراق تک جہری ذکر ہوا۔ گھر کیا تھا، تین دیواریں پاس والے مکانوں کی تھیں، ایک دیوار آگے بنا کر اس میں کھڑکی دروازہ کر کے ایک کمرہ بنایا ہوا تھا۔ ایک برآمدے میں ان کی کتابیں تھیں اور ایک برآمدے میں ہمیں ناشتے کے لئے بٹھایا گیا۔ یہ کل اساس تھی۔ وہ اس خاندان کا آدمی تھا جن کی آبائی زمینوں کو آباد کرنے والے مزارعین کے دو سو کوٹھے تھے۔ اس آدمی کو دیکھا۔ لوگ کہتے ہیں سعودیہ والے تصوف کے مخالف ہوتے ہیں۔ ہم نے سعودیہ میں دیکھا کہ پہیّے والی کرسی پر ایک افغانی جُبّہ پہنے بیٹھے ہیں کہ جس پر پیوند بھی لگے ہوئے تھے اور شیخ عبدالعزیز بن باز تعارف کروا رہا ہے **ھذا شیخ زکریا. حنّف مؤطا امام مالک.** یہ وہ شیخ زکریا ہیں جنھوں نے مؤطا امام مالک کی ایسی شرح لکھی ہے کہ اسے حنفی بنا کر چھوڑا۔ اور وہ ایسا ٹھیٹھ تصوف والا آدمی، اس کو کوئی چھیڑ نہ سکا کیونکہ اس کا اللہ کا تعلق تھا۔

آخری بات جو میں آپ سے عرض کروں گا وہ یہی ہے کہ الفاظ و معانی پر جب محنت و مجاہدہ ہوتا ہے اس سے انسان کی عقل، قلب، روح اور نفس پر اثرات آتے ہیں اور اس سے شخصیت بنا کرتی ہے۔ ہمارے حضرت صاحبؒ فارسی کے بھی ماہر تھے اور اردو کے بھی۔ اشعار بڑے چنے ہوئے پڑھتے تھے۔ انھوں نے ایک شعر سنایا کہ

کاشتی تخم محبت در دلِ من کاشتی
آخرش دادی مرا چیزے کہ تو خود داشتی

کاشت کرلیا، کاشت کرلیا محبت کا بیج میرے دل میں کاشت کرلیا۔ آخر مجھے وہ چیز دے دی جو خود تیرے پاس تھی۔

تو چیز اس سے ملا کرتی ہے جس کے پاس ہوتی ہے۔ سارے علم کے بعد میرے بھائی تمہیں ڈھونڈنا پڑے گا، رگڑا لینا پڑے گا اور اس نظام سے گزرنا پڑے گا جس سے ہمارے اکابر گزرے اور گزرنے کے بعد اس راز کو پایا جو کہ دیوبند کا اصلی راز ہے اور وہ راز تصوف ہے جو کہ روحانی چیز ہے اور ایک جوہر ہے جس کے لئے ہمارے بزرگوں نے بہت کوشش کی۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ ربِ العالمین

پشاور خانقاہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہٖ الکریم!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے انسانوں کو اس دنیا میں ایک آزمائش اور امتحان کیلئے بھیجا ہوا ہے۔فرمایا **تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر،** برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔**اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ** جس نے پیدا کی موت اور زندگی۔**لِیَبْلُوَکُمْ**، تا کہ آزمائے تم کو۔ **اَیُّکُمْ** کون تم میں سے **اَحْسَنُ عَمَلاً** اچھے عمل کرنے والا ہے۔اس زندگی میں جتنے حالات انسان پر آتے ہیں وہ سارے کے سارے آزمائش ہیں۔آدمی پر تکلیف کا حال ہے تو وہ آزمائش ہے راحت کا حال ہے تو وہ آزمائش ہے مالداری کا حال ہے تو آزمائش ہے غربت کا حال ہے تو آزمائش ہے،کسی کو اقتدار،حکومت دی ہے وہ آزمائش ہے کسی کو ماتحت بنایا ہے وہ آزمائش ہے اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس جگہ پر انسان کیسے استعمال ہو رہا ہے کیسا عمل کر رہا ہے۔

اللہ پاک کی حکمتیں:

عیسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے اور ایک تالاب جس میں بچے نہا رہے ہیں، بڑے خوش ہو رہے ہیں، اچھل رہے ہیں کود رہے ہیں ایک نابینا بچہ کنارے بیٹھا ہوا ہے۔ان کو بڑا ترس آیا، بڑا دل دکھا کہ اس بچے کی آنکھیں بھی ٹھیک ہوں یہ بھی ان کے ساتھ نہائے دھوئے خوش ہو۔تو انہوں نے اللہ کے حضور دعا مانگی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا آنکھیں روشن ہوگئی۔سفر پر چلے گئے اپنے سفر سے واپس آ رہے تھے اس تالاب پر سے گزر رے تو

انہوں نے دیکھا کہ وہ بچہ جو تھا جس کی آنکھیں روشن ہوئی تھی اس نے اتنا سخت ہنگامہ کھڑا کیا ہوا ہے کہ سارے تالاب کے بچوں کو پریشان کیا ہوا ہے تو انہوں نے دعا مانگی یا اللہ یہ جیسے پہلے تھا ویسا ہی ہو جائے۔ جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا سب کو راحت ملی۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے راز ہیں جس کو جس حال میں رکھا ہے وہی اس کیلئے بہتر ہے، اس کے گرد و پیش کے لوگوں کیلئے بہتر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان رازوں کو ہم اور آپ نہیں سمجھتے اور نہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان رازوں کو کسی پر کھولنا چاہتا ہے نہ کسی کو بتانا چاہتا ہے۔ ایک آدمی نے بڑی منت سماجت کی اپنے وقت کے پیغمبر کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ جانوروں کی بولیوں کی سمجھ دے دیں انہوں نے فرمایا چھوڑیں اس کو، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ نہیں مانا اور ضد کرنے لگا کہ اگر سمجھ آ جائے تو اچھا ہو۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے غیب کے راز ہیں لیکن یہ آدمی پیچھے پڑ گیا اور اس کے پیچھے پڑنے کیوجہ سے انہوں نے دعا مانگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر یہ راز کھول دیا۔ یہ اپنے گھر میں آیا تو اس کے گھر میں جانور تھے، اس کا کتا اس کے مرغے سے بات کر رہا تھا کہ کوئی کھانے پینے کا مزہ نہیں ہے کچھ بھی نہیں مل رہا ہے تو اس نے کہا غم نہ کرو مالک کا بیل مرے گا اور بس پھر سب کھائیں گے آپ بھی کھائیں گے ہم بھی کھائیں گے۔ جانوروں میں سے مرغ کو کشف بہت ہوتا ہے۔ اس آدمی نے سنی اس کی بات سمجھ گیا اس نے کہا او ہو بیل تو مر رہا ہے اس نے جا کر بیچ دیا۔ تو پھر کتے کا اور مرغ کا مذاکرہ آپس میں ہوا کتا مرغے کو کہتا ہے تو بڑا جھوٹا ہے تو کہہ رہا تھا بیل مرے گا کہاں مرا بیل اسی طرح بھوکے ہیں، خوار حالت ہے اس نے کہا فکر نہ کرو اب اس کا گھوڑا مرے گا پھر بس تو بھی کھائے گا ہم بھی کھائیں گے مزے ہوں گے اس مالک نے بات سنی تو اس نے کہا یہ تو گھوڑا مر رہا ہے شکر ہے پتہ چل گیا اس نے جا کر بیچ دیا۔ بڑا خوش ہوا کہ جانوروں کی باتیں سمجھنے سے کتنے مزے ہو گئے ہیں دو

نقصانوں سے تو بچ گیا۔ کتے نے پھر مرغے سے کہا بس تو جھوٹا ہے تو نے کہا گھوڑا مرے گا وہ تو نہیں مرا کیا ہوا؟ اس نے کہا غم نہ کھاؤ یہ مالک ہمارا مرے گا، بڑی خیراتیں ہوں گی، پھر تو بھی کھائے گا میں بھی کھاؤں گا سب کھائیں گے۔ اب جو اس کو پتہ چلا تو بری حالت ہو گئی کہ اب کیا ہوگا؟ اسی لئے تو اللہ نے اس کو راز میں رکھا ہے کہ آدمی گھنٹے بعد مر رہا ہوتا ہے اور وہ منصوبے بنا رہا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نظام کو پردۂ غیب میں رکھا ہے، جس آدمی کے لئے جو حال مقرر کیا ہے وہی اس کے لئے بہتر ہے۔ اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ آپ پر تکلیف کا حال ہے اس کے دور ہونے کی دعا تو کرتے رہا کریں دور ہونے کے سبب اختیار کرتے رہا کریں اور دعا کرتے رہا کریں وہ اس لئے نہیں کہ یہ دور ہو بلکہ دعا کرنے میں بے اندازہ اجر وثواب ہے اس کو حاصل کرنے کیلئے۔ تکالیف، مصیبتوں سے بچنے کیلئے اسباب اختیار کرنا بے اندازہ اجر وثواب ہے اس کو حاصل کرنے کیلئے، اس کے بعد بھی نہیں ہو رہا تو بس اللہ تبارک وتعالیٰ کی چاہت ہی ایسی ہے اللہ کا فیصلہ ہی ایسا ہے بس اسی میں انشاء اللہ بہتری ہے۔ سال میں ایک دفعہ بادشاہ والا واقعہ سنایا کرتے ہیں نا بہتری والا اس دفعہ تو پورے دو سال ہو گئے نہیں سنایا کہ ایک بادشاہ تھا اس کے وزیر تھے ایک وزیر بہت نیک اللہ والا آدمی تھا۔ یہ اللہ والا وزیر جو تھا اس کا طریقۂ کار یہ ہوتا تھا کہ جب اس سے کوئی کہتا کہ یہ بات ہوگئی تو وہ کہتا اسی میں خیر ہے۔ ٹانگ ٹوٹ گئی تو اسی میں خیر ہے، گرِ گیا تو اسی میں خیر ہے، چلے اس واقعہ کو یاد رکھیں،

قادریہ سلسلے کا مرکز صوبہ سرحد رہا ہے:

دوسرا واقعہ آپ کو سنائیں ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کا بیان کردہ۔ گجرات میں ایک بزرگ دفن ہیں ان کو شاہ دَوْلاؒ کہتے ہیں، شیشوں والا چوک ہے

بازار میں اس میں دفن ہیں اور شاہ دولاؒ براہ راست شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ ہیں، ان کے خلیفہ ماشوگگر (پشاور) میں ہیں شیخ حبیبؒ نام ہے غالباً، ان کے خلیفہ پھر شیخ جنیدؒ ہیں یہ محلّہ شیخ آباد میں ہیں، ان کے خلیفہ عمرزئی والے بزرگ ہیں، اُن کے خلیفہ تورڈھیر والے بزرگ شاہ شعیبؒ ہیں، اُن کے خلیفہ سوات کے سیدو بابا صاحبؒ ہیں اور اُن کے خلیفہ پھر شاہ عبدالرحیم سہارنپوری صاحبؒ، پھر شاہ عبدالرحیم رائے پوری صاحب پھر شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں جن کی خانقاہ رائے پور (ہندوستان) میں ہے۔ قادریہ سلسلے کا مرکز صوبہ سرحد رہا ہے یہاں سے ہندوستان کو گیا ہے۔ سیلاب آ گیا لوگ شاہ دولہؒ کے پاس گئے کہ حضرت صاحب سیلاب آ گیا گجرات پر، اس سیلاب کو روکیں۔ تو اُن کو ساتھ لے گئے تو انہوں نے کہا کدال لاؤ، کدال لائی گئی سیلاب ادھر آ رہا تھا راستے میں اس کو جو مٹی روک رہی تھی اس کو کھودنا شروع کر دیا پانی کا راستہ درست کرنے کیلئے، سیلاب بہت زیادہ ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت صاحب یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا ''جدھر مولا اُدھر دولہ'' جیسے اللہ کا فیصلہ ہے ہم بھی اسی کے ساتھ ہیں جب اللہ پاک کا فیصلہ سیلاب یہ کا آیا ہوا ہے تو بس اب کیا کریں۔ اللہ کی شان ان کا یہ فرمانا اور سیلاب رک گیا۔

دوسرا واقعہ کیا تھا؟ ہاں بادشاہ والا۔ اچھا یہ وزیر بڑا اللہ والا تھا بادشاہ پر اس کا بڑا اثر تھا۔ جس آدمی کا کسی دربار میں کسی جگہ پر اثر زیادہ ہو لوگ حسد کرنے والے بہت ہو جاتے ہیں اس کے خلاف منصوبے بنا رہے ہوتے ہیں تو باقی وزیر اس کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے کہا میں بیمار ہوں تو وزیر صاحب نے کہا اسی میں خیر ہے دوسرے وزیروں نے خوشامدیں کیں کہ جہاں پناہ یہ بیماری دور ہو جائے فلاں حکیم ہے فلاں حکیم ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ دیکھیں یہ آپ کا خیرخواہ نہیں ہے آپ نے کہا بیماری ہے تو اس نے کہا اسی میں خیر ہے۔ پھر ایک دفعہ اس طرح ہوا کہ بادشاہ کی انگلی کٹ گئی تو سب

وزیروں نے خوشامدی بیان وغیرہ دیئے اس اللہ والے وزیر نے کہا بادشاہ سلامت اسی میں خیر ہے، باقی وزیروں نے کہا کہ بادشاہ سلامت کی انگلی کٹ گئی ہےاور وزیر صاحب کہہ رہے ہیں کہ اسی میں خیر ہےاب دیکھیں جی یہ آپ کا خیر خواہ ہے؟ بادشاہ کا دل اس کے خلاف کردیا۔ بادشاہ سلامت شکار پر جارہے تھے سارے وزیر ساتھ گئے۔ یہ وزیر بھی شکار پر گیا توانہوں نے اپنے آدمیوں سے کہا ہوا تھا کہ اس کو فلاں اندھے کنویں میں گرا دیں۔ کنویں کے پاس سے گزر رہے تھے ان کے آدمیوں نے دھکا دیا اور گرادیا۔ آگے شکار میں بادشاہ بھٹکا اور بھٹکنے کے بعد اتنا دور چلا گیا کہ کسی دوسری مملکت میں گرفتار ہوگیا اسی شکاری لباس میں۔ گرفتار کرکے اس کو لے گئے۔ تو مقامی لوگوں نے اپنے بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت! آپ نے کہا تھا کہ کسی آدمی کی قربانی دیں گے پھر کہا تھا کہ اپنی مملکت کے آدمی کو قربان نہیں کرتے پھر عوام میں ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ اب یہ ایک باہر کا آدمی آیا ہے اس کی قربانی کر لینی چاہیے انہوں نے کہا ہاں بالکل ٹھیک ہے اس کی قربانی کر لینی چاہئے پادری کو دکھاؤ، اس کو پنڈتوں پادریوں کو جو دکھایا گیا انہوں نے جو دیکھا انہوں نے کہا اُوہو اس کی انگلی کٹی ہوئی ہے اس کی قربانی نہیں لگتی۔ لہٰذا چھوڑ دیا کہ آدمی قربانی کے قابل بھی نہیں ہے کیا اس کا کھانے پینے کا خرچہ برداشت کریں گے دفع کرو، رہا کر دیا۔ اس نے کہا اُوہو! وہ جو وزیر صاحب نے کہا تھا انگلی کٹی ہوئی ہے اس میں خیر ہے اس کی خیر تو آج نظر آئی اگر انگلی کٹی نہ ہوتی تو گردن کٹ رہی تھی آج تو انگلی نے گردن بچائی ہے۔ یہ وزیر تو کوئی اللہ والا آدمی تھا اور ہم نے کوتاہی کی اس کو گرادیا خیر چلو لاش تو نکالنی چاہیے۔ آگئے، رسی پھینکی آدمی اُترا لاش نکالنے، دیکھا تو وزیر صاحب زندہ سلامت، اس آزمائش میں بھی اللہ نے زندہ سلامت رکھا، باہر نکالا گیا بادشاہ نے معذرت کی کہ معاف کریں آدمیوں سے کوتاہی ہو گئی آپ کو دھکا لگ گیا۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت بس اسی میں خیر تھی۔ تو بادشاہ نے کہا

یا روہ انگلی کٹنے کی خیر تو میں دیکھ کر آ گیا تیرے کنویں میں گرنے کی کیا خیر ہے؟ تو اس نے کہا بادشاہ سلامت اگر میں ہوتا اوپر، میں تو کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتا، میں ہوتا آپ کے ساتھ، ہوتا گرفتار، آپ کی تو انگلی کٹی ہوئی تھی میں تو صحیح سالم تھا میری تو قربانی لگنی تھی تو میرے کنویں میں گرنے میں یہ خیر تھی۔ بادشاہ نے کہا واقعی سبحان اللہ! مولوی صاحبان عربی کا جملہ بولا کرتے ہیں '' **الخیر فی ما وقع** '' کہ جو واقعہ ہو گیا اسی میں خیر تھی۔

انسان اسباب اختیار کرنے کا مکلّف ہے:

انسان اسباب اختیار کرنے کا مکلّف ہے یعنی اس کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے اللہ والے جو اسباب کو اختیار کرتے ہیں وہ اس امر کے پورا کرنے کے اجر و ثواب کو حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں اس لئے اللہ والے دنیاداروں سے زیادہ اسباب اختیار کرنے کی زیادہ کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ سبب کو رب سمجھ کر نہیں، سبب سے کام بنتا ہے اس لئے نہیں، سبب کے امر کو پورا کرنے پر جو اجر و ثواب ملتا ہے اس کو حاصل کرنے کیلئے۔ اس لئے معمولی معمولی اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ مریض تھے پیروں کی تکلیف کے سبب چل نہیں سکتے تھے۔ (Muscular dystrophy) تھی یعنی پٹھے ختم ہو گئے تھے۔ دم کرنے والے لوگ ملنے کیلئے شوقیہ آتے تھے کہ ہم دم کرنے کیلئے آئے ہیں تو کوئی بھی آتا تو دم کرا دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس حال میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں کہ مجھے شفا نہیں ہوگی ابھی بھی مجھے پوری امید ہے کہ اللہ شفا دینا چاہے تو ہو جائے گی۔ وزیرستان کی طرف سے کوئی گدی نشین تھے وہ دم کیلئے آتے تھے سفید ریش، بڑی عمر کے آدمی تھے تو ان سے دم کراتے تھے کہ آدمی آیا ہے شوق سے تو چلیں کر دے دم۔ ایک دفعہ اس طرح تھا کہ وہ گدی نشین آگے بیٹھے

ہوئے تھے حضرت پیر لمبے کئے ہوئے بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا میری ٹانگوں کو پیچھے کردو کہ جس آدمی سے میں دم کرا رہا ہوں اس کی بے ادبی نہ ہو۔ حالانکہ اپنی قطبیت کے پائے کی ولایت تھی لیکن ایک عام دم گر آدمی کی بے ادبی گوارہ نہ تھی۔ ایک دن میں گیا دیکھا کہ ایک داڑھی منڈا آدمی دم کر رہا ہے میں نے کہا یہ کون ہے انہوں نے کہا یہ اس کا دوسرا بھائی ہے کہتا ہے ہم گدی نشین ہیں ہم سب کو اجازت ہے۔ جب فالج آخر میں ٹھیک ہونے کو ہو تو ان دنوں میں یہ آیا کرتا تھا اس کے بھی نمبر ہو جاتے تھی۔ ساتھیوں کو بڑا اعتراض ہو رہا تھا کیونکہ ہم مولوی لوگ ظاہری شریعت کی بڑی پابندی کرتے ہیں۔ میں نے کہا آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن حضرت صاحبؒ کو باطن میں ایسا حال حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس داڑھی منڈے سے بھی زیادہ گرا ہوا سمجھ رہے ہیں اور اس سے بھی دم کرا رہے ہیں۔ فتوے وغیرہ آپ کو مبارک ہوں ہمیں تو دل کا یہ حال کہ جس میں اپنا آپ ساری مخلوق سے گرا ہوا نظر آ رہا ہو یہی مبارک ہے سبحان اللہ۔

شاہ ولی اللہؒ کے والد کا واقعہ ہے، شاہ عبدالرحیمؒ کا، بادشاہ نے بلایا۔ بادشاہ کے دربار کے لحاظ سے اچھے کپڑے پہن کر ملاقات کیلئے روانہ ہوئے۔ آگے گئے تو ایسی جگہ سے گزرنا پڑ رہا تھا جہاں گندے پانی کا جوہڑ تھا اور درمیان میں تنگ سا راستہ تھا اس راستہ پر گئے آگے آ گیا کتا، انہوں نے کہا یا اللہ کتا آ گیا درمیان اگر یہ چلا جائے پیچھے کو، راستہ میرے لئے چھوڑ دے تو آسانی ہو مگر کتے نے راستہ نہیں چھوڑا تو انہوں نے کتے سے زبانِ حال (یہ ایک کلام کا طریقہ ہے باطنی) سے کلام کیا کہ مجھ پر اللہ کے احکامات ہیں پاک ناپاک کے اور اس کی وجہ سے اگر تو اتر جائے نیچے گندے پانی میں اور مجھے راستہ دے دے تو میرے کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے۔ کتا آگے زبانِ حال سے گویا ہوا اس نے کہا حضرت صاحب! اگر آپ نیچے اتر گئے گندے پانی میں اور آپ کے کپڑے ناپاک ہو گئے تو

تھوڑا سا پانی ان پہ ڈالا اُن کو پاک کرلیں گے اور اگر میں نیچے اتر گیا اور آپ کے قلب میں یہ بات آگئی کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو اس سے جو قلب پر گندگی آئے گی سمندر کا پانی اس پر ڈالیں گے تب بھی صاف نہیں ہوگا۔ وہ پانی میں اترے کتے کو راستہ دیا۔ ان کو بتایا گیا کہ آپ کا کتے پر ایک احسان ہوا تھا آج اس کا بدلہ دیا ہے۔ آپ گزر کر جا رہے تھے اور خارش میں مبتلا کتا تھا اس کو آپ نے اٹھایا تھا، اس کی خدمت کی تھی، اس کا علاج کیا تھا اس کو شفا ہوئی تھی تو آپ کی ایک کتے کے ساتھ نیکی ہوئی تھی اس کا بدلہ اس کتے نے دیا ہے ۔سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت اپنے خاص امر سے فرماتا ہے کہ اگر آپ کے دل میں یہ بات آگئی کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو یہ گندگی تو سات سمندر کے پانی سے بھی نہیں دھلتی۔

انوارات اور فیض کی علامت:

سبحان اللہ! اسی کوشش میں لگے رہنا ہے کہ سب سے پہلے اپنی فکر ہے پھر دوسرے کی فکر ہے۔ اگر سب کی فکر کرتے رہیں اور سارے جنتی بن جائیں اور میں دوزخی رہا تو صفر کام بھی نہ ہوا۔ کیونکہ جس دینی کام سے مجھے اللہ کی رضا حاصل نہ ہو اور میری اصلاح نہ ہو اور مجھے فائدہ نہ ہو تو وہ تو تحریک ہے جس میں زندہ باد مردہ باد ہو کر لوگوں کو جمع کیا، ہڑ بونگ، ہلڑ بازی ہوئی اور بس وقت گزر گیا۔ ایک دفعہ ہمارے علاقے میں ایک تقریر ہو رہی تھی، ہم نے سنا تھا کہ مقرر بڑی زبردست تقریر کرتے ہیں، بڑا مزہ آتا ہے۔ خیر ہم بھی چلے گئے سننے کیلئے، تقریر سنی واقعی بڑا جوش وخروش بڑا لطف ومزہ۔ واپس آئے ویسے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ جوش وخروش لطف ومزہ اور چیز ہوتی ہے اور نورانیت اور چیز ہوتی ہے بہرحال ہمیں کیا اندازہ۔ ہمارے گاؤں میں ایک نقشبندیہ خانقاہ ہے، اس کے بڑے کاملین لوگ ہیں ہم ان

بزرگوں سے ملنے کیلئے گئے اور لوگ بھی گئے۔ لوگوں نے کارگزاری سنائی تقریر کی، تو بزرگوں نے فرمایا ماشاءاللہ جوش وخروش بہت ہوتا ہے۔ انوار اور فیض کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہاں سے اٹھنے کے بعد آدمی کی نیکی کی توفیق میں اضافہ ہوا ہوتا ہے خواہ مزہ آیا ہو نہ آیا ہو۔ جوش و خروش طاری ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن نیکی کی توفیق میں اضافہ ہوا تو سمجھیں کہ فائدہ ہو گیا ہے اور اگر نیکی کی توفیق میں اضافہ نہیں ہوا تو سمجھیں نِرا جوش وخروش تھا یا کہنے والے میں کمی ہے یا سننے والے میں یا دونوں طرف سے ایک ہی حال ہے۔ فائدہ کیا ہوا؟ کسی سلسلے کی حق ناحق ہونے کے بارے میں آدمی اگر آگاہی حاصل کرنا چاہے تو اس میں جانے آنے والوں کی آخرت کی فکر اور آخرت کے اعمال کی فکر اور آخرت کے اعمال کی توفیق میں اضافہ ہو رہا ہے کہ نہیں ہو رہا۔ اگر نہیں ہو رہا ہے تو نری تحریک ہی ہے فائدہ اور فیض نہیں ہے۔

آخرت کی کامیابی کا دارومدار اچھے عمل پر ہے:

تو آج جو مضمون شروع کیا وہ یہ تھا تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ، برکت والی ذات ہے جس کے قبضے میں ہے ملک اور وہ ہے ہر چیز پر قادر۔ اَلَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ وہ ذات جس نے پیدا کی موت اور زندگی۔ لِيَبْلُوَكُمْ ، تاکہ آزمائے تم کو۔ اَيُّكُمْ ، کون تم میں اَحْسَنُ عَمَلاً ، اچھا عمل کرنے والا ہے۔ بزرگ کہا کرتے ہیں ''اَكْثَرُ عَمَلاً'' نہیں کہا گیا ہے کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ '' احسن عملا '' اچھا عمل کہ جو عمل اللہ کے دربار میں قبول بھی ہو جائے اور آخرت کیلئے کارآمد بھی ہو یہ احسن عمل ہے۔ اکثر عمل یہ ہے کہ ہم لگے رہتے ہیں اپنی مرضی سے، اس لگے رہنے کی کوشش بہت زیادہ ہوتی ہے اور فائدہ آدمی کو تھوڑا ہوتا ہے کیونکہ اپنی مرضی سے لگا ہوا ہے۔ پتہ بھی نہیں ہے کیا کریں؟

حرام کے پیسوں سے حج کرنا:

کل ڈاکٹر محمد صاحب آیا تھا تو کسی کا بتا رہا تھا کہ دو تین بیٹے کام کر رہے ہیں اور حج ان بیٹوں پر فرض ہوا ہے کیونکہ مال ان کا زیادہ ہے۔ خود فرض کے لئے جا نہیں رہے اور والد کو ایک بیٹا بینک والا نفل حج کیلئے بھیج رہا ہے بینک کے کمائی کے حرام پیسوں میں سے۔ حاجی صاحب جاتے ہوئے خوش ہو رہا ہے اب دین کا فہم ہی نہیں ہے کہ کتنا خرچہ، تکلیف، مشکل، مشقت ہو رہی ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں۔

صاحب ترتیب آدمی کے لئے پہلے قضا نماز پڑھنا:

۲۰۰۲ء کا رمضان تھا اور ساتھی ہمارے عمرے کیلئے گئے۔ گروپ میں یہاں سے تین آدمیوں کو ساتھ کیا تھا اور چار آدمی ہم تھے۔ جہاز سے ہم ایسے وقت اترے کہ عصر ہم نے نیچے پڑھی۔ وہ آدمی تو ہم سے بھٹک گئے خیر کسٹم وغیرہ ہوا تلاشیاں ہوئی اندر داخل ہوئے مغرب کی، افطاری وغیرہ کی اتنے میں ہمارے گروپ والے وہ آدمی آ پھرے۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی ہیں ان سے کہا عصر کی نماز پڑھی ہے؟ کہا کہ عصر کی نماز تو نہیں پڑھی۔ میں نے کہا چلو پہلے افطاری کرو، افطاری کر کے آپ دو دو رکعات عصر پڑھیں تا کہ پھر مغرب پڑھیں کیونکہ صاحبِ ترتیب آدمی اگر قضا شدہ نماز کو نہیں پڑھے گا۔ پہلے دوسری کو پڑھے گا تو اس کو دوبارہ دہرانا پڑے گا پہلے قضا پڑھے پھر دوبارہ پڑھے۔ ہمیں اندازہ ہوا کہ کسی آدمی نے کوئی ترغیب وغیرہ دی ہے عمرے کی کہ عمرے سے کاروبار زیادہ ہوتا ہے، برکت ہوتی ہے وغیرہ تو چلے آئے۔ اب اس نفل عمرے سے زیادہ ضروری بات جو تھی وہ فرض نماز...... وہ قضا!

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا مفہوم:

اس دفعہ جمعہ کو بڑی عید آئی تھی یہاں ہماری قربانی چل رہی ہے وہاں پر جمعہ کی اذان کا وقت ہو گیا میں نے کہا کام بند کر کے نماز کو جائیں۔تو قصاب کہتا ہے ہم کیا کریں ہمارے تو کپڑے ٹھیک نہیں ہیں؟ میں نے کہا جو کریں آپ کی مرضی ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے میری جگہ سے کام بند کر کے نکلیں، آپ اس جگہ کو خالی کریں۔ کہنے لگے کہ گوشت کو کتے لے جائے گے میں نے کہا کہ میری قربانی تو ادا ہو گئی ہے اب کتے لے جاتے ہیں یا جو بھی لے جاتا ہے اس سے ثواب میں فرق نہیں آتا۔ ذبیحہ امر الٰہی ہے۔ جانوروں کو ذبح کر کے زمین پر خون گرایا تو قربانی ادا ہو گئی۔گوشت کھانا تو مزید اللہ کا فضل ہے۔قصاب بڑے عجیب حیران دیکھ رہے تھے کہ یہ عجیب مالک ہے۔لوگوں کا تو جذبہ ہوتا ہے کہ نماز نہ پڑھیں اور کام ختم کریں۔ہم نے دو تین بچے بٹھا دیئے گوشت کے پاس۔ میں نے کہا یہاں سے نکلیں آپ، آپ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں اس پر میں جبر نہیں کر سکتا وہ آپ کا کام ہے اگر حکومتی اختیار میرے پاس ہوتا تو جبر بھی کرتا۔کل ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ جبر تو دین میں نہیں ہے۔درس میں سوال کر رہا تھا تو میں نے کہا آپ جبر کسے کہتے ہیں؟ کہا کہ مثلاً یہ طالبان جبر کر رہے تھے زور سے نماز پڑھا رہے تھے زور سے داڑھی رکھوا رہے تھے میں نے کہا برخوردار! ''لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ'' غیر مسلمان کو مسلمان کرنے کیلئے جبر نہیں ہے اور مسلمان کو فرض عمل پر ڈالنے کیلئے تو ڈنڈا ہے وہ ٹھیک کر رہے تھے شریعت کا یہی حکم تھا۔طالبان کی حکومت صالح حکومت تھی اور حکومت اور اقتدار کی ذمہ واری یہی ہے کہ وہ ضروری کاموں کے نہ کرنے پر ان پر جبر کرے گا۔ اذان کے بعد محتسب بازار سے گزرتے ہوئے سب کی دکانیں بند کرائے گا اب اگر کوئی دکان بند کر کے چھپ کر اندر بیٹھ گیا اور نماز نہیں پڑھی تو اس کی اپنی مرضی ہے لیکن دکان بند کرا کے مسجد کی طرف لے جانے

کا جبر کرے گا۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں دکاندار اسی طرح دکان بند کر کے اندر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک آدمی سلسلے میں بیعت ہے سعودی عرب میں، اس کی گھر والی نے شکایت کی بیعت بھی ہے آپ سے، داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے لیکن مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے نماز نہیں پڑھتا۔ دوسرا یہ کہ اس نے کہا میرا کہو گے بھی نہیں کہ اس نے کہا ہے۔ تو خیر جب اس ساتھی نے مکہ مکرمہ سے ٹیلی فون کیا تو میں نے کہا برخوردار میں جب وہاں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نظر نہیں آئے مسجد میں، میں نے ساتھیوں سے پوچھا (واقعی پوچھا تھا) تو انہوں نے بتایا کہ مسجد میں نظر نہیں آتے ہیں۔ افسوس کہ آپ بڑے دور ہیں ورنہ کرتا میں آپ کی پٹائی، پھر آپ ٹھیک ہوتے۔

یہ دنیا کے حالات آزمائش ہے اس لئے یہاں کوئی جل گیا، کوئی مر گیا، کسی کو قتل کر دیا گیا یہ تو اُس کا ظاہری پہلو ہے۔ اصحاب الاخدود کو جس وقت بادشاہ آگ کی خندقوں میں ڈال رہا تھا اسلام قبول کرنے پر تو اس میں ایک عورت کا دودھ پیتا بچہ اس سے لیا جو باتیں نہیں کر سکتا تھا اور اس کو آگ میں گرایا اس عورت کو سخت تکلیف ہوئی، کوفت ہوئی اور چیخی اور چلائی۔ تو اس بچے نے اندر سے آواز دی کہ امی جان، امی جان پریشان نہ ہوں باہر سے تو آگ ہے اندر جنت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کے حالات کھولے ہوئے تھے۔ یہ پیچھے آبادی ہے جمعہ خان کلے وغیرہ اس کے کچھ حضرات سلسلے میں آیا جایا کرتے تھے ان کی ایک عورت جل کر مر گئی تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب جب اس کو آگ لگی تو وہ اپنے جو مرے ہوئے رشتہ دار تھے ان کو آواز دے رہی تھی۔ میں نے کہا اس پر موت طاری ہونے والی تھی عالم برزخ اللہ نے کھول دیا تو اپنے رشتہ دار نظر آنے لگے۔ بعض اوقات رشتہ داروں کو برزخ میں اطلاع دی جاتی ہے وہ تیاری کر رہے ہوتے ہیں، استقبال کرنے کیلئے آنے والے کا۔ تو میں نے کہا اس کو برزخ کا کشف شروع ہو گیا تھا بوجہ موت کی حالت طاری ہونے کے۔

...... بیان ......

حقیقت تصوف

(یہ بیان پشاور یونیورسٹی کے ایریا سٹڈی سنٹر میں پی ایچ ڈی سکالرز کے سامنے کیا گیا)

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. اما بعد

شخصیت کی تعمیر کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ کا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری احکامات کے پوچھنے کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وہاں یہ بات بھی تذکروں میں آئی ہے کہ انہوں نے باطنی باتوں کو بھی پوچھا۔ مثلاً

نفاق یا منافقت کے بارے میں سوال:

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے یہ کہتے ہوئے نکلے **نَافَقَ حَنْظَلَةُ** کہ (حنظلہ تو منافق ہوگیا)۔ سامنے سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے، ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں۔ حضرت حنظلہؓ نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور ﷺ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا دونوں ہمارے سامنے ہیں۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آ جاتے ہیں تو بیوی، بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے۔ اس لئے دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر حنظلہؓ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت و دوزخ کا ذِکر فرماتے ہیں تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ ہمارے سامنے ہیں لیکن جب خدمتِ اقدس سے

چلے جاتے ہیں تو جا کر بیوی بچوں اور گھر بار کے دھندوں میں لگ کر بھول جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جو میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہؓ بات یہ ہے کہ گاہے گاہے۔ اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں۔ (حکایاتِ صحابہ صفحہ ۱۴۱، مولانا زکریاؒ، کتب خانہ فیضی)

ریا و اخلاص کے بارے میں سوال:

ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات اپنے گھر کے اندر اپنی جائے نماز پر ہوتا ہوں، اچانک کوئی آدمی آجائے تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے مجھے اس حال میں دیکھا (یعنی یہ کہیں ریا تو نہیں!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابو ہریرہؓ خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں اس وقت دو اجر ملتے ہیں، ایک خفیہ عمل کا جو پہلے سے کر رہے تھے اور ایک اعلانیہ عمل کا جو اُس آدمی کے آنے کے بعد ہو گیا (یعنی یہ ریا نہیں ہے)۔ (تفسیر معارف القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۵۰ مفتی محمد شفیع صاحب)

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمایئے کہ جو نیک عمل کرتا ہے۔ پھر لوگوں کو سُنے کہ وہ اس عمل کی تعریف اور مدح کر رہے ہیں (یعنی یہ ریاء تو نہیں ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تِلْکَ عَاجِلُ الْبُشْریٰ لِلْمُؤْمِنِ یعنی یہ مؤمن کیلئے نقد بشارت ہے یعنی اس کا عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہوا اور اُس نے بندوں کی زبان سے اس کی تعریف کرا دی۔ (تفسیر معارف القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۵۰ مفتی محمد شفیع صاحب)

ابن ابی حاتمؒ نے کتاب الاخلاص میں طاؤسؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذِکر کیا کہ بعض اوقات کسی نیک کام یا عبادت کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا مقصد اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوتی ہے کہ لوگ میرے عمل کو دیکھیں، آپ ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا یہاں تک کہ سورہ کہف کی آخری آیت ''فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا'' نازل ہوئی۔ ابو نعیم اور تاریخ ابن عساکر میں بروایت ابن عباسؓ لکھا ہے کہ جندبؓ بن زہیر صحابی جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے پھر دیکھتے کہ لوگ ان اعمال سے انکی تعریف اور ثناء کر رہے ہیں تو ان کو اس سے خوشی ہوتی اور اپنے اس عمل کو اور زیادہ کر دیتے اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر معارف القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۵۰ مفتی محمد شفیعؒ)

آیت میں رِیا کو شرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا**o (الکھف: ۱۱۰)

ترجمہ: ''سو پھر جس کو اُمید ہو اپنے رب سے ملنے کی وہ کرے کچھ نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو''۔

مندرجہ بالا واقعات میں سے پہلے دو واقعات میں وجہ عمل رضائے الٰہی ہی تھی اتفاقاً اظہار ہو گیا جس سے صاحبِ عمل کو فرحت اور خوشی ہوئی اس لئے ان دو واقعات کو آپ ﷺ نے ریا میں شامل نہیں فرمایا جبکہ دوسرے دو واقعات میں شروع ہی سے وجہ عمل میں علاوہ رضائے الٰہی کے مخلوق بھی شامل ہو گئی چنانچہ واقعہ نمبر '۳' میں جذبہ ہے کہ لوگ دیکھیں جبکہ واقعہ نمبر '۴' میں لوگوں کا دیکھنا عمل میں زیادتی کا ذریعہ بن رہا ہے اس لئے ان دونوں حالتوں پر ریا کا فتویٰ دیا گیا۔

کبر کے بارے میں سوال:

حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس کی صاحبزادی کہتی ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ فرماتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (لقمٰن.۱۸)

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے''۔

نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پر نہایت بھاری پڑ گئی، اپنا دروازہ بند کرلیا اور رونا شروع کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی، آپ ﷺ نے ان کے پاس آدمی بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے اس چیز کی آپ کو خبر کردی جو اس آیت سے ان پر بھاری پڑی اور عرض کیا کہ میں ایک آدمی ہوں کہ زینت اور جمال کو پسند کرتا ہوں اور یہ کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں (یعنی ان باتوں سے کہیں کبر اور فخر میں تو مبتلا نہیں ہوں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو بلکہ تم بھلائی کے ساتھ زندگی گزارو گے، خیریت کے ساتھ تمہاری وفات ہوگی اور تمہیں اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔

ان سب واقعات میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باطنی حالات کے بارے میں پوچھنے اور رذائل کی اصلاح حاصل کرنے کا تذکرہ ہے۔ وہ کاملین جن کے کمال پر قرآن وحدیث گواہ ہیں اور جن کو جنتی ہونے کی بشارتیں دُنیا ہی میں مل چکی ہیں، وہ بھی اپنے نفس کی پوری نگہداشت رکھتے تھے اور رذائل کا معمولی شائبہ محسوس ہونے پر اس کی اصلاح کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتے تھے، جو مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہے۔

صحابۂ کرام کی اپنے نفس کی نگرانی:

حضرت عمر فاروق ؓ ایک دن سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں۔ عرض کیا اے خلیفۂ رسول (ﷺ)! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے یہ کیا ہے؟ حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا اس زبان نے مجھے بہت مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے۔ (احیاء العلوم، امام غزالی ؒ)

سیدنا عمر فاروق ؓ نے ایک مرتبہ نماز کے بعد تقریر کا اعلان کیا جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ؓ نے حمد و ثناء کی، دُرود بھیجا اور پھر فرمایا اے لوگو! میں نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب میں بنی مخزوم میں اپنی خالاؤں کی بکریاں چراتا تھا اور مجھے اس کے عوض میں ایک مٹھی کھجور اور کشمش دیا کرتی تھیں اور میں اسی سے سارا دن بسر کرتا تھا، وہ بھی کیا دن تھے۔ تقریر ختم ہونے کے بعد عبدالرّحمٰن بن عوف ؓ نے عرض کیا امیر المومنین! آج تو آپ ؓ نے اپنے عیب بیان کرنے کے سوا کوئی بات نہیں کی۔ فرمایا اے ابن عوف ؓ! میں تنہائی میں تھا میرے نفس نے مجھ سے کہا تو امیر المومنین ہے، مسلمانوں میں تجھ سے افضل کون ہوگا! تو میں نے اِرادہ کیا کہ اپنے نفس کو کچلوں اور اسے سزا دوں۔ (حیاۃ الصحابہ، حصہ ہفتم، صفحہ ۶۵۹، ترجمہ مولانا محمد عثمان)

حضرت عمر ؓ کو کسی نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ کمر پر مَشک لدی ہوئی ہے اور لوگوں کے ہاں پانی بھرتے پھرتے ہیں۔ کسی نے پوچھا حضرت! آپ ؓ یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کسی بادشاہ کا سفیر آیا اس نے کہا کہ آپ کے عدل کی بہت شہرت ہو رہی ہے، میرا نفس سن کر خوش ہوا، میں اس کو ذلیل کر کے اس کی اصلاح کر رہا ہوں۔ (وعظ الخضوع مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت ابو عبداللہ ہولی شداد بن ہاد ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان ؓ کو منبر پر جمعہ کے دن دیکھا، آپ ؓ پر ایک عدنی موٹا تہبند تھا جس کی قیمت چار پانچ درہم ہوگی اور

گہرے رنگ کی کوئی چادر تھی یعنی بہت معمولی لباس تھا۔ آپؓ پُر گوشت لمبی داڑھی والے حسین صورت انسان تھے۔ یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر بھی بہت مالدار تھے۔

حضرت عمر بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے کُرتے پر پیوند کس لئے لگاتے ہیں آپؓ نے جواب دیا تاکہ دل میں خشوع پیدا ہو اور مؤمن اسکی اقتدا کریں۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۸۳۵)

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی، نماز کے بعد فرمانے لگے کہ شیطان نے اس وقت مجھ پر حملہ کیا میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں، آئندہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ (فضائل نماز صفحہ ۹۲ مولانا زکریا صاحبؒ)

ثعلبہ بن مالک قرظی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ بازار میں آئے اور لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے تھے۔ یہ اُن دِنوں کا قصہ ہے جب کہ آپ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا اے ابنِ مالک امیر کے لئے راستہ وسیع کردو۔ ابنِ مالک کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ یہ راستہ کافی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا امیر کیلئے راستہ وسیع کردو ان پر لکڑی کی گڈی بھی تو ہے۔ (حیاۃ الصحابہ، جلد ۴، صفحہ ۱۵۹، ترجمہ مولانا محمد عثمان)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ بازار سے گزرے اور ان پر لکڑی کا گٹھا تھا۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بے پرواہی بخشی ہے۔ جواب دیا کہ میں تکبّر کو دفع کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جنت میں وہ آدمی داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ (حیاۃ الصحابہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نئے کپڑے پہنے اور میں نے اپنے دامن پر دیکھنا شروع کیا اور میں اپنے گھر میں چل رہی تھی کبھی اپنے کپڑے دیکھتی اور کبھی اپنا دامن۔ اتنے میں میرے پاس حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہؓ! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ پاک اس وقت تیری طرف نظر نہیں کر رہا۔ حلیہ ابونعیم (ایک کتاب) میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک نیا کرتہ پہنا، میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس سے تعجب کر رہی تھی تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تو کیا دیکھ رہی ہے؟ اللہ پاک تیری طرف دیکھنے والا نہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیوں؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ بندہ میں جب زینت دُنیا کی وجہ سے عجب (خود بینی) پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا رَب اس سے ناراض ہو جاتا ہے، جب تک کہ بندہ اس زینت کو چھوڑ نہ دے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں جبھی میں نے اس کرتہ کو اُتارا اور صدقہ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا قریب ہے کہ یہ بات اس گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ (حیاۃ الصحابہ، حصہ ہفتم، صفحہ نمبر ۸۳۴)

حضرت عائشہؓ سے یہی توقع ہو سکتی ہے کہ ان کا یہ طرز، فرحِ شکر (شکریہ کی خوشی) ہو یا تحدیث بالنعمت ہو (یعنی نعمت کا شکر کے ساتھ اظہار) لیکن حضرات کاملین اور محققین اپنے اور اپنے متعلقین کے بارے میں ایسی باریک بینی فرماتے ہیں کہ رذائل کے ادنیٰ شائبہ کا بھی قلع قمع کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ان حضرات کے حالات کے پیشِ نظر ہمیں اپنے بارے میں سوچنا چاہیے کہ ہم اصلاحِ باطن کے کس قدر محتاج ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ اور اُمت مسلمہ کے پورے چودہ سو سالہ حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ ظاہر و باطن کی اصلاح ساتھ ساتھ رہی ہے، ان کو کبھی علیحدہ نہیں سمجھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر و باطن کا مجموعہ تھے اور تاثیر کا یہ حال تھا کہ حالتِ ایمان میں ایک نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا ظاہری و باطنی کمالات کی منازل طے کر لیتا تھا۔

چنانچہ سارے اولیاء اللہ مل کر ایک ادنیٰ صحابیؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ پھر اُس دور کے مجاہدات مثلاً کفار کی مخالفت، مار پیٹ، فقر و فاقہ، فروغ دین کے لئے لمبے لمبے پُر خطر سفر، ہجرت، اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال ایسے کام تھے جن سے گزرنے کے بعد آدمی کا باطن صاف ہو کر کندن ہو جاتا تھا۔ صحابہؓ سے یہ بات تابعین کو بحیثیت جماعت ملی اور تابعین سے تبع تابعین کو بحیثیتِ جماعت ملی۔ چنانچہ ان تین ادوار میں خیر پوری جماعت میں غالب رہی۔ ان تین ادوار کو حدیث **خَیرُ اُمَّتِیْ قَرنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ** (صحیح بخاری) میں بیان کیا گیا ہے (یعنی بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے)۔

اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خیر القرون کی جامع شخصیات کی صحبتیں ناپید ہونے لگیں اور وہ مجاہدات جن سے پہلے دور کے لوگ گزرتے تھے، بوجہ غلبۂ اسلام کے ختم ہو گئے۔ نتیجۃً دینی معلومات حاصل ہونے کے باوجود عمل کی ظاہری اور باطنی کمزوریاں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ اس دور میں صوفیاء کی جماعت نے کمر باندھ کر باطنی علوم، احوال، کیفیات اور مقامات کو حاصل کیا، سنبھالا اور دوسروں کو سکھانے کا نظام مرتب کیا۔ صوفیاء کی تربیت سے گزرنے کے بعد واضح طور پر اہلِ زمانہ کو محسوس ہوا کہ وہ باطنی دولتیں جو ناپید ہو رہی تھیں وجود میں آنے لگیں۔

اصلاحِ باطن کی یہ ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جاری ہے اور آج تک جاری ہے۔ تصوف کے سلاسل اسی اصلاح کو حاصل کرنے کے ادارے ہیں جن میں مشائخ عظام اپنے مریدین کو ذکر اذکار کی ترتیبوں اور مجاہدات سے گزار کر اُن کی اصلاح فرماتے ہیں۔ سلاسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مربوط ہیں۔

مقاصد و ذرائع:

چاروں سلاسل (چشتیہ،نقشبندیہ، قادریہ،سہروردیہ) اس چیز کو حاصل کرنے کے راستے ہیں۔ ہر ایک طریقے میں اس بات کو حاصل کرنے کے لئے کچھ مقاصد ہیں اور کچھ ذرائع ہیں۔ یہ سارے سلاسل ذکر، مراقبہ اور مجاہدہ ان تین چیزوں سے بنیادی طور پر کام لیتے ہیں۔ ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت، کبریائی، سارے مفادات کا منبع ہونا، سارے نقصانات، خطرات اور مضرات کا مالک ہونا اور ان سے بچانے والا واحد ذریعہ ہونا، اس شان کے حامل جو کلمات اور مبارک نام اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے قرآن و حدیث میں آئے ہیں، ان کا زبان سے بار بار ادا کرنا ہے۔ حضرات چشتیہ، قادریہ کا طریقہ ذِکر میں جہر (زور سے) کرنا، گردن و بدن کو حرکت دے کر ضرب لگانا ہے۔ یہ حضرات لطیفۂ قلب پر ضرب لگاتے ہیں۔ یہ لطیفہ بائیں پستان سے دو اُنگل نیچے اور دو اُنگل بائیں طرف کو ہے۔ یہ جگہ انسان کی نفسیات سے متعلق خاص جگہ ہے جس کا تجربہ انسان کو ابتدائے آفرینش سے ہے۔ اس لئے دل لگنا، دل میں محبت کا پیدا ہونا، دل میں نفرت کا پیدا ہونا، دل میں غم کا پیدا ہونا، دل کا خوش ہونا یہ محاورات دنیا کی ساری زبانوں میں ہی چل رہے ہیں۔ اس جگہ پر دھیان کر کے ضرب لگانے سے ذکر کی ایک وجدانی کیفیت انسان کے بدن میں محسوس ہوتی ہے جسے بعض آدمی وجد، جوش وخروش، نالہ و چیخ و پکار اور گریہ وزاری کی شکل میں محسوس کرتے ہیں۔ بعضے اعصاب اس کو محسوس نہ بھی کریں تو عقلی طور پر ایسی صفاتِ کمال و جمال وجلال والی ذات کے ساتھ عقلی طور سے شدت سے وابستگی محسوس کرتے ہیں۔ یہ کیفیت معرفت کا دروازہ کھلنے کا ایک پرتو اور عکس ہوتا ہے جس کے بعد انسان کے لئے اُس ذات کا ہو جانا اُس کی ماننا اور اُس کے علاوہ سب سے کٹ کٹا جانا اور کسی سے کوئی تعلق رکھنا بھی ہو تو

اس کے واسطے، اُسی کی رضا کے لئے رکھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔ حضرات نقشبندیہ یہ ذکر چھ لطائف پر دھیان کرا کے کراتے ہیں، لطیفۂ قلب، روح، سر، نفس، خفی، اخفا۔ بدن کے مختلف مقامات پر ان لطائف کے لئے حساس مقامات (Delicate & Sensitive Points) ہیں۔ ان مقامات پر آدمی باقاعدہ حرکات (Vibrations) محسوس کرتا ہے اور باطن میں ایک روحانی وابستگی جس ذات کا ذکر کر رہا ہے اُس کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بیداری جو باطن میں پیدا ہوتی ہے ایک روحانی، نورانی کیفیت ہے۔ نیک اعمال سے آدمی باقاعدہ اس میں ترقی محسوس کرتا ہے، خراب اعمال سے باقاعدہ تنزل محسوس کرتا ہے جن لوگوں کا باطن روشن ہو اُن کے ساتھ بیٹھ کر باقاعدہ اس کیفیت میں آدمی ترقی محسوس کرتا ہے اور جن کا باطن تاریک ہو اُن کے پاس بیٹھ کر باطن پر بوجھ محسوس کرتا ہے۔ حلال روزی پیٹ میں جائے اُس کی نورانیت کو باطن محسوس کرتا ہے، حرام روزی جو کمائی کے لحاظ سے حرام ہو، ذبیحہ کے لحاظ سے حرام ہو یا شریعت کے مقرر کردہ حلال حرام جانوروں کے تعین کے خلاف ہو اس سے اندر گھٹن، اندھیرا اور ثقل (Burden) محسوس کرتا ہے۔ ان وجدانی کیفیت کو پانے والے صوفیاء کو عقلی ثبوتوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے کیونکہ حقائق محسوسات کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہوتے ہیں۔

ذکر کے بعد دوسری چیز مراقبات ہیں۔ کسی دھیان کو لے کر اُس پر سوچنا اور اس سوچ میں محو ہو جانا اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ مراقبات کئی ہیں۔ عام طور پر مراقبۂ موت، قبر اور برزخ کی زندگی کا مراقبہ، جنت کی رعنائیوں اور دوزخ کی ہولناکیوں کا مراقبہ، اپنے گناہوں پر ندامت، اور اُن سے توبہ استغفار کرنا، اللہ تعالیٰ کا حاضر ناظر ہونا، اللہ تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ ہونا، حضور ﷺ کے احسانات کا دھیان جمانا، ہمارے لئے انہوں نے جو تکالیف برداشت کیں اور جو قربانیاں دیں اُن کو یاد کرنا، یہ مراقبات باطن میں ان چیزوں

کے ساتھ گہری وابستگی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ وابستگی انسان کی ساری زندگی اور سارے اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔

مجاہدات:

مجاہدہ دراصل اپنی پوری قوت کو استعمال کرنے کا نام ہے۔اوپر بتائے ہوئے اعمال اور ترتیبیں جب آدمی حاصل کرنا شروع کرتا ہے تو اس حصول میں اپنا آرام وراحت کم ہونا، معاشرے کی طرف سے ردِعمل ہونا، رکاوٹیں آنا، پابندی کی تکلیف برداشت کرنا،حرام مال کے حصول کے ذرائع کو سراسر ترک کر کے حلال ترتیب کو لینا جو مالی مشکلات کی بنیاد بنتا ہے، ان سب باتوں کا برداشت کرنا مجاہدہ کہلاتا ہے۔مقصد تک پہنچنے کے لئے مجاہدات سے گزرنے کے لئے کمر باندھنی ہوتی ہے۔مجاہدات کا ایک رُخ ایسا ہے کہ وہ مقاصد کے درجے میں تو نہیں ہے لیکن اُسے اختیار کرنے سے مقاصد کے حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔گویا حصولِ مقصد کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں۔اس لئے اس طرح کے مجاہدات کو معالجات کہا جاتا ہے۔مثلاً کھانے میں گوشت اور مرغّن کھانے کم کر دئے جائیں تو صحت میں ذرا کمزوری تو ضرور آتی ہے لیکن اس کے نتیجے میں جذباتِ غضبیہ وشہوانیہ جلدی کمزور ہو جاتے ہیں۔نتیجہ حاصل ہونے کے بعد یہ پرہیز موقوف ہو جاتی ہے۔اسی طرح سونا کم کرنے سے بہیمیت کم ہو جاتی ہے،نورانیت زیادہ ہو جاتی ہے۔لوگوں سے ملنا ملانا کم کرا دیتے ہیں، یہ چیز ذہنی انتشار کو ختم کر دیتی ہے اور ذہنی سکون میسر ہو جاتا ہے جو مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت مفید ہوتا ہے۔بہر حال یہ معالجات براہِ راست مقاصد نہیں ہیں بلکہ ذرائع ہیں۔

اسی طرح حضرات نقشبندیہ کا لطائف پر ذِکر کرنا اور انہیں جاری کرنا ذرائع ہیں،

مقاصد نہیں۔ کسی بھی محقق نے انہیں مقصد نہیں گردانا۔ ان کے ذریعے سے آدمی بدن پر اثرات محسوس کر لیتا ہے، جس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور کام آسان ہو جاتا ہے۔ ان ذرائع کو مقصد سمجھنا ان ذرائع پر دِینی اعمال کی طرح ثواب کی نیت کرنا اور ان کو دِینی اعمال گردانناانہیں بِدعت بنا سکتا ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف خان صاحبؒ نے بندہ سے اور چند دوسرے دوستوں سے از راہِ مزاح فرمایا کہ ذِکرِ قلبی سننا چاہتے ہو۔ حضرت نے زبان اور منہ بند فرمائے اور فرمایا میرے قلب پر دھیان کرو، واضح طور پر قلب سے ذِکر کی آواز بندہ نے اور دوسرے ساتھیوں نے سنی، بعد میں حضرت نے فرمایا حقیقت میں یہ ذِکرِ قلبی نہیں بلکہ یہ ایک مشق ہے۔ حقیقتاً ذِکرِ قلبی یہ ہے کہ قلب میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور ساتھ ہونے کا دھیان ہو اور یہ دھیان معصیت سے روک دے اور اطاعت پر کھڑا کر دے۔

نتائج و زوائد:

اسی طرح تربیت کے نتیجے میں حاصل شدہ نتائج میں بھی کچھ مقاصد ہیں اور کچھ زوائد ہیں۔ مقاصد تو پہلے بیان شدہ باتیں ہی ہیں۔ کشفِ قبور (قبروں کا حال جان لینا)، کشفِ صدور (دلوں کا حال جان لینا)، کشفِ کونی (دُنیا میں آنے والے حالات کا جان لینا)، دم یا تعویز گنڈے میں تاثیر ہونا، جنّات پکڑنا اور دُور کرنا، بیماریوں کو سلب کر لینا ،تصرّف سے دوسرے کے دل میں کچھ بات ڈال دینا، توجہ سے دوسرے کے دل کو ہلا دینا اور لوٹ پوٹ کر دینا اور ہوش و حواس اُڑا دینا، ان کا مقصد کے ساتھ اور تعلق مع اللہ سے زیادہ واسطہ نہیں۔ آج کل مسمریزم، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، ارواح کو معطل کرنا، ارواح کو حاضر کرنا، ارواح سے رابطہ کرنا وغیرہ اہل کفر بھی کرنے لگے ہیں اور مابعد الطبیعات

(Metaphysics) اور پیرا سائیکالوجی (Para-Psychology) کی شکل میں یہ چیزیں سامنے آ گئی ہیں۔ عامل حضرات کچھ آیات وظائف وغیرہ کا تکرار کر کے اور کچھ چلہ کشی وغیرہ کر کے نیز نمک، گوشت، میٹھے وغیرہ سے پرہیز کر کے یہ چیزیں حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لئے عامل اور کامل میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ عامل ڈاکٹر و معالج یا انجینئر یا وکیل کی طرح ایک فن کو سیکھے ہوئے ہے، جو ایک دُنیا داری کا کام ہے اور جس کا ولایت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ اہل اللہ اس قسم کی قوتوں کو حاصل کرنے کی نیت کر کے مجاہدہ کرنے کو دُنیا داری کہتے ہیں۔

اسی طرح دل پر رقت (نرمی) طاری ہونا، رونا دھونا، اذکار میں لطف و مزہ آنا، بغیر کوشش کے تہجد کیلئے خود بخود آنکھ کھل جانا، سچے خواب نظر آنا، جوش و خروش طاری ہونا، ھُو حق کے نعرے بلا اِرادہ نکلنا، یہ چیزیں محمود (اچھی) تو ہیں لیکن مقصود نہیں اور انسان کے اختیار سے باہر ہیں، کبھی ہوں گی کبھی نہیں ہوں گی، ان کا کمال کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں۔ اسی بنا پر محققین بجائے ان چیزوں کے، ظاہر میں سنت کی پابندی اور باطن میں رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے متصف ہونے کو زیادہ دیکھتے ہیں۔ نیز افعال اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے دھیان کا امتحان لیتے ہیں۔ بعض مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مجلس میں خوب ھُو حق کے نعرے لگانے والے اور رونے دھونے والے افراد کے ساتھ جب معاملہ پیش آیا تو اوروں سے زیادہ دُنیا دار ثابت ہوئے۔ اس لئے یہ محققین کا اُصول ہے کہ انفعالات (رونا دھونا) مقصد نہیں بلکہ اخلاص والے اعمال مقصد ہیں۔ بعض سالکین کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ تقاضا ہائے بشری مکمل طور پر ختم ہو جائیں اور اس کو وہ کمال سمجھتے ہیں، جب تک یہ بات نہ ہو جائے وہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح نہیں ہوئی، کمال حاصل نہیں ہوا۔ تو جاننا چاہیئے کہ تقاضا ہائے بشری موت تک ساتھ لگے رہیں گے، مکمل خاتمہ نہیں ہوگا۔ بس اندر

اُٹھنے والے تقاضے کی پرکھ کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں اور پھر اس تقاضے پر اگر شریعت کے خلاف ہے عمل نہ کرنا اصلاح اتنی ہی چیز ہے۔

حقیقی تصوف: حقیقی تصوف صرف اتنی سی بات ہے کہ

۱) عقائد درست ہو جائیں اور اُن عقائد کا حال باطن پر طاری ہو کر پکا اور راسخ ہو جائے۔

۲) سالک عبادات کا پابند ہو جائے۔

۳) معاملات میں محتاط ہو جائے۔

۴) باطن رذائل سے پاک ہو جائے۔

۵) باطن فضائل سے متصف ہو جائے۔

۶) کثرتِ ذِکر سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان چھا جائے۔(جسے نسبت یاداشت بھی کہتے ہیں۔)

۷) روزمرہ کے کاموں میں سنتوں اور آداب کی پابندی حاصل ہو جائے۔

موضوع آداب معاشرت

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم اما بعد!

خودرو اور تربیت یافتہ میں فرق:

ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس ایک دفعہ ایک آدمی آئے تو جو ساتھی ان کو لے کر آئے تھے انھوں نے کہا کہ بڑے کشف والے ہیں اور ان کو انوارات نظر آتے ہیں۔لیکن جب مجلس میں آکر بیٹھے تو جو بھی بات کرے اس کی بات کاٹیں۔حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ ''خودرو'' ہیں، تربیت یافتہ نہیں ہیں۔کثرت ذکر سے کشف تو شروع ہوگیا ہے اور انوارات بھی نظر آنے لگے ہیں لیکن جو کامل تربیت یافتہ شخصیت ہوتی ہے وہ نہیں ہے کیونکہ مجلس میں بیٹھ کر بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا اور دوسروں کی بات کاٹتے ہیں۔میں کالج میں جس ڈیپارٹمنٹ کو چلا رہا ہوں وہاں بیس پچیس ڈاکٹر ہوتے ہیں، میرا تجربہ ہے کہ جب میں بات کروں تو بعض ایسے آدمی ہوتے ہیں جو دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں یا آپس میں بحث شروع کر دیتے ہیں یا بات کاٹتے ہیں تو ایسے آدمی کی ترقی نہیں ہوتی۔

آداب معاشرت کے فوائد:

میں نے ایک دو امتحان لیے تو میرے کچھ تبلیغی ساتھی ہیں جو پورے باشرع اور نماز و نوافل کے پابند ہیں جبکہ ایک بیچ میں داڑھی منڈا آدمی ہے جو مجلس ذکر میں ہوتا ہے یہ ان سے آگے نکل جاتا ہے۔لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ یہ اس کا اپنا آدمی ہے اسلئے اس کو آگے نکالتا ہے، حالانکہ ہم نے فیصلہ تو حق کا کرنا ہوتا ہے، جس کا جو حق ہوتا ہے اس میں تو گڑبڑ

نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہے۔ اب اس آدمی کے آدب معاشرت ٹھیک ہیں، یہ اپنے سینئر اور اساتذہ کی آنکھ دیکھ کر چلتا ہے، اس کے مطابق اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بات کرنا سننا وغیرہ سارے آدب کی رعایت کرتا ہے تو یہ قدرتی طور سے آگے نکل جاتا ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ آداب معاشرت کی وجہ سے ہمارا دل اس کے لیے نرم ہو جاتا ہے بلکہ ایسے آدمی کے لیے اللہ کی طرف سے ایک مدد ہوتی ہے۔

محکمانہ امور میں اپنے سینئر افسر کی بات ماننا ان کا حق ہے:

ہمارے ایک پولیس کے افسر تھے، انھوں نے چار مہینے لگا لیے تو کہنے لگے کہ ''ماشاء اللہ پورا یقین حاصل ہو گیا ہے، میں ان سینئر افسروں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا یہ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں، ان کے ہاتھ میں کیا ہے؟'' تو میں نے ان سے کہا کہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ یہ سوچنا ہوتا ہے کہ یہ سینئر افسر ہیں ان کی بات سننا، ان کا احترام کرنا اور محکمانہ امور میں ان کے احکام ماننا ان کا شرعی حق ہے وہ تو میں ادا کروں گا، لیکن یہ میرا کچھ بنا نہیں سکتے، نفع نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چاپلوسی تو تب ہوتی جب کوئی دنیا کا مفاد حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے تواضع اور آؤ بھگت کا رویہ اختیار کرے۔

حضرت مولانا الیاسؒ ان پڑھ جاہل لوگوں کی منتیں کرتے، ان سے عاجزی سے ملتے، ان کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ علم کا وقار گرا رہے ہیں تو مولانا الیاسؒ نے فرمایا کہ اللہ کے احسان سے میں یہ دنیا کے مفاد کے لیے نہیں کر رہا، بلکہ ان لوگوں کا دین درست کرنے کے لئے کر رہا ہوں۔

آداب معاشرت:

ہمارے صوابی کے ایک بوڑھے آدمی ہیں جو مختلف کاموں کے لیے پشاور آتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سمجھ دی ہے کہ جب میری کلاس نہیں ہوتی اور میں فارغ ہوتا ہوں اس وقت آتے ہیں، شاید کہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ جتنی دیر میں چائے کی پیالی پیتے ہیں اتنی دیر میں ساری بات بھی بتا دیتے ہیں۔ میں ان کے کاموں کے لیے کسی کو مقرر کر دیتا ہوں۔ اگر ظہر کے وقت آنا ہو تو ظہر کی نماز میں موجود ہوتے ہیں، ہمارے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور اس دوران ساری بات بھی بتا دیتے ہیں۔ میں ان کا کچھ نہ کچھ بندوبست کر دیتا ہوں۔ جب وہ گھر پر جاتے ہیں تو بڑی تعریف کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں۔ ان بزرگ کا ہی ایک بیٹا ہے جو مالدار ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ میں ڈاکٹر صاحب پر کھانے کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ جب ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھا کر لیٹا اور جوں ہی نیند آئی تو گھنٹی بج گئی۔ اب میں معدے کا مریض، اور یہ آرام کا وقت، اگر نیند آتے ہوئے کوئی جگا دے تو سارا دن تکلیف میں گزرتا ہے۔ اب اس شخص نے مجھے مالی بوجھ سے تو بچا لیا لیکن ذہنی کوفت دی۔ اب اس وقت صحیح طرح بات بھی نہیں ہو سکتی، تو یہ ہوشیار آدمی جب گھر جاتا ہے تو کہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بڑا خشک آدمی ہے۔

ہمارے ایک ماسٹر صاحب ہیں جنھیں تعویذ گنڈوں کا بہت شوق ہے۔ تو وہ ایک پروفیسر صاحب کے پاس دم کرنے کی اجازت لینے چلے گئے۔ اور ایسے وقت گئے کہ جب پروفیسر صاحب ڈیوٹی سے تھکے ہوئے آئے اور جونہی کھانا کھا کر آرام کے لیے لیٹے تو اس نے گھنٹی بجا دی۔ پروفیسر صاحب نے اس کی ڈانٹ ڈپٹ کی۔ جب وہ میرے پاس آیا تو کہنے لگا کہ وہ تو بڑا بد مزاج آدمی ہے۔ مجھے اس کی عادت کا اندازہ تھا اس لئے میں نے

پوچھا کہ دن کو دو بجے یا تین بجے گئے تھے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ یہ تو اچھا ہوا کہ اس نے تمہاری پٹائی نہیں کی کہ دن بھر کام کرنے کے بعد یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔ بعد میں اس ماسٹر صاحب نے بتایا کہ فلاں بزرگ نے خلافت دے دی ہے۔ میں نے کہا کہ بزرگ بھی مزے کرے اور تم بھی مزے کرو۔ صرف چھ لطائف کے چلنے پر خلافت دے دی اور باقی تربیت کا کوئی خیال ہی نہیں کیا۔ اب یہ آدمی جہاں بھی اٹھے بیٹھے گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ ہیں جی خلیفہ صاحب! ماشاءاللہ کہ اٹھنے بیٹھنے کا فہم ہی نہیں ہے۔

کئی آدمیوں کے دنیا کے کام اس لیے رکے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ آداب معاشرت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ میں نے اپنے ایک بھتیجے سے کپڑے کی دکان کھلوائی تو اس نے پیغام بھیجا کہ دکان نہیں چلتی۔ میں نے پوچھا کہ کیوں نہیں چلتی؟ تو اس نے کہا کہ مجھ سے لوگوں کی خوشامدیں نہیں ہوتیں، دوسرے دکاندار آنے والوں کو سلام کرتے ہیں، ان کو بٹھاتے ہیں اور چائے وغیرہ کا پوچھتے ہیں۔ ہم سے ایسی خوشامدیں نہیں ہوتیں۔ تو میں نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے جو آدمی تیرے پاس آرہا ہے وہ تو تمہارا مسلمان بھائی ہے، اس کا اعزاز کرنا اور اسے چائے پانی پوچھنا تو اس کا اسلامی حق ہے۔ اگر تیری روزی اس کی جیب سے ہوئی تو اللہ تجھے دلا دے گا ورنہ ثواب تو کہیں نہیں گیا۔

ہمارے بعض ساتھی ہم سے بڑے اچھے طریقے سے ملتے ہیں، ہاتھ چومتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں کہ دیکھنے والے یوں سمجھتے ہیں کہ بڑے متواضع ہیں لیکن اگر باہر کی زندگی میں دیکھیں تو ہر جگہ ناکام، ہر جگہ لڑائی جھگڑا۔ ساتھیوں کو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ بڑا اچھا ساتھی ہے، کتنی خدمت کرتا ہے اور کتنی محبت کرتا ہے تو میں ساتھیوں سے کہا کرتا ہوں کہ مجھ سے تو کر رہا ہے لیکن باہر نہیں کرتا۔ ایک عالم نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ فلاں جگہ ہم سے آپ کے حق ادا کرنے میں کوتاہی ہوگئی، حالانکہ آپ میرے شیخ و مربی ہیں، آپ

معاف فرما دیجئے۔تو حضرت تھانویؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ ہمارے سلسلے کو نہیں سمجھے۔ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کا اپنے ذمے ایسا حق سمجھیں جیسا کہ میرا سمجھتے ہیں۔

ہم تو لوگوں کے بارے میں دل میں بدگمانی کا رویہ لے کر چل رہے ہوتے ہیں اور از روئے حدیث مؤمن تو مؤمن کا آئینہ ہے،تو ہماری بدگمانی کا اثر سامنے والے آدمی کے دل پر آجاتا ہےاوراس کا دل بھی ہمارے لیے سخت ہو جاتا ہے۔

ہماری تو یہ چاہت ہے کہ ہمارے ساتھی جہاں بھی ہوں وہاں لوگوں کو ان سے سکھ پہنچے۔جیسا کہ حضرت تھانویؒ اپنی خانقاہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ

بہشت آن جا کہ آزار نہ باشد

(جنت وہ جگہ ہے جہاں آزار نہ ہو)

حضرت تھانویؒ کی باتوں میں تجدید آداب معاشرت کا کارنامہ بہت خاص ہے، انھوں نے ایسی معاشرت سکھائی اور برتی کہ بڑے بڑے نوابوں اور بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہ ہوتی ہوگی۔اس لیے جب بڑے بڑے رؤسا کی مجالس میں حضرت تھانویؒ کے لوگ جاتے ہیں تو لوگ ان سے دبتے ہیں اور وہ کبھی فیل ہو کر نہیں نکلتے کیونکہ ان کی آداب معاشرت کی ایسی تربیت ہے۔

اصل میں جو آداب معاشرت ہیں وہی انسانی حقوق ہیں۔لیکن NGO کے خبیثوں نے ان چیزوں کو انسانی حق قرار دیا ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو فحاشی اور بدکاری کی اجازت دینا انسانی حق ہے،اور دوسرا جوان کا ٹارگٹ ہے وہ توہین رسالت ہے۔یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری عام ہو جائے اور توہین رسالت کا قانون ختم ہو جائے۔یہ لوگ جن چیزوں کو انسانی حقوق(Human Rights) کہتے ہیں تو یہ ان کی خباثت ہےاورایک سازش ہے جو یہ دنیائے اسلام کے خلاف چلا رہے ہیں۔یہاں ایک NGO نے لڑکیوں کے سکول

میں ایک پروفارمہ بھیجا جس میں معصوم بچیوں سے یہ پوچھا گیا تھا کہ تمہارے کتنے لڑکوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور کس حد تک ہیں، صرف چھونے کی حد تک ہیں یا چومنے تک وغیرہ۔ میں نے اس کے خلاف کافی ہنگامہ کیا۔ وہ جو عالمی سطح کی عیسائی عورت تھی مدر ٹریسا، اس نے مرتے وقت کہا تھا کہ آئندہ پچاس برسوں میں بنگلہ دیش ایک عیسائی ملک ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تجھ کو وہ نظام معاشرت دیا ہے جو اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ ایک ساتھی کہہ رہے تھے فلاں مغربی ملک میں ایک شخص دیوار میں میخ لگانا چاہتا تھا، ہر روز وہ پڑوسی کے پاس آتا تھا لیکن وہ اسے ملتا نہیں تھا آخر اس نے ایک خط چھوڑا کہ میں میخ ٹھونکنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے اجازت دیں۔ تو دیکھیں کہ کتنے آداب ہیں وہاں! میں نے کہا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پڑوسی اسے دعویٰ کر کے گرفتار کروا سکتا تھا۔ تو وہ یہ آداب اس لیے نہیں برت رہے ہوتے کہ یہ کسی کا انسانی حق ہے بلکہ دنیا کے مفاد کے لیے کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کی مارکیٹوں میں جو دیانت ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس کے بغیر مال بکتا نہیں ہے اگر وہ اعلیٰ معیار باقی نہ رکھیں تو کاروبار فیل ہو جاتا ہے، جبکہ ہمارے ہاں مقابلہ دھوکے بازی کا ہے۔ تو آسمانی ھدایت کے بغیر آدمی کے سارے کام محض مفاد کے لیے ہوتے ہیں چاہے بظاہر کتنے اچھے نظر آ رہے ہوں۔

دین نے ہم کو جو آداب معاشرت سکھائے ہیں ان کو برتنے سے اللہ کی رضا اور آخرت کا نفع تو حاصل ہوگا ہی لیکن ساتھ ساتھ دنیا بھی سکھ والی ہو جائے گی۔ میں نے لاہور میں ایک کورس میں داخلہ لیا تو وہاں ٹریننگ دینے والی پروفیسر ایک شیعہ عورت تھی، بال کٹے ہوئے اور بے پردہ۔ پہلے تو اس نے میرے کاغذات وغیرہ دیکھ کر داخلہ دینے سے ہی انکار کر دیا۔ آخر کافی دعاؤں کے بعد داخلہ ہوا تو میں نے دل میں یہ سوچ لیا کہ ہماری استاد ہے اور استاد کا حق ہوتا ہے۔ گو کہ یہ دنیاوی علم ہے لیکن ہمارے لیے ذریعہ معاش ہے

اس لیے بواسطہ عبادت ہے۔اعمال کا دارومدار تو نیت پر ہے۔آدمی اس میں بھی جہاد کی نیت کرسکتا ہے۔کسان اس نیت سے غلہ کاشت کرے کہ اگر غلہ نہ ہوگا تو مجاہد کیا لڑیں گے۔درزی اس نیت سے کپڑے سیئے کہ مجاہدین اور عام مسلمانوں کی ضروریات پوری ہوں تو یہ بھی ایک طرح کی جہاد کی نیت ہے۔خیر اب وہ پروفیسر صاحبہ یہ سوچے کہ یہ داڑھی والا مولوی صاحب کہاں سے آ گیا ہے۔کچھ دن تک اس نے میرا رویہ دیکھا،ایک دن مجھ کو کلاس میں دیر ہوگئی۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ دیر کیوں ہوئی تو میں نے کہا کہ ذرا انارکلی بازار گیا تھا بیوی کے لیے کچھ کپڑے خریدنے تھے۔تو اس نے کہا کہ آپ نے مجھے بتایا ہوتا تو میں آپ کے لیے خریداری کرتی۔پھر اس نے کہا کہ میں پانچ وقت کی نمازیں پڑھتی ہوں اور اب تفسیر بھی پڑھنا شروع کی ہے۔تو ہم نے اس کو آخرت اور قبر حشر کی کوئی بات نہیں کہی تھی لیکن رویہ درست رکھا تھا۔جبکہ ہمارا ایک اور ساتھی تھا جس نے شروع سے ہی چپقلش کا رویہ رکھا اور آخر دو سال بعد فیل ہو کر آ گیا۔عام طور پر اس کا یہ رویہ ہوتا کہ فلاں عیسائی ہے، فلاں شیعہ ہے،فلاں کا مسلک ایسا ہے وغیرہ۔

اب بات یہ ہے کہ ایک آدمی پاکستان کا شہری ہے۔میرا تعلق اس کے ساتھ صرف کام تک کا ہے۔اگر وہ کام ٹھیک کرے تو کافی ہے،اس کے عقیدے یا اس کی ذاتی زندگی کے ساتھ تو میرا کوئی تعلق نہیں ہے وہ جانے اور اس کی قبر حشر جانے۔

تو یہ صرف ذکر اذکار اور گردن ہلانا نہیں ہے بلکہ دین کے پانچ شعبے ہیں،عقائد، عبادات،معاملات،اخلاق اور معاشرت۔ان سب شعبوں کو درست کرنا ہے اخلاق رذیلہ کبر،حسد، لالچ ، ریا وغیرہ کو دور کرنا ہے اور اخلاق فاضلہ مثلاً اخلاص تواضع وغیرہ حاصل کرنے ہیں۔اور پھر معاشرت کو درست کرنا ہے کہ اٹھنا بیٹھنا، لین دین، چلنا پھرنا اور گھر کے حقوق وغیرہ۔اس دن ایک برخوردار آیا اور کہنے لگا کہ والد صاحب سے جھگڑا ہوا ہے کہ

پیسے نہیں دیتے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ بالغ ہو گئے ہیں اب ان کے ذمے آپ کو پیسے دینا نہیں رہا۔ اگر وہ کھانا پینا اور جیب خرچ آپ کو دے رہے ہیں تو یہ ان کا احسان ہے اور ان کو خیرات کا ثواب ہو رہا ہے۔ اگر آپ نے ان سے کچھ مانگنا ہے تو عاجزی سے اور خدمت کر کے مانگیں۔ اسی طرح حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ شوہر کے والدین کی خدمت کرنا بیوی کے ذمے نہیں ہے۔ نکاح اور مہر کے بدلے جو بیوی کے ذمے فرائض ہیں وہ شوہر کے ازدواجی حقوق اور بچوں کی پرورش ہیں۔ یہاں پر جو دیندار سے دیندار لوگ ہیں ان کو بھی اس معاشرت کا خیال نہیں آتا۔ عورت کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ ٹیڑھی پسلی ہے اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ یہاں شریعت نے عورتوں کی برائی بیان نہیں کی بلکہ ان کے لیے رعایت حاصل کی گئی ہے کہ ان کی ساری کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اگر بیوی شوہر کے والدیں کی خدمت کرتی ہے اور کھانا وغیرہ پکاتی ہے تو یہ اس کا احسان ہے اور اس کی قدر کرنا چاہیئے۔ یہ نہیں ہے کہ تھوڑا سا کھانے میں نمک کم ہوا تو ناک منہ چڑھا لیا اور آدمی برتن توڑ رہا ہے۔ بیوی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کا مکان الگ ہو، اگر پورا مکان نہ ہو سکے تو کم از ایک کمرہ ہی الگ ہو جس کی چابی اس کے پاس ہو اور گھر میں اس کا چولہا الگ ہو جہاں وہ مکمل خود مختار ہو۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ گھروں میں آگ زیادہ تر اس چولہے سے ہی لگتی ہے۔ ہمارے ایک پروفیسر صاحب تھے ان کی شادی ہوئی۔ ان کے چار مکان کرائے پر تھے اور ایک مکان میں سب خاندان والے رہ رہے تھے۔ ان کے گھر میں کافی عورتیں تھیں بعد میں عورتوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ ایک دفعہ ہمارے ساتھ وہ اعتکاف میں بیٹھے تو ان پر اتنی توجہ ہوئی کہ خیال ہو رہا تھا کہ کچھ عرصہ بعد ان کی خلافت ہو جائے گی۔ ان سے میں نے کہا کہ اپنی بیوی کو الگ کر لیں۔ انھوں نے اس بات کو نہیں مانا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد جھگڑوں کی وجہ سے ان کی بہن دماغی مریض، وہ خود اور ان کی بیوی دماغی مریض ہو گئے اور ساری استعداد ختم ہو گئی۔ محض ایک شرعی حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ ساری مصیبت آئی۔ ہمارے یہاں جو ہے وہ رواجی دینداری ہے شرعی دینداری نہیں ہے۔ ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب کی شادی ہوئی، ان کے پاس یہاں ہاسٹل میں ایک کمرہ تھا اور ساتھ ایک چھوٹا سا برآمدہ۔ اس میں دو یہ اور ساتھ اس کے والدین اور والدین نے دوسرے بیٹے کو بیوی بچوں سمیت بلا لیا کہ ہماری خدمت اس کی بیوی نہیں کرتی وہ کرتے ہیں۔ اب وہاں پر خاوند نے بیوی کو ایک چارپائی دے دی کہ اس پر تیرا حق ہے۔ کچھ عرصہ ہنگامے اور جھگڑے ہوئے تو بیوی روٹھ کر چلی گئی۔ انہی دنوں میں نے اپنی کتاب ''اصلاح نفس'' تقسیم کی تھی جس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ نہ تو ماں باپ کی خاطر آدمی بیوی کے حقوق ضائع کرے اور نہ ہی بیوی کی خاطر ماں باپ کے۔ اچھا ان ہی دنوں سسر نے بہو کی پٹائی بھی کی تھی، کیونکہ سسر یہ سمجھتا ہے کہ باقی حقوق کے ساتھ ساتھ ایک میرا حق بہو کی پٹائی کرنے کا بھی ہے۔ حالانکہ پٹائی کا حق تو خاوند کو بھی نہیں ہے۔ آدمی بیوی کو صرف نماز ترک کرنے پر مار سکتا ہے اور میلا کچیلا رہنے پر مار سکتا ہے۔ کہ عورت جب باہر جارہی ہو تو خوب بن سنور کر جائے اور گھر میں میلی کچیلی رہے تو اس پر مار سکتا ہے۔ کھانے کے نمک پر پٹائی نہیں کر سکتا۔ اور پٹائی کا طریقہ بھی یہ ہے کہ پتلی شاخ سے پنڈلیوں اور رانوں پر اتنا مارے کہ نشان نہ پڑے اور ہڈی نہ ٹوٹے۔ یہ پٹائی بھی جائز ہے بہتر نہیں ہے۔ آدمی کی نااہلی کا ثبوت ہے کہ وہ بات پٹائی تک لے آئے۔

تو معاشرت دین کا ایک پورا شعبہ ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آداب معاشرت پر ایک پوری کتاب لکھی ہے۔ جو ساتھی زیادہ سیکھنا چاہیں وہ اس کا مطالعہ بھی کر لیں۔

نفس کے مزے

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم امابعد!

نفس کے ذائقے:

مزہ ایک نفسانی ہے اور ایک روحانی ہے۔ نفسانی مزے کون کونسے ہیں؟ نفسانی مزے کھانے پینے کے مزے ہیں، زبان کا ذائقہ، آنکھ کا ذائقہ، کان کا ذائقہ، جنسی ذائقہ۔تو جگہ جگہ نفس کے اندر مزے ہیں۔کوئی لوگ کان کے مزوں کے عاشق ہو جاتے ہیں اور ساری چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر دن رات ڈھول باجے والوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔ ہمارے ایک رشتہ دار تھے اُنھوں نے اپنی دوکان، کاروبار سب کچھ لُٹا کر ڈھول باجے والوں کی نذر کردیئے تھے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے ایک خاص مرید ہوتے تھے، اُن کا بھائی باڑہ میں ایک چرسی پیر کے ہتھے چڑھ گیا۔ اُس کو پکڑنے اور تلاش کرنے کے لیے اس کے بھائی باڑہ گئے تو وہ وہاں اُس چرسی پیر کی درگاہ میں ملا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ پیر رباب بجارہا تھا اور اس میں ایسی کشش تھی کہ اگر سُننا حرام نہ ہوتا تو میں اُس سے کہتا کہ آپ ہمیں دوبارہ سنائیں۔ ان کے بھائی پر ایسا جادو کیا ہوا تھا کہ بس یہ گھر میں ٹِک نہیں سکتا تھا، دوڑ کر اُس کے پاس پہنچتا تھا۔ تو کوئی کان کے ذائقے میں پھنسا ہوا ہے۔ ایسے ہی آنکھ کا ذائقہ ہے، زبان کا ہے، بیاہ شادی کا ذائقہ ہے۔

بڑا بننے کا ذائقہ:

بڑا بننے کا ذائقہ ہے کہ ہم ممبر ہو جائیں، وزیر ہو جائیں۔ اپنا سارا کمایا ہوا اُس پر خرچ کر دیتے ہیں۔ کمانے میں کتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں اور جب مال آجاتا ہے تو مال کو بے دریغ جاہ پر خرچ کرتے ہیں، سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

ہمارے ایک حاجی صاحب تھے، خود تو سینٹر بن گئے اور چھوٹے بھائی کو اُنھوں نے قومی اسمبلی کے الیکشن کے لیے کھڑا کیا۔ کسی نے بتایا کہ دو کروڑ روپے خرچہ ہوا ہے اور ہار گئے ہیں۔ جب وہ ہارے تو اپنے مخالف پر مقدمہ قائم کیا۔ ماشاء اللہ حاجی صاحب بڑے ہوشیار تھے اگر دو کروڑ روپے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کئے ہوتے تو اُن کے ہاتھ اُٹھانے پر (دعا کرنے پر) لوگوں میں حکومتیں تقسیم ہوتیں۔

ایک آدمی نے حضرت بوعلی قلندرؒ کے سامنے آکر شکایت کی کہ بادشاہ کے فلاں کارندے نے مجھے یہ تکلیف پہنچائی ہے۔ تو اُنھوں نے بادشاہ کے نام خط لکھا:

باز گیر ایں عاملے بدگو ہرے
ورنہ بخشم ملک تو با دیگرے

ترجمہ: ''کہ تو اپنے اس نالائق عامل کو ٹھیک کردے ورنہ تیرا ملک میں کسی دوسرے کو دے دوں گا''۔

تو ایسے اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندے ہوتے ہیں۔ خوارزم شاہ پر جب تاتاریوں کا حملہ آرہا تھا اُس زمانے میں حضرت مولانا رومؒ کے والد صاحب اس کے شہر میں رہتے تھے۔ اُن کی اتنی شہرت تھی کہ بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ میرا اقتدار نہ لے لیں۔ تو اُس نے اپنے وزیر کو خزانے کی چابیاں دیکر اُن کے پاس بھیجا اور کہا کہ یہ اُن کے حوالے کردو۔ وزیر آیا اور اُس نے کہا کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ یہ خزانے کی چابیاں ہیں آپ لے لیں۔ آپ سمجھ گئے کہ بادشاہ نے شریفانہ طریقے سے اس بات کی دھمکی بھیجی ہے کہ مجھے تجھ سے خطرہ ہوگیا ہے کہ تو میری حکومت کو لینے والا ہے اور اس لئے میں تمہارے ساتھ ہر کچھ کرسکتا ہوں۔ تو انھوں نے چابیاں واپس کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ آپ اُن کو کہیں کہ میں جمعہ کی نماز پڑھوا کر اور اپنے مریدوں سے مل کر اس علاقے کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا

کہ چلو اچھا ہوا آدمی سمجھدار تھا ہماری بات کو سمجھ گیا۔ پھر اُس کے وزیروں کا مشورہ ہوا کہ اگر یہ بزرگ جمعہ کی نماز کو ٹھہرے اور نماز کے بعد مریدوں سے کہا کہ میں اس وجہ سے اس علاقے سے باہر جارہا ہوں تو حکومت کے خلاف بڑی فضا خراب ہو جائیگی۔ اس لیے آپ ان سے کہیں کہ جمعے کی نماز سے پہلے ہی یہاں سے چلے جائیں۔ تو اُنھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اور جمعے کی نماز سے پہلے ہی چلے گئے۔ اس علاقے کے جوابدال تھے وہ اس انتظار میں تھے کہ تاتاریوں کو خوارزم شاہ پر چڑھانا تھا اور علاقے کی کُترا کُتری ہونی تھی اور جب تک یہ بزرگ وہاں پر تھے ان کی موجودگی میں اور اُن کے ہوتے ہوئے ان کی برکت کی وجہ سے یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ تو ان کو صحیح سالم بیچ میں سے نکالا گیا اور جونہی یہ اس علاقے کو چھوڑ کر گئے اور دوسرے علاقے میں جا کر منتقل ہوئے پیچھے سے حملہ آیا اور اتنا کُشت وخون ہوا کہ خوارزم شاہ کو علاقہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

تو ایسے اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندے بھی ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم نے اپنا سب کچھ اپنی دنیا کے لیے قربان کیا ہوا ہوتا ہے مال، جان، عزت، آبرو، جان کو خطرات میں ڈالے ہوئے، سب کچھ کئے ہوئے ہوتے ہیں ایسے ان حضرات نے اللہ کے لیے سب کچھ قربان کیا ہوتا ہے۔ یہ سیاسی لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر تو نے آج فلاں جگہ پر جلسہ کیا تو مخالفین کہتے ہیں کہ تم سب کے وہاں سے جنازے اُٹھیں گیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ مرنا تو آخر ایک دن ہے ہی اور آج کا جلسہ اگر ہم وہاں نہ کریں تو ہمارا سارا سیاسی کیریئر ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا آج ہم مر جائیں گے یا پھر جلسے کو کامیاب کر کے نکلیں گے۔ تو جان کو خطرے میں ڈال کر کام کرتے ہیں، اقتدار کی خاطر جان کی قربانی کی نیت کرتے ہیں، کہ جان اگر لگتی ہے تو لگ جائے ورنہ ہمارا کوئی سیاسی مستقبل نہیں ہے۔ ایک دفعہ یہاں ایک وزیر تھے اُن کو ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب نے چلہ کے لئے تیار کیا تو وہ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ

میں اُن کو لینے کے لیے گیا کہ تبلیغ والوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ میں اُن کو وصول کرنے کے لیے گیا تو اُن کے والد صاحب مل گئے، اُنھوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہ ان کو کدھر لے جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ ان کو چالیس دن کے لیے تبلیغ میں لے جا رہے ہیں۔ تو اُس نے کہا کہ اوہو آپ تو اس کو ختم کرنے لے جا رہے ہیں کہ جب یہ تبلیغ میں چالیس دن گزارے گا تو اپنے سیاسی میدان میں نہیں ہوگا اور لوگوں کے کام نہیں کریگا تو اس کا تو سیاسی کیرئیر ختم ہو جائے گا۔ ماشاء اللہ اس کے والد صاحب تو بہت ہوشیار تھے کہ لوگوں کے کام سیاسی کیرئیر بنانے کی نیت سے کر رہے ہیں، جیسے کوئی آدمی کسی جمعدار سے کہے کہ تم میری دس جریب زمیں لے لو اور اپنا ٹین جس میں تم ٹٹی صاف کر کے رکھا کرتے ہو اور جھاڑو اور ساری چیزیں میرے حوالے کر دو۔ تو خدمتِ خلق کا عمل اپنے سیاسی کیرئیر کے لیے ہو رہا ہے سبحان اللہ جی، یہ کتنا ناقص فہم ہے کہ سیاسی کیرئیر بنے اور پھر اس پر ووٹ ملے۔

میں ایک جگہ گیا تو اتفاقاً کچھ سیاسی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ اُنھوں نے ہمارا مذاق وغیرہ اُڑایا، اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے جہاد میں کیا کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جہاد میں ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ کوئی اشتہار کی چیز تو نہ تھی کہ ہم اُس کا اشتہار نکالتے اور تصاویر اُترواتے اور اخباروں میں آتا کہ فلاں چندہ دے رہا ہے اور فلاں کپڑا دے رہا ہے، فلاں اسلحہ دے رہا ہے۔ اور نہ ہی آپ کو بتانے کی ضرورت تھی۔ فرض کریں ہم نے کچھ نہیں کیا تو ہمارا تو کوئی دعویٰ بھی نہیں۔ ایک دفعہ ایک ڈاکٹر صاحب نے تین دن دیئے تو اُن کو وصول کرنے کے لیے میں گیا تو وہاں ایک سیاسی پارٹی کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگ جہاد نہیں کرتے، بُرائی کو دیکھ کر ہاتھ سے روکنا چاہیے اور نہیں تو آدمی زبان سے روکے، نہیں تو آدمی دل سے روکے اور دل سے روکنا تو سب سے ضیعف ایمان ہے۔ یعنی کہ تم ضیعف ایمان پر ہو اور ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں۔ بندہ نے جواب دیا کہ

ہمیں تو اس بات کا دعویٰ ہی نہیں کہ ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں، ہمیں اپنی کمزوریوں اور کمیّوں کا احساس ہے اپنے ضُعف کا احساس ہے کہ ہمارے اندر ساری کمّیاں ہیں۔ میں اُن سے بحث میں نہیں اُلجھا، تو اُنھوں نے دوسرا راؤنڈ لیا، جیسے باکسنگ میں ایک راؤنڈ ہو کر پھر دوسرا راونڈ ہوتا ہے۔ تو اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟ کچھ نہیں کرتے ہیں کہ آپ لوگ کمزور ایمان والے ہیں تو میں نے کہا کہ ہم نے تو کبھی دعویٰ ہی نہیں کیا قوی ایمان کا۔ ہمارا ایمان کمزور ہے ہم اُس کو درست کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں۔ اُس نے تیسر راونڈ لیا تو پھر اُس کو اندازہ ہوا کہ یہ آدمی بالکل بحث میں اُلجھ نہیں رہا۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے بستر ہ تیار کرلیا۔ میں نے کہا کہ آؤ ڈاکٹر صاحب کہ جائیں اور اُس سیاسی شخص سے کہا کہ آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں۔ تو اُس آدمی کو بالکل اندازہ ہو گیا کہ یہ آدمی بحث میں اُلجھ نہیں رہا۔ تو ہمارا دعویٰ ہی نہیں ہے کمال کا۔

اللہ کی طرف سے امتحان:

تو بڑا بننے کا ایک جذبہ ہے اور ساری عمر کی کمائی آدمی لٹاتا ہے تاکہ بڑا بنے کہ جب تو دین کا کام کرے گا تو اُس سے لوگوں میں مقبولیت ہوگی، وہ تیری ساری چیزوں کو پیسے سے خریدنے کی کوشش کریں گے، تجھے شکرانے پیش کرکے، پیسے دیکر، اپنے کاموں کے لیے تیری وجاہت کو، حیثیت کو استعمال کرنے کی کوشش کرینگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوگا کہ اگر اس جگہ پھنس گیا تو بس پیسہ ہو جائیگا لیکن تعلق مع اللہ نہیں رہے گا۔ تو پھر جب آدمی اس جگہ سے پار ہوتا ہے تو لوگ اس کی حیثیت اپنی سیاسیات کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم آپ کو ٹکٹ دے رہے ہیں، ہم آپ کو الیکشن میں کھڑا کر رہے ہیں تاکہ اس کی حیثیت کو استعمال کریں اور اگر یہاں استعمال ہو گیا تو دنیا ہو گئی اور

تعلق مع اللہ نہ رہا۔تو اس ٹیسٹ کو آدمی جب پاس کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ہے۔

حضرت مولانا زکریاؒ نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ سہارنپور مدرسے میں مجھے اُستاد بنا دیا گیا۔میں وہاں پر تھا کہ حیدرآباد دکن سے مجھے خط آیا کہ اگر آپ ہمارے پاس آجائیں تو ہم آپ کو کوئی ساڑھے پانچ سو تک تنخواہ دیں گے جبکہ یہاں بیس روپے تنخواہ تھی۔تو میں نے لکھا کہ میں نہیں آسکتا۔پھر اُنھوں نے لکھا کہ ہم آپ کو تنخواہ کے ساتھ موٹر اور ڈرائیور بھی دینگے۔ پھر کہا کہ موٹر، ڈرائیور اور ساتھ پٹرول بھی دیا کرینگے۔ میں نے کہا کہ نہیں آسکتا۔لیکن وہ قیمت بڑھاتے گئے یہاں تک کہ میں نے جواب میں ایک شعر اُن کو لکھا اور کوئی سرنامہ وغیرہ کچھ بھی نہ لکھا اور صرف یہ لکھا کہ:

مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احسان ہوکر

پھر اس کے بعد اُنھوں نے میرا پیچھا چھوڑا۔تو تب کہیں جا کر قطب الاقطاب بنے ہیں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی اتنی زمین تھی کہ سات گاؤں کے مالک تھے اور والد صاحب نے شوقیہ مجھے دینی علم پڑھایا تھا اور فارغ ہونے کے بعد مجھے یہ کہا تھا کہ سرائے کھیڑا ایک گاؤں ہے اس کی آمدنی تو لیا کر اور مدرسے میں پڑھاتا رہ تاکہ تنخواہ کی محتاجی نہ ہو۔پھر فرماتے ہیں کہ وہاں تقریباً بیس یا پچیس سال تدریس کی۔اُس کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ جس وقت تیرا دل مدرسے کی تعلیم و تعلّم سے فارغ ہو جائے تو پھر تو کلاً علیٰ اللہ ہماری خانقاہ تھانہ بھون میں آکر بیٹھ جانا۔آپ نے والد صاحب کی میراث کا جو حصہ تھا وہ سب اپنے بھائیوں کو دے دیا اور سب چیزوں سے فارغ ہو کر بس خود اہلیہ مبارکہ کو لیکر آگئے اور تھانہ بھون میں بیٹھ گئے۔دن رات ذکر و فکر،عبادت،تصنیف و تالیف،وعظ و تقریر کا کام کیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسا پالا اور ایسا رکھا ہے کہ بادشاہوں کی طرح۔یہ ہمارے سلسلے پر اللہ تعالیٰ کا فضل

ہے کہ ہمارے سلسلے والوں پر تنگدستی اور پریشانیاں نہیں آتیں۔ جان کی حفاظت کا غم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ بہت آسودہ اور عافیت سے رکھتا ہے۔ ایک دفعہ ہم راولپنڈی گئے، میرا خیال ہے کہ کوئی بھی ساتھی ساتھ نہیں تھا۔ وہاں جو حضرات تھے وہ بڑا زوردار دین کا کام کر رہے تھے اور دونوں پستول لٹکائے ہوئے پھر رہے تھے۔ ہم تھوڑی دیر وہاں بیٹھے تو اُن دونوں نے پستول اُتارے اور ایک جگہ پر لٹکا دیئے۔ میں نے دل میں کہا کہ وہ جو ہمارے سلسلے کے ساتھ " وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ " (اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) والا معاملہ ہے کہ اللہ ہی حفاظت کرنے والا ہے اُس کا ان پر بھی غلبہ ہوا اور اُنھوں نے اسلحہ اُتار کر رکھ دیا۔ سبحان اللہ

کہتے ہیں کہ وفات تک حضرت تھانویؒ کو کسی بھی قسم کی کمائی کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی حالانکہ وہ اپنی صرف ایک کتاب کو خود چھپاتے اور خود بیچتے مثلاً تفسیر کو یا بہشتی زیور کو تو مال و دولت کے انبار لگ جاتے (اس تفسیر پر اور اسی بہشتی زیور پر کتب فروشوں نے خزانے بنائے ہیں) یہ جو آپ کی ایک ہزار تصانیف ہیں وہ اتنی بِکی ہیں کہ ان پر لوگوں نے دولتوں کے انبار جمع کئے ہیں۔ لیکن اُنھوں نے اتنا تک بھی نہ کیا کہ رجسٹریشن کر کے حق محفوظ کیا جائے کہ میری اولاد کو، میرے مدرسے یا میرے خاندان کو ملے بلکہ جو چھاپتا ہے اور جہاں سے چھاپتا ہے بالکل کھلی اجازت ہے، صرف یہ ہے کہ اس میں مضمون کی تبدیلی نہ کرے اور غلطیاں نہ کرے۔

تو سچ بات ہے کہ اہلِ دنیا بہت بیوقوف ہوتے ہیں، فائدے نقصان کو نہیں سمجھ رہے ہوتے۔ کہ میرا فائدہ کس میں ہے؟

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ o

ترجمہ: "اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنھوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی

کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا ڈالا۔ یہی لوگ نافرمان ہیں''۔

میں سوات میں گیا تو اُنھوں نے کہا کہ ایک مریض کو آپ سے ملوائیں گے کہ اس پر غور کریں اور اس کے علاج کی کچھ فکر کریں۔ اُنھوں نے جب ملایا تو میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں ایک سائیکاٹرک (نفسیاتی دماغی) مریض ہوں میں نے کہا کہ آپ کرتے کیا ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ اس طرح کا کاروبار ہے، ناظم ہے اور اس طرح یہ فیصلے کرتا ہے، جرگے کرتا ہے، پولیس والوں کو اس کے پاس آنا پڑتا ہے کبھی دھمکی اور گالی گلوچ بھی کر لیتا ہے، اُن کی بے عزتی بھی کر لیتا ہے، اُس کا پورا اقتدار ہے اور ڈی سی پر بھی اُس کا رُعب ہے۔ تو میں نے اُس سے کہا کہ تجھے کسی ڈاکٹر نے نہیں بتایا کہ تو نے اپنے آپ کو اتنی مصیبت میں ڈالا ہوا ہے اور تیری بیماری یہ کام ہیں۔ جس کو تو گولیوں سے ٹھیک کرنا چاہتا ہے تو اُس نے کہا کہ نہیں جی۔ کہ تیری بیماری کی ہسٹری کسی نے نہیں لی اور ہسٹری لے کر تشخیص کرنا اور پھر پرابلم کا روٹ کا زیعنی اُس کی جڑ بنیاد معلوم کرنا اُس کی تہہ تک پہنچنا اور دوائی کا عارضی سہارا دیکر اُس جڑ و بنیاد کو نکالنا وغیرہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ معاف کریں آپ کی بیماری کی یہ تشخیص ہے اور علاج آپ کا یہ ہے کہ جب حکومت نے مقدموں کے لیے ایک محکمہ بنایا ہے تو اُن کو اپنا کام کرنے دو۔ جب حکومت نے پولیس کا محکمہ بنایا ہے ڈی سی وغیرہ اور عدالتیں بنائی ہیں تو آپ لوگوں سے کہیں کہ آپ وہاں پر جائیں میرے سر میں کیا درد ہے کہ میں لوگوں کے مسئلے حل کرنے کے لیے بیٹھوں کہ میں بڑا چوہدری ہوں اپنی چوہدراہٹ قائم کرنے کے لیے اور جذبہ جاہ کو مطمئن کرنے کے لیے، بڑا بننے کے لیے۔ لوگوں کا تو مقدمہ فیصلہ ہوا، اُن کو سُکھ آسودگی ملی اور اُس کے نتیجے میں جذبہ جاہ میں اور کبر میں میں مبتلا ہوا اور حالت وصحت میری بگڑی تو اُس سے میں نے کیا فائدہ کمایا؟ مفت کا عذاب اپنے لئے لیا۔

روحانی مزے اور دنیادار عالم کی سزا:

لیکن انسان بے وقوف جذبہ جاہ کے پیچھے پڑتا ہے، جذبہ مال کے پیچھے پڑتا ہے، جبکہ نفس کے یہ مزے، عارضی اور فانی ہیں۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذکر وعبادت میں، اپنے تعلق میں، خدمتِ خلق میں، نیکی میں اس سے کہیں زیادہ مٹھاس اور حلاوت ومزے رکھے ہیں اور یہ دولتیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے تعلق والے بندوں کو دیتے ہیں۔کہ دنیادار عالم کی سب سے پہلی سزا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کو مناجات کی حلاوت سے محروم کر دیتا ہے۔اللہ کے حضور ذکر کرنا،فکر کرنا، دعا ومناجات میں لگنا، عبادت میں لگنا اُس میں جو حلاوت اور جو مزہ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اُس سے لے لیتا ہے اور اُس کا اتنا لطف ہے کہ جان چلی جائے تو بھی آدمی کو پروانہیں ہوتی، اتنا لطف ہے اُس کا۔یہ روحانی مزے ہیں اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ بعد مجاہدات وکوشش کے جب آدمی نیکی کی کوشش کرتا ہے، اعمال کے لیے کوشش کرتا ہے، اعمال کو اپنی عادت بناتا ہے، بار بار کرتا ہے، اور تکلیف اُٹھا کر اعمال کرتا ہے، نفس کو اُس کے کرنے پر بار بار مجبور کرتا ہے یہاں تک کہ نفس عادی ہو جاتا ہے تو عادی ہونے کے بعد اُس کا مزہ اور حلاوت اُس پر کھلتے ہیں۔

جب پہلی مرتبہ آدمی نسوار کی چٹکی ڈالتا ہے تو کس قدر سر چکراتا ہے، اُلٹی آتی ہے ،مزہ نہیں آتا لیکن عادی ہو جانے کے بعد اب اگر نسوار نہ ملے تو آدمی کام نہیں کر سکتا۔بہت دفعہ آپ کو شیعہ ذاکر کا لطیفہ سنایا ہے کہ پٹھانوں کے علاقے میں کچھ لوگ شیعہ ہونے کو ہوئے تو ذاکر نے بڑی دردناک تقریر کی لیکن کوئی نہیں رُویا، تو اُس کو بڑا افسوس ہوا اور اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اتنے نازک حالات کیسے بیان کرتے ہیں کہ لوگ اس بات کو بہت محسوس کریں اور رُوئیں، تو جواب ملا کہ جب آپ کہیں گے کہ لوگوں کو چائے اور

نسوار تک نہیں مل رہی تھی تو پھر لوگوں کو پتہ چلے گا کہ حالات بہت نازک تھے۔ تو اُس ذاکر نے اپنے اوپر حال طاری کیا اور رُو یا دھویا اور پھر انتہائی غمگین شکل بنا کر کہا کہ ''کوئی ایسے ویسے مظالم تو نہیں ہوئے تھے بلکہ اس قدر ظلم ہوا کہ چائے اور نسوار تک ملنا مشکل ہوگئی تھی۔'' بس پھر تمام پٹھان اس بات پر روئے اور کہنے لگے اچھا اس قدر نازک اور گھمبیر حالات تھے کہ چائے اور نسوار بھی نہ ملتی تھی۔ تو نسوار میں مزہ آنے لگتا ہے، جب اس نے بار بار کیا اور اپنے نفس پر جبر کیا تو اب اس کا نفس اس کا عادی ہوگیا۔

نفس کو نیکی کا عادی بنانا:

تو قبیح چیز میں بھی آدمی کو لطف آنے لگتا ہے اور بدمزہ چیز میں مزہ آرہا ہے۔ تو حقیقی رُوحانی چیز جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فی الحقیقت مزہ رکھا ہے اُس کو آدمی کرلے تو اس کے بعد اُس کا مزہ کھلتا ہے۔ نفس کو بار بار کرا کے اور اُس پر بوجھ ڈال کے اور اُس عمل کو بار بار کروائیں یہاں تک کہ نفس اس کا عادی ہوجائے۔ تصوف کا ایک حصہ فن ہے کہ نفس کو عادی بنانا اور اللہ تعالیٰ کا دھیان طاری ہوجانا اور باطن میں ذکر کا جاری وساری ہوجانا تو یہ سب تو ہم مشق سے کروالیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا تعلق، وہ فن نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماتا ہے تو آدمی کو اپنا تعلق نصیب فرمادیتا ہے۔ آدمی کے دل میں ایک ذرہ بھی اللہ کے غیر کا خیال نہ آئے یہ مشق سے ہوجاتا ہے اور یہ فن ہے۔ کہ دل مکمل خالی ہوگیا اب اللہ تعالیٰ کے دھیان کے علاوہ کوئی دھیان نہیں آرہا لیکن یہ معرفت اور تعلق مع اللہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مشق ہے۔ تعلق مع اللہ تو جس دن سے آدمی قبول ہوتا ہے اُس دن سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہ مشق ہے کہ باطن میں وسوسہ نہ آئے اور گناہ کا خیال نہ آئے، اللہ تعالیٰ کے دھیان کے علاوہ دھیان نہ آئے، صحیح دھیان طاری ہو۔ پھر اس

کے بعد جب آدمی اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول ہوتا ہے اُس دن سے ولایت کا دروازہ یعنی اللہ تعالیٰ کے تعلق کا درواز کھلتا ہے۔ان ساری چیزوں میں نیت میں فرق آنے سے مردُود بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ سارا کچھ اور کمالات کے بڑے بڑے درجے حاصل کیئے ہوئے مردُود ہو جاتے ہیں۔ ابلیس کے کتنے بڑے درجے تھے، سدِرۃُ المنتہیٰ تک پرواز، ساری کائنات کا کشف، کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک قدم میں پہنچنا اور اُس کے باطنی نظام کا دیکھنا، یہ ساری باتیں فن کے لحاظ سے اُس کو حاصل تھیں۔لیکن فضلِ الٰہی شاملِ حال نہیں ہوا تھا یعنی قبول نہیں ہوا تھا۔تو کتنی بلندی تک جانے کے بعد گر گیا۔

یہاں تک کہ مقاماتِ تصوف کو آدمی طے کرر ہا ہوتا ہے، اُس کو یہ چیزیں حاصل ہو چکی ہوتی ہیں لیکن اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہوتا مردُود ہے، قبول نہیں ہوتا۔سارے کمالات اُس کو حاصل ہوتے ہیں محسوس ہوتے ہیں، دیکھتا ہے، اُن سے گزر رہا ہوتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتا۔تو اس لیے یہ جو اہلِ سلوک ہوتے ہیں انھیں ان باتوں کو محسوس کرنے کے بعد بھی باطن میں کبر اور شیخی نہیں لانا چاہیے۔ یہ کوئی گارنٹی نہیں ہے، کوئی یقین دھانی نہیں ہے کہ یہ چیزیں حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول بھی ہوں۔(اس جگہ ایک آدمی نے سوال کیا) اخلاص اور سلوک میں کیا فرق ہے؟

سالک اور سلوک:

جواب: سلوک تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا کرنے والے طریقے پر چلنا۔سالک چلنے والا ہے اور سلوک چلنے کی ترتیب ہے۔جو آدمی بیعت ہوا، اور جس آدمی نے اعمال شروع کیے اور اپنی اصلاح کے کام پر لگ گیا یہ سالک ہے۔اور جو بزرگوں نے طریقے مُدّون کیے ہوئے ہیں اور لکھے ہوئے ہیں یہ سلوک ہے۔اور اخلاص جو ہے وہ ان ساری چیزوں کا

رضائے الٰہی کیلئے کرنا، کسی اور جذبے کے تحت نہ کرنا۔ اب ہندو جوگی بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں، نفس کو مار دیتے ہیں، خواہشاتِ نفسانیہ کو کچل دیتے ہیں لیکن اُن کا جذبہ جوگی بننے کا ہوتا ہے جو کہ مافوق الفطرت سی شخصیت ہوتی ہے۔ جیسے کہ اولیاء اللہ کی کرامتیں ہوتی ہیں اس طرح کی چیزیں ظاہر ہونے کے حالات بنتے ہیں۔ کہ ہَوا میں اُڑتے ہیں، پانی پر چلتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اُنھوں نے رضائے الٰہی کے لیے نہیں کیا ہوا ہوتا بلکہ بھگت اور بڑا جوگی بننے کے لیے کیا ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول نہیں ہوتے۔

زندیق کی تعریف:

پہنچے ہوئے ضرور ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی جیسے بادشاہ کے محل میں ایک تو وزیر پہنچا، ایک مہمان پہنچا اور ایک ڈاکو پہنچا۔ مہمان کے لیے تو بادشاہ نے کھانے کا بندوبست کرنا ہو گا، وزیر کی ضروری باتوں کو سننا ہے اور ڈاکو پر اپنے چوکیدار کو جلدی سے فائر کرنے کا حکم دینا ہے۔ تو یہ جو اہلِ باطل ہوتے ہیں بڑے بڑے کارنامے آپ کو کر کے دکھا دیں گے۔ یہ پہنچے ہوئے ہیں ضرور لیکن جہنم تک۔ اور پہنچے ہوئے ہوتے ہیں دربار میں لیکن ڈاکو بن کر، ان کے لیے فوراً قتل اور گرفتاری کا حکم ہونا ہوتا ہے۔ تو اس لیے ان سے ایک ذرہ بھی متاثر نہ ہوا کریں۔ آجکل ارشد صاحب شادی کی فکر میں ہیں، اُس کی خالہ نے کہا ہے کہ ہمارے ایک پیر صاحب ہیں آپ اُنکے پاس چلے جائیں وہ پیر صاحب کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر بند ہے اور کسی نے اس کو بند کیا ہوا ہے، یہ چینی اور پانی لیکر آئے ہم اس کو دم کریں گے پھر اس کو کھولیں گے۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا پیر صاحب کیسے ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ نماز وغیرہ نہیں پڑھتے ہیں، داڑھی منڈوائی ہوئی ہے لیکن بہرحال وہ پہنچ گئے ہیں، اب ان کو اس چیز کی ضرورت ہی نہیں رہی ہے اور نماز خانہ کعبہ میں پڑھتے ہیں۔ اُس کا جانے کا جذبہ ہو گیا

تھا کہ چلو ٹھیک ہے کہ اگر بیوی یہاں سے ملتی ہے مجھ سے پوچھنے آیا تو میں نے جواب دیا کہ یہ تو زندیق ہے۔ تو اس کو بڑی حیرت ہوئی کہ زندیق تو میں نے بھی کہہ دیا تھا لیکن میں اندر سے بڑا ڈر رہا تھا کہ مجھے کچھ ہو نہ جائے کہ خالہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو کچھ ہو جائیگا۔ تو میں نے کہا کہ برخودار جو شخص معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو اور اُس کے درست ہونے کے شریعت و قرآن سے دلائل دے رہا ہو اور اُس پر قائم ہو تو زندیق اسی کو کہتے ہیں۔ کہ جو حقائق کو بدل کر اُن کی تشریح اپنے نفس کے مطابق کر رہا ہو۔

ایک ساتھی کی وفاقی محتسب کی فائل گئی ہوئی تھی۔ تو اُن کو کسی نے کہا کہ آپ بری امام پر چلے جائیں کہ وہاں فلاں آدمی بیٹھا ہے وہ پاکستان کا بڑا ولی ہے اُس سے وزارتیں اور حکومتیں تقسیم ہوتی ہیں آپ کا کام بھی ہو جائے گا۔ تو وہ سادہ آدمی وہاں پر چلے گئے جب وہاں گئے تو اُس شخص نے کہا کہ آپ کو تھوڑی دیر بعد بتائیں گے۔ تو وہ پیر صاحب دوسرے کمرے میں مراقبہ کرنے کے لیے گئے۔ اب مراقبے کا ایک ڈبہ ہے جس کے پیچھے تار لگی ہوئی ہے اُس کو کہتے ہیں ٹیلی فون۔ تو اُس نے ڈپٹی سیکرٹری اسٹیبلیشمنٹ ڈویژن کو ٹیلی فون ملایا اور اُسے کہا کہ فلانے کی فائل کا کیا ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ سر ابھی میرے سامنے پڑی ہوئی ہے اور وزیر اعظم سے دستخط ہو کر آ گئی ہے۔ بس وہ پیر صاحب یہ مراقبہ کر کے آ گئے اور کہا کہ شاہ صاحب کام ہو گیا ہے۔ ڈپٹی سیکرٹری صاحب نے ایم اے انگلش پشاور یونیورسٹی سے کی ہوئی تھی، اُس نے بتایا کہ فلاں آدمی نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اس طرح سے بتایا تھا۔ ساتھی کو بتایا کہ اس طرح واقعہ ہوا تھا مگر وہ نہ مانے بلکہ کہا کہ تم وہابی قسم کے لوگ ہو اور تم لوگ تو بزرگوں کو نہیں مانتے ہو اور تمھیں اس بات کا نہیں پتہ ہے۔ کیا ہوا جو اُن کی شرعی صورت نہیں ہے، وہ تو قلندر ہیں، سب کچھ ختم ہو گیا ہے اور اب وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے ہیں۔

پہنچے ہوئے بزرگ تو صاحب شریعت ہوتے ہیں:

میں نے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ''نفس ساڑنا'' ہزارے کی تصوف کی اصطلاح ہے کہ کھانا پینا چھوڑ کر وہ ایسے ہو جاتے تھے کہ جسم پر ہڈی چمڑہ رہ کر اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتے تھے۔ اُن کو کشف ہونے لگتا ہے کہ آدمی آیا اُس کا کشف ہو رہا ہے، تو لوگ سمجھتے تھے کہ یہ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں حالانکہ پہنچے ہوئے نہیں ہوتے۔ پہنچے ہوئے بزرگ تو صاحبِ شریعت ہوتے ہیں جن کے ہوش وحواس قائم ہوتے ہیں اور کبھی کوئی دعویٰ کی بات کرینگے ہی نہیں۔ اگر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ زندہ ہو جائیں اور آپ اُن کے پاس جائیں کہ یہ میرا فلاں کام ہے تو وہ کبھی بھی یہ نہیں کہیں گے کہ ہم نے کر دیا، یا کروا دیا، یا ہو گیا۔ بلکہ یوں فرمائیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں۔ اور یہ جنھوں نے دس سال تک استنجا نہیں کیا ہوا ہوتا ہے اور کہتے ہیں کر دیا ہے، یہ ہو گیا اور وہ ہو گیا وہ اپنے لیے جہنم کے اونچے درجے تیار کر رہے ہوتے ہیں اور سادہ لوح لوگ بیچارے تو ایسے ہی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے جاتے ہیں اور اعتقاد کی وجہ سے کام اُن کے بنتے رہتے ہیں۔ ورنہ حقیقت ان کے پاس قطعاً نہیں ہوتی۔

تو ہمیشہ توبہ کے ذریعے سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا، اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا وقرب کو حاصل کرنا، اور دعا کے ذریعے اپنے مسائل کو حل کرانا یہ آسان اور صحیح نسخہ ہے۔

مأخذ ومصادر

۱) مرد درویش........................ ڈاکٹر فدا محمد صاحب

۲) ماہنامہ غزالی........................ ڈاکٹر فدا محمد صاحب

۳) نقش درویش........................ ڈاکٹر فدا محمد صاحب

۴) تذکرۃ الرشید........................ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

۵) امداد المشتاق........................ مولانا اشرف علی تھانویؒ

۶) نقش حیات........................ مولانا حسین احمد مدنیؒ

۷) اشرف السوانح........................ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

۸) خطبات حکیم الامت........................ مولانا اشرف علی تھانویؒ

۷) ملفوظات........................ مولانا اشرف علی تھانویؒ

۸) تبلیغ دین........................ امام غزالیؒ

۹) احیاء العلوم........................ امام غزالیؒ

۱۰) آپ بیتی........................ مولانا محمد زکریاؒ

۱۲) معارف القران........................ مفتی محمد شفیعؒ

۱۳) وقائع سید احمد شہیدؒ........................ نواب وزیر خان ٹونک

۱۴) تاریخ مشائخ چشت........................ مولانا محمد زکریاؒ

۱۵) تاریخ مشائخ چشت........................ خلیق نظامی

۱۶) بیس بڑے مسلمان........................ عبد الرشید

۱۷) کاروان تھانویؒ........................ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

۱۸) سلوک سلیمانی........................ مولانا اشرف خانؒ

۱۹) تربیتی نصاب (عقیدہ ختم نبوت اور ردقادنیت)......... مولانا منیر صاحب

۲۰) مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت.................. مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

۲۱) ارشادات ومکتوبات مولانا الیاسؒ.................. افتخار حسین فریدی

۲۲) تذکرہ امیر تبلیغ مولانا یوسف........................ مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری

۲۳) منتخب احادیث...................................... مولانا یوسف کاندھلویؒ

۲۴) رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے خلفاء.................. بریگیڈیئر فیوض الرحمٰن

۲۵) مکاتیب مولانا سعید احمد خان........................ مفتی روشن خان

۲۶) تذکرۃ الاولیاء...................................... فریدالدین عطارؒ

۲۷) عثمانی ترکوں کی تاریخ.............................. طارق

۲۸) سلطان محمد فاتح................................... محمد مصطفیٰ صفوت

۲۹) سوانح مولانا محمد زکریاؒ.............................. مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

۳۰) جواہرات مدنی...................................... تالیفات اشرفیہ

۳۱) ہندوستان میں وہابی تحریک........................ پروفیسر محمد مسلم آبادی

۳۲) عالمی یہودی تنظیمیں .... مفتی ابولبابہ شاہ منصور

۳۳) تاریخ دعوت وعزیمت................................ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

۳۴) تذکرہ حضرت جی مولانا یوسفؒ........................ مولانا منظور نعمانیؒ

۳۵) جدید ترکی میں اسلام................................ شکراً واحدی

۳۶) ملفوظات مولانا الیاسؒ................................ مولانا منظور نعمانیؒ